التوحید

(دلائل توحید اور ردّ کفر و شرک پر مفصّل و مدلّل کتاب)

حضرتؒ مولانا محمّد عرفان ثاقب قاسمی

بانی و مہتمم جامعۃ السعادۃ و ڈائریکٹر تحقیقات شرعیہ اکیڈمی کیرانہ



تحقیقات شرعیہ اکیڈمی

کیرانہ شاملی، یوپی، انڈیا

إِنَّمَآ إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (القرآن)

التَّوحِید

(دلائل توحید اور ردّ کفر و شرک پر مفصّل و مدلّل کتاب)

مصنّف

حضرتؒ مولانا محمّد عرفان ثاقب قاسمی

بانی و مہتمم جامعۃ السعادۃ و ڈائریکٹر تحقیقات شرعیہ اکیڈمی کیرانہ

ناشر

تحقیقات شرعیہ اکیڈمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ

ضلع شاملی، یوپی، انڈیا۔ پن کوڈ: ۲۴۷۷۷۴

سلسلہ مطبوعات تحقیقات شرعیہ اکیڈمی

تفصیلات

نام کتاب : التوحید

مصنف : حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ وڈائریکٹر تحقیقاتِ شرعیہ اکیڈمی، کیرانہ

صفحات : ۳۱۲

اشاعت : اپریل ۲۰۱۷ء

طباعت : مکتبہ النور دیوبند 9045909066

تعداد : ۶۰۰

ملنے کا پتہ

جامعۃ السعادۃ، محلّہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ

کیرانہ، ضلع شاملی، یوپی، انڈیا، پن کوڈ ۲۴۷۷۷۴

9319530768, 9359602830

دیوبند کے تمام بڑے کتب خانوں پر بھی دستیاب ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

کلماتِ تبریک

بقیۃ السلف عارف باللہ استاذ العلماء حضرت مولانا

مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند، الہند

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

''التوحید'' جناب مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی صاحب کی تصنیف ہے۔ جس کا تعارف خود مصنف کی زبان میں یہ ہے ''دلائل توحید اور ردکفر وشرک پر مفصل ومدلل کتاب''۔ اس کتاب میں اسلام کے عقیدۂ توحید کی اچھی طرح وضاحت کرتے ہوئے، آیات انفس وآفاق کے ذریعہ ان کو مدلل کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں قرآن پاک کی آیات کو اصل بنیاد بنایا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں ردکفر وشرک سے متعلق ایک مستقل حصہ ہے۔ مجموعی طور پر کتاب اپنے مشمولات کے اعتبار سے مفید اور معلومات افزا ہے۔

اللہ تعالیٰ مصنف کی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور مزید علمی وتحقیقی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۶ صفر المظفر ۱۴۳۸ھ ۷ر نومبر ۲۰۱۶ء

◆◆◆

کلماتِ دعائیہ

ادیب اریب، نمونۂ اسلاف

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی زید مجدہٗ

استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً ومصلّیا ومسلماً، أمّابعد:

زیرِ نظر کتاب ''التوحید'' - جو دلائل توحید اور رد کفر و شرک پر مفصل و مدلل کتاب ہے - جس کو عزیز مکرم جناب مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی حفظہ اللہ (بانی و مہتمم جامعہ السعادۃ کیرانہ، شاملی) نے بڑی جگر کاوی کے ساتھ ترتیب دیا ہے، کتاب کا موضوع نہایت اہم ہے، جس کا تعلق اسلام کے بنیادی عقیدے توحید باری، نیز خدائے وحدہٗ لاشریک کے وجود اور اس کی یکتائی سے ہے۔

اگر چہ اللہ تبارک وتعالی کا موجود ہونا آفتاب نصف النہار کی روشنی سے فزوں تر ہے، کسی ہوش مند کے لئے اس کے وجود پر دلیل کی ضرورت نہیں، جس طرح کہ ہر عقل مند کسی بھی چیز کو دیکھ کر اس کے تیار کرنے والے اور بنانے والے کا یقین کر لیتا ہے، اسی طرح ہر عقل سلیم رکھنے والا، رب رحیم مولائے کریم کے بنائے ہوئے انسان وحیوان، زمین وآسمان، بحر و بر اور شجر و حجر کو دیکھ کر ان کے بنانے والے خدائے عز وجل کا یقین کر لیتا ہے۔

ایک عرب دیہاتی نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سلسلے میں دلیل پیش کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

''البعرة تدلّ على البعير و أثر الأقدام على المسير أفسماء ذات أبراج والأرض ذات فجاج لا تدلاّن على الصّانع اللّطيف الخبير ؟''

(اونٹ کی مینگنی دیکھ کر اونٹ کے وجود کا یقین ہوجاتا ہے اور کسی کے نقش پا دیکھ کر اس کے وہاں سے گذرنے کا یقین ہوجاتا ہے، تو پھر کیا برجوں والے بلند آسمان اور کشادہ راستوں والی زمین، اپنے بنانے والے لطیف وخبیر کا پتہ نہیں دے گی؟) یقیناً پوری کائنات خالق ومالک خدائے عزوجل کے وجود کی خبر دے رہی ہے۔

مرتب موصوف نے اپنی کتاب ''التوحید'' میں موضوع کے دائرہ میں رہتے ہوئے عقیدۂ توحید پر تحقیقی انداز میں مدلّل کلام کیا ہے، اولاً توحید کی تعریف، پھر توحید اسماء وصفات، نیز صفات باری پر روشنی ڈالی ہے، ساتھ ساتھ توحید کو دس دلائل سے مبرہن کیا ہے، نیز وجود باری اور اس کی وحدانیت کے دلائل قرآن واحادیث سے مزیّن کرکے پیش کئے ہیں اور کفر وشرک کی تردید کرتے ہوئے کفار ومشرکین کو للکارا اور دعوت دی ہے کہ یہ لوگ خدا کی نشانیوں میں غور فکر کریں اور عقل ودانش سے کام لیں کہ تخلیق وتدبیر میں اسکا کوئی ساجھی نہیں ہے، لہٰذا عقلاً یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ ربّ کریم کے سوا کسی دوسرے کو پوجا جائے یا عبادت میں اللہ کے سوا کسی کو شریک کیا جائے؟ بہرحال یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع اور وقیع ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول عام عطا فرمائے اور مؤلف کو اجر جزیل دے، آمین یارب العالمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خیرخواہ عبدالخالق سنبھلی

خادم دارالعلوم دیوبند

۱۶/۲/۳۸ھ

توثیق وتائید

حضرت مولانا شوکت علی صاحب قاسمی بستوی

استاذ تفسیر وفقہ وناظم اعلیٰ رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم ،اما بعد !

اسلامی عقائد میں توحید کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، توحید کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں، ارشادِ ربّانی ہے:

وَ مَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوۡلِهٖ (توبہ:۵۴)

ترجمہ: اوران کی خیرات قبول ہونے سے اس کے سوا کوئی مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔

اللہ تعالیٰ کے اپنی ذات اور تمام صفات میں ایک ہونے پر ایمان رکھنا توحید ہے۔ امام اکبر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں توحید کے چار مرتبے بیان فرمائے ہیں، جس کی تشریح محدث جلیل، استاذ اکبر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے فرمائی ہے:

(۱) توحید ذات: یعنی صرف اللہ تعالی کو واجب الوجود (یعنی ایسی ذات جس کا عدم ممتنع ہو اور اس کا وجود ضروری ہو) ماننا۔

(۲) توحید خلق: یعنی عرش، زمین وآسمان ودیگر چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالی کو ماننا۔

(۳) توحید تدبیر: یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ آسمان وزمین اوران کے درمیان کی تمام چیزوں کا نظم وانتظام صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی کائنات کے مدبر ومنتظم ہیں۔ (اس مرتبے کا دوسرا نام توحید ربوبیت ہے)

(۴) توحید الوہیت: یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالی ہی معبود برحق ہیں، بندگی وعبادت انہیں کا حق ہے، ان کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ، ص: ۵۹۰-۵۸۹، جلد اول)

توحید کی ضد شرک ہے، شرک کی بھی مختلف قسمیں ہیں، ان کی تفصیلات بھی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بیان کی ہیں۔

مسلم معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو یہ تکلیف دہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بہت سے لوگ دانستہ یا نادانستہ طور پر شرکیہ اعمال کرتے رہتے ہیں، اس لئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ تصنیف وتالیف اور وعظ وتقریر کے ذریعہ معاشرے کی اصلاح کی جدوجہد تیز تر کردی جائے اور غیر اسلامی عقائد واعمال سے معاشرے کو پاک کیا جائے۔

عزیز مکرم جناب مولانا محمد عرفان ثاقب صاحب قاسمی زید فضلہ بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ، ضلع شاملی کی تازہ تالیف ''التوحید'' اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے، موصوف نے اس کتاب میں اسلام کے عقیدۂ توحید پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اور توحید کی انواع واقسام، توحید باری کے فضائل ودلائل بیان کئے ہیں، نیز توحید پر مشتمل آیات قرآنی کی دل نشیں تشریح وتفسیر بھی ہے۔ اسی کے ساتھ مزید وضاحت کے لئے شرک اور اس کی مختلف اقسام اور شکلوں کا بھی ذکر کیا ہے، الغرض کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مکمل ہے۔

مولف محترم مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی مدظلہ تبریک وتحسین کے مستحق ہیں کہ

انہوں نے کیرانہ کے جامعۃ السعادۃ اور جامعہ اسعاد البنات جیسے دو اہم جامعات اور اداروں کے اہتمام وانتظام کی عظیم ذمہ داریوں کے ساتھ، اپنا علمی مشغلہ بھی جاری رکھا ہے اور مختلف موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں، یہ تازہ تصنیف بھی ان کی شبانہ روز جدوجہد کا مظہر جمیل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے عوام وخواص سب کے لئے مفید ونفع بخش بنائے اور موئف محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

مخلص
شوکت علی قاسمی بستوی
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
ناظم عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ
۲۱/صفر ۱۴۳۸ھ۔ ۲۲/نومبر ۲۰۱۶ء

◆◆◆

رائے گرامی

حضرت مولانا صغیر احمد صاحب قاسمی پرتاپ گڑھی

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لولیه والصلوة والسلام علی نبیه ،اما بعد:

عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، آخرت میں نجات صرف اسی شخص کو حاصل ہوگی عقیدۂ توحید پر مکمل طور پر جس کا ایمان ہوگا اور کفر وشرک سے اس کا دامن پاک ہوگا۔ اللہ رب العزت کا صاف اعلان ہے ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ''۔ ماضی میں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حال یہ تھا کہ کوئی مسلمان چاہے جس قدر بدعملی کا شکار ہو، لیکن عموماً عقیدۂ توحید ورسالت کے تعلق سے کسی گمراہی یا غلط خیالات ونظریات کا شکار نہیں ہوتا تھا۔

افسوس اب صورت حال بالکل مختلف ہے، جہاں مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسلام کے بنیادی عقائد سے ناواقف ہے، یا افعال شرکیہ میں مبتلا ہے، وہیں بظاہر پڑھے لکھے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو گمراہ نظریات والے مصنفین کی کتابیں پڑھ کر یا اسلام دشمن طاقتوں کے پروپیگنڈوں سے متاثر ہوکر اسلام کے کسی بنیادی عقیدے کے منکر ہوجاتے ہیں یا شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتے ہیں۔ بلاشبہ جن کے شکوک وشبہات کا ازالہ اور اصلاح کی فکر علمائے دین وداعیان اسلام کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

رفیق محترم جناب مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی صاحب زید مجدہٗ جنھیں اللہ رب العزت نے اصلاح امت کی فکر اور ہر مسلم بچے کے سینے کو علوم اسلامیہ سے روشن کرنے کی تڑپ سے نواز رکھا ہے، قابل مبارک باد ہیں کہ اس جانب توجہ فرمائی اور اسلام کے عقیدۂ توحید کے موضوع پر ''التوحید'' جیسی مدلل و مفصل کتاب ان کے قلم گہر بار سے منصۂ مشہود پر آئی۔ جس میں موصوف نے وجود خالق و صانع عالم کو مختلف دلائل بدیہیہ سے ثابت کرنے کے ساتھ، دیگر ادیان میں تصور خدا پر بھی کلام کیا ہے، نیز اسلام کے عقیدۂ توحید کی تشریح کرتے ہوئے توحید ربوبیت، توحید الوہیت، توحید اسماء وصفات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اور دلائل نقلیہ وعقلیہ سے ان کو مبرھن بھی کیا ہے۔ پھر کتاب کے آخر میں مستقل عنوان کے تحت ایمان کی ضد کفر وشرک کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور مستند دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ کفر وشرک یہی نہیں ہے کہ ایک انسان کوئی غلط و باطل عقیدہ رکھے، بلکہ بہت سے ایسے اعمال کفریہ بھی ہیں، جو مرتکب کو ایمان سے خارج کردیتے ہیں۔ نیز ایمان کے لئے اتنی بات کافی نہیں ہے کہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب نہ کرے، بلکہ ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام باتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرے جن کا بدیہی اور قطعی طور پر دین سے ہونا ثابت ہے۔ خلاصہ یہ کہ ''التوحید'' اپنے موضوع کے اعتبار سے انتہائی جامع، مدلل ومستند کتاب ہے اور طالبین حق کے لئے روشن چراغ ہے۔

محترم مولانا محمد عرفان صاحب ان سعادت مندوں میں سے ہیں جنھوں نے انتہائی قلیل مدت میں خدمت دین کے حوالے سے کارہائے نمایہ انجام دیئے ہیں۔ آں محترم نے سن ۱۴۲۸ھ میں مغربی یوپی کے مشہور ومعروف قصبہ کیرانہ میں ''جامعۃ السعادۃ'' کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی، جو آج تعلیم وتربیت کے حوالے سے ایک مرکزی ادارہ کی شکل اختیار کرچکا ہے اور جہاں ابتدائی جماعتوں سے لیکر جماعت جلالین تک کی معقول تعلیم کا بندوبست ہے۔ ساتھ ہی ۱۴۳۲ھ میں بچیوں کی تعلیم وتربیت اور علوم اسلامیہ سے انھیں مالامال کرنے کے لئے ''جامعہ اسعاد البنات'' کے نام سے ایک

مستقل ادارے کو قائم فرمایا، جس کے ذریعہ سیکڑوں بچیاں علوم نبوت سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ مسلم معاشرے کی اصلاح اور ملت میں دینی بیداری پیدا کرنے کے لئے ''انجمن دعوت الی الحق'' قائم کیا، جس کے پلیٹ فارم سے موقعہ بموقعہ علماء کے وفود علاقوں میں جا کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ پھر اسی انجمن کے شعبۂ نشر واشاعت سے ''ماہ نامہ تحقیقات اسلامی'' جاری کیا، جو سن ۲۰۱۱ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے، جس میں دینی واصلاحی مضامین کے ساتھ، دشمنان اسلام کی جانب سے اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن پر کئے جانے والے اعتراضات کے مسکت جوابات بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ انجمن کے شعبۂ نشر واشاعت ''تحقیقات شرعیہ اکیڈمی کیرانہ'' ہی سے مولانا کی ایک تصنیف ''موڈرن عورت اور اسلام'' چند سال پہلے ہی شائع ہو کر اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکی ہے اور موصوف کے دینی، علمی واصلاحی مضامین کا مجموعہ ''اسلام کا پیغام انسانیت کے نام'' زیر طبع ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت موصوف کی ان دینی وملی خدمات کو قبول فرمائے اور امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین

الاحقر الافقر
صغیر احمد قاسمی پرتاپ گڑھی
خادم تدریس جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند
۱۴۳۸/۶/۸ھ

◆◆◆

عرضِ مؤلف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اما بعد:

اسلام کی بنیاد توحید کے اقرار اور کفر وشرک سے برأت پر ہے۔ ایک انسان خواہ مرد ہو یا عورت اسی وقت مسلمان ہوگا، جب کہ اللہ رب العزت کی وحدانیت اور اس کی الوہیت و ربوبیت پر کامل ایمان رکھتا ہو، اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک وسہیم نہ سمجھتا ہو، بلکہ شریک وسہیم کی نفی کرتا ہو۔ جسے اصطلاح شریعت میں ''عقیدۂ توحید'' کہا جاتا ہے۔

عقیدۂ توحید کیا ہے؟ رب ذوالجلال کی الوہیت وربوبیت کا کیا مفہوم ہے؟ کن باطل عقائد ونظریات کی وجہ سے ایک مسلمان اسلام سے نکل کر کافر یا مشرک ہوجاتا ہے؟ اور کن غلط کاموں کے ارتکاب سے کافر ومشرک تو نہیں ہوتا، لیکن گناہ کبیرہ کا مرتکب ضرور قرار پاتا ہے؟ یہ وہ امور ہیں یہی نہیں کہ عام مسلمان جن سے ناواقف ہیں، بلکہ بہت سے مسلمان بعض شرکیہ افعال میں مبتلا بھی ہیں۔ جو ایک لمحہ فکریہ ہے۔

تحقیقات شرعیہ اکیڈمی کیرانہ (شاملی، یوپی) کے مقاصد میں سے مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کرنا، کفر وشرک جیسے معاصی سے ان کو بچانے کی کوشش کرنا، مسلم معاشرے میں پائی جانے والی برائیوں سے معاشرے کو پاک کرنا، عام مسلمانوں کو

مسائل دینیہ سے واقف کرانا اور اسلام کے پیغام انسانیت کو عام کرنا، شامل ہے۔ جس کے لئے ''اکیڈمی'' کی طرف سے مختلف موضوعات پر کتب، رسائل اور پمفلٹ وغیرہ شائع کئے جاتے رہتے ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ''التوحید'' ہے، جس میں عقیدۂ توحید پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، توحید کی انواع واقسام اور توحید باری کے دلائل وفضائل کو بیان کیا گیا ہے، نیز توحید پر مشتمل آیات قرآنیہ کی سہل اور عام فہم تشریح وتفسیر بھی کی گئی ہے، ساتھ ہی توحید وایمان کی ضد کفر وشرک اور اس کی مختلف اقسام وشکلوں کو بھی مدلل بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کی قباحت اور دنیا وآخرت میں اس عقیدے کی وجہ سے ہونے والے خسران کو بھی آیات قرآنیہ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ جو کچھ لکھا گیا ہے آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کی روشنی میں یا پھر مستند ومعتبر کتب کے حوالوں سے۔ آیات قرآنیہ کا ترجمہ عموما شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہم اللہ اور مفتی تقی عثمانی زید مجدہ کے ترجمۂ قرآن کریم سے نقل کیا گیا ہے، اس لئے حوالے کا التزام نہیں کیا گیا ہے، اس کے علاوہ جن کتابوں سے بلفظہ کوئی بات نقل کی گئی ہے اس کے حوالے کا التزام کیا گیا ہے۔ عموما جن کتابوں کا حوالے دیا گیا ہے ان کا پورا نام لکھا گیا ہے، سوائے مفتی محمد شفیع صاحب کی تفسیر معارف القرآن کے، کہ اس کے لئے ''معارف ش'' لکھا گیا ہے اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی تفسیر معارف القرآن کے، کہ اس کے لئے ''معارف ذ'' لکھا گیا ہے۔

اس کے باوجود اگر اہل علم کو کہیں کوئی سُقم نظر آئے تو براہِ کرم اس حقیر سراپا تقصیر کو مطلع فرمائیں، تاکہ اگلے ایڈیشن میں اصلاح کرلی جائے۔

میں شکر گذار ہوں بقیۃ السلف استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند، استاذ گرامی عالی قدر نمونۂ اسلاف ادیب اریب حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی استاذ حدیث ونائب مہتمم دار العلوم دیوبند، استاذ محترم عالی مرتبت حضرت مولانا شوکت علی صاحب بستوی استاذ تفسیر وفقہ وناظم

رابطہ مدارس اسلامیہ دار العلوم دیوبند کا کہ ان حضرات نے اپنی تصدیق وتائید سے نوازا اور رفیق مکرم جناب مولانا صغیر احمد صاحب پرتاپ گڑھی استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند ورفیق کار محترم جناب بلال احمد بجرولوی کا کہ ان دونوں حضرات نے بالاستیعاب پورے مسودے پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ اللہ ربّ العزت ان حضرات کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت عقیدۂ توحید کی اس معمولی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے، میرے لئے، میرے والدین واساتذہ اور معاونین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

حقیر سراپا تقصیر
محمد عرفان ثاقب قاسمی کیرانوی
۱۴/۶/۱۴۳۸ھ مطابق ۱۴/۳/۲۰۱۷ء

◆◆◆

باب اول

توحید کا بیان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَامَنْ یَّہْدِہٖ، فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہٗ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔اَمَّا بَعْدُ!

دلائل بر وجود خالق وصانع عالم

بدیہی طور پر انسان یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ کوئی نہ کوئی اس کا پیدا کرنے والا، بلکہ پوری کائنات اور کائنات کے ذرے ذرے کو پیدا کرنے والا، اسے عدم سے وجود بخشنے والا اور پھر وجود کے بعد بقا کے اسباب مہیا کرنے والا ہے، یہ کائنات نہ خود وجود میں آئی اور نہ نظام چلانے والی ذات کے بغیر قائم رہ سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بھی معمولی عقل رکھنے والا انکار نہیں کر سکتا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گاڑی بغیر ڈرائیور کے، ایک کشتی بغیر کھیون ہار کے نہیں چل سکتی اور ایک مکان بغیر معمار کے نہیں بن سکتا تو کیسے ممکن ہے کہ یہ پوری کائنات جس میں آسمان وزمین، چاند وستارے بھی ہیں، اونچے اونچے پہاڑ، ٹھاٹھیں مارتے سمندر، بے شمار مخلوقات، اور شجر وحجر بھی، کیا یہ سب اپنے آپ وجود میں آ گئے؟ ان کا بنانے والا انھیں عدم سے وجود میں لانے والا کوئی نہیں ہے؟۔ قرآن کریم اسی حقیقت کو جاننے کے لیے، اپنے خاص اسلوب میں، کائنات اور اس میں موجود اشیاء میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہے:

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا

بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ؕ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ
جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ؕ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ
وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ؕ اَمَّنْ
يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ
رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ؕ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ (النمل:۶۰ تا ۶۴)

’’بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر ہم نے اس پانی سے بارونق باغ اُگائے، تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم ان کے درختوں کو اُگا سکتے۔ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ ان لوگوں نے راستے سے منہ موڑ رکھا ہے۔ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار کی جگہ بنایا اور اس کے بیچ بیچ میں دریا پیدا کئے، اور اس (کوٹھہرانے) کے لیے (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں، اور دو سمندروں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی، کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرار اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور تکلیف دور کر دیتا ہے، اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں تمہیں راستہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے، جو تمہیں (بارش کی) خوش خبری دیتی ہیں۔ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ (نہیں! بلکہ) اللہ اس شرک سے بہت بالا و برتر ہے، جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے ساری مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق فراہم کرتا ہے؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی

اور خدا ہے؟ کہو! لاؤ اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو۔‘‘

بلاشبہ پوری کائنات اور کائنات کے ذرے ذرے کو وجود بخشنے والی، پھر اس کے نظام کو درست طریقے پر چلانے والی، کوئی نہ کوئی لامحدود طاقت وقوت والی ذات ہے، اس کا وجود اپنے آپ نہیں ہوا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک تمام عقلاء اور تمام فرقے تسلیم کرتے آئے ہیں، کوئی بھی قابل ذکر ایسا فرقہ یا مذہب نہیں ہے جس نے خالقِ کائنات کے وجود کو تسلیم نہ کیا ہو خواہ وہ یہود ونصاری ہوں یا مجوس وہنود، سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ کائنات کا کوئی نہ کوئی خالق ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خالق کون ہے، اس کی صفات کیا ہیں اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے، اور سیدھی راہ کی توفیق صرف مذہب اسلام کو حاصل ہوئی۔

رہے دہریہ اور بعض منکرین خدا جو اس بات کے دعوے دار ہیں کہ کائنات اپنے آپ وجود میں آئی ہے، اس کو وجود دینے والا کوئی نہیں ہے۔ تو یہ ایسی بداہت کا انکار ہے جسے کوئی بھی عقل سلیم والا تسلیم نہیں کرسکتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے روشن دن میں کوئی آفتاب کے اور چاندنی رات میں ماہتاب کے وجود کا انکار کرے، تو اس کی عقل پر ماتم کے سوا کوئی کیا کرسکتا ہے۔

چنانچہ حکیم فرفوریوس کا مقولہ ہے کہ جو امور بداہتِ عقل سے ثابت ہیں، من جملہ ان کے ایک مسئلہ ثبوت صانع کا بھی ہے، جتنے حق پسند حکماء گذرے ہیں وہ اس مسئلہ کی بداہت کے قائل ہیں اور جو لوگ ثبوت صانع کی بداہت کے قائل نہیں، وہ قابل ذکر نہیں اور نہ زمرۂ حکماء میں شمار کئے جانے کے لائق ہیں۔ علامہ احمد بن مسکویہ فرماتے ہیں کہ حکماء میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ اس نے ثبوت صانع کا انکار کیا ہو۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج تک کسی عاقل اور سمجھ دار نے وجود صانع کا انکار نہیں کیا اور جب کبھی کسی نادان نے وجود صانع کا انکار کیا تو عقلاء نے اس کو مہمل اور ساقط الاعتبار گردانا، جو شخص عقلائے عالم کے متفقہ فیصلہ کا انکار کرے اس کو سن لینا چاہیے کہ وہ عقل سے بے بہرہ ہے۔ (علم الکلام: ۱۳)

مولانا کاندھلوی مزید لکھتے ہیں کہ: علامہ حسین آفندی طرابلسی رسالہ حمیدیہ میں لکھتے ہیں کہ اہل اسلام اور مادہ پرستوں کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے کہ جو کسی نہایت رفیع الشان محل میں داخل ہوئے، جس میں مختلف کمرے اور متعدد نشست گاہیں ہیں اور ہر کمرہ میں اعلی درجہ کے تخت اور بہترین فرش بچھے ہوئے ہیں اور طرح طرح کے ساز و سامان سے آراستہ ہیں۔ ہر چیز اس میں قرینہ سے لگی ہوئی ہے۔ کمروں کے سامنے سیر گاہیں اور طرح طرح کے سرسبز وشاداب چمن بھی ہیں، درمیان میں حوضیں اور نہریں بھی جاری ہیں۔ الحاصل یہ دونوں شخص اس محل میں داخل ہوئے اب ایک شخص نے دیکھ کر یہ کہا کہ گو میں نے اس کے بنانے والے کو نہیں دیکھا اور نہ اسکی پوری حقیقت اور کنہ سے واقف ہوں اور نہ اس محل کی صنعتوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں، لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس کا بنانے والا کوئی بہت ہی بڑا مدبر اور ذی اختیار اور حکمتوں کی رعایت کرنے والا ہے۔ اگر چہ میری عقل نارسا اپنے قصور کی وجہ سے ان حکمتوں کا پورا پورا ادراک نہ کر سکے، لیکن اس کے مدبر اور حکیم ہونے میں کوئی شک نہیں اور جو کچھ اسنے بنایا ہے وہ ضرور حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔

دوسرا شخص چاروں طرف دیکھنے لگا، یکا یک اس کو ایک پہاڑ کہ جس میں چشمے بھی جاری ہیں نظر آیا، کچھ دیر سوچتا رہا اور اس کے بعد یہ کہنے لگا کہ ان سب کی علت یہ ہے کہ قدیم زمانہ سے اس پہاڑ کی جانب سے ایک ہوا چلا کرتی تھی، پس وہ ہوا اسی طرح سے لاکھوں سال چلتی رہی اور اس کی وجہ سے مختلف مقامات سے پتھر اور مٹی حرکت کر کے ایک جگہ جمع ہو گئے اور سالہا سال ان پر بارش ہوتی رہی، حتی کہ ایک طویل عرصہ کے بعد اس تدریجی اور اتفاقی اجتماع سے یہ محل خود بخود تیار ہو گیا۔ اور وہ پانی کہ جو چشموں سے آتا تھا اس کا راستہ اتفاق سے اس محل میں پڑ گیا، جس سے یہ حوضیں اور نہریں جاری ہو گئیں۔ رہا یہ امر کہ یہ ساز و سامان کہاں سے آیا اور کس نے اس کو اس قرینہ سے لگایا؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ایک قافلہ اس پہاڑ پر آ کر اترا تھا اور وہ حسب اتفاق اپنا ساز و سامان بھول کر چلا گیا، اس کے بعد ایک زمانے تک ہوائیں چلتی رہیں

اور رفتہ رفتہ یہ سامان کمروں میں خود بخود آراستہ ہو گیا۔

اب آپ ذرا غور فرمائیں کہ عقل سلیم رکھنے والے حضرات اس شخص کی نسبت کہ جس نے اس تعمیر کو ایک مدبر اور ذی ہوش کی طرف منسوب کیا ہے کیا حکم دیں گے اور اس شخص کی نسبت کہ جو اس تعمیر کو مادہ ترابی اور اس کی حرکت کی طرف منسوب کرتا ہے کیا فرمائیں گے؟ انتہی

مصنوع کو دیکھ کر صانع کا تصور ایک بدیہی اور فطری امر ہے۔ منکرین خدا ذرا بتلائیں تو سہی کہ دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے کہ مکان کو دیکھے اور مکان بنانے والے کا اس کو تصور نہ ہو، کتاب کو دیکھے اور کاتب کا تصور نہ ہو۔

عجیب بات ہے کہ دہریہ تو عالم کے تغیرات اور تنوعات کو ایک بے شعور مادہ کی طرف منسوب کر کے حکمت اور دانائی کا مدعی ہے اور جو شخص عالم کے اس عجیب وغریب نظام کو خدائے حکیم اور قادر وتوانا کی طرف منسوب کرتا ہے اس کو نادان بتلاتا ہے۔ جو شئی سراسر عقل اور فطرت کے مخالف ہے اس کو تو بلا دلیل منوانا چاہتا ہے اور جو شئی عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ یہ اندھیر نہیں تو کیا ہے۔ خداوند علم وقدیر کو چھوڑ کر ایک اندھے، بہرے، گونگے، بے حس، بے شعور، بے تمیز، بلکہ مردہ اور بے جان، مادہ کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ دیدینا بیوقوفی اور بے تمیزی نہیں تو بتلاؤ پھر کیا ہے۔ جس طرح یہ بے شعور تھا اسی طرح اس کے پرستار بھی بے شعور نکلے۔ (ایضاً: ۳۱، ۳۲)

مادّہ پرست دہریے اگر اللہ رب العزت کی پیدا کی ہوئی اشیاء ومخلوقات میں غور وفکر کرتے تو کائنات کا ذرہ ذرہ خود گواہی دیتا ہوا نظر آتا کہ وہ مادے کی وجہ سے وجود میں نہیں آئے ہیں، بلکہ ایک قادر مطلق ذات نے ان کو وجود بخشا ہے۔ کیا انھوں نے کبھی اس منظر کو نہیں دیکھا کہ بعض مقامات پر دو دریا آپس میں ملتے ہیں اور کسی آڑ ورکاوٹ کے نہ ہونے کے باوجود آپس میں ان کا پانی نہیں ملتا ہے، ہر عقل وفہم رکھنے والا شخص یہ منظر دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے کہ دونوں دریا کے پانی دور تک ایک ساتھ بہتے رہتے ہیں، اور پانی ہونے کے باوجود آپس میں نہیں ملتے ہیں، اگر مادہ کی وجہ سے یہ جاری ہیں

تو مادہ کی تو یہ خاصیت ہے کہ اگر مائع مادے کی دو چیزیں، آپس میں مل جائیں، تو خلط ملط ہو جائیں، لیکن یہاں نہیں ملتے۔ اس کی حقیقت سوائے اس کے کیا ہے کہ وہ ذات جس نے ان کو رواں دواں کیا ہے، اسی نے ان کو آپس میں خلط ملط ہونے سے روک رکھا ہے۔ جیسا کہ خود خالق کائنات ذات باری عزوجل اسمہ نے اس منظر کو قرآن مجید میں بیان فرما کر دعوتِ غور وفکر دی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ (رحمٰن:۱۹، ۲۰)

''اس نے (اللہ تعالی نے) دو دریاؤں کو ملایا کہ (ظاہر میں) باہم ملے ہوئے ہیں (اور حقیقۃً) ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب ہے کہ (اس کی وجہ سے) دونوں (اپنے اپنے موقع سے) بڑھ نہیں سکتے۔''

سورۂ فرقان میں اسی منظر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

وَ هُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾ (فرقان:۵۳)

''اور وہ خدا وہ ہے جس نے (اپنی قدرت بالغہ اور حکمت سابقہ سے) دو دریاؤں کو ملا کر رواں کیا (ان میں سے ایک تو) یہ شیریں اور خوش ذائقہ اور تشنگی کو دفع کرنے والا (اور پیاس بجھانے والا ہے اور ایک) یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا ہے (اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے) ایک آڑ اور مضبوط روک رکھ دی ہے (کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہ پائے۔'')

اس آیت کی مختصراً تشریح یہ ہے کہ حق تعالی نے اپنے فضل اور حکمت بالغہ سے دو طرح کے دریا پیدا فرمائے ہیں، ایک سب سے بڑا بحر محیط، جس کو سمندر کہتے ہیں اور زمین کے سب اطراف اس میں گھرے ہوئے ہیں، ایک چوتھائی کے قریب حصہ ہے جو اس سے کھلا ہوا ہے، اس میں ساری دنیا آباد ہے۔ یہ سب سے بڑا دریا بتقاضائے حکمت سخت نمکین تلخ اور بدمزہ ہے۔ زمین کے آباد حصے پر آسمان سے اتارے ہوئے پانی کے چشمے، ندیاں، نہریں اور بڑے بڑے دریا ہیں، یہ سب میٹھے، خوش گوار اور خوش ذائقہ ہیں۔ انسان کو اپنے پینے اور پیاس بجھانے اور روزمرہ کے استعمال میں ایسے ہی شیریں

پانی کی ضرورت ہے، جو حق تعالی نے زمین کے آباد حصہ میں مختلف صورتوں میں مہیا فرما دیا ہے۔لیکن بحرمحیط سمندر اگر میٹھا ہوتا تو میٹھے پانی کا خاصہ ہے کہ بہت جلد سڑ جاتا ہے ،خصوصا سمندر جس میں خشکی کی آبادی سے زیادہ دریائی جانوروں کی آبادی بھی ہے، جو اسی میں مرتے ہیں، اور پھر ان کی لاش بھی اسی میں رہ جاتی ہے، علاوہ ازیں پوری زمین کا پانی اور اس میں بہنے والی ساری گندگیاں بھی بالآخر سمندر ہی میں جا کر پڑتی ہیں، اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو دو چار دن میں ہی سڑ جاتا اور یہ سڑتا تو اس کی بدبو سے زمین والوں کو زمین پر رہنا مشکل ہو جاتا، اس لیے حکمتِ خداوندی نے اس کو اتنا سخت نمکین، کڑوا اور تیز بنا دیا کہ دنیا بھر کی گندگیاں اس میں جا کر بھسم ہو جاتی ہیں اور خود اس میں رہنے والی مخلوق بھی جو اسی میں مرتی ہے وہ بھی گل جاتی۔

آیت کریمہ میں جن دو دریاؤں کا ذکر ہے، آپس میں ملنے کے باوجود جن کا پانی ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتا، ان کی بابت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں: کہ مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آ کر گری ہیں، وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے، لیکن قدرت الہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ ملتقی کے ایک جانب سے پانی لیا جاوے تو شیریں اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول سے بالکل قریب ہے پانی لیا جاوے تو تلخ۔ دنیا میں جہاں جس جگہ شیریں پانی کی نہریں چشمے سمندر کے پانی میں گرتے ہیں، وہاں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دور تک میٹھا اور کھاری پانی الگ الگ چلتے ہیں، دائیں طرف میٹھا، بائیں طرف تلخ کھاری یا اوپر نیچے شیریں پانی اور تلخ پانی الگ الگ پائے جاتے ہیں۔(انتہی)

کہاں ہیں مادّے کو سبب حقیقی قرار دینے والے منکرین خدا اور دہریے، بتلائیں کہ میٹھے اور کھارے پانی کو یا دو دریاؤں کے پانیوں کو آپس میں ملنے سے روکنے والا یہاں کون مادہ ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ ﴿۳۷﴾

وجود صانع و خالق کا اقرار ایک ایسا بدیہی امر ہے جو انسان کی فطرت میں رچا بسا

ہے، عالم کے کسی خطہ پر کوئی لحظہ اور لمحہ ایسا نہیں گزرا کہ وہاں کے جن وانس اپنے پروردگار کو نہ جانتے ہوں اور اپنے لئے کسی خالق کا اقرار اور اعتراف نہ کرتے ہوں ہر زمانہ میں لاکھوں انسان ایسے گزرے ہیں اور اب بھی ہیں کہ جنہوں نے علم کا نام ونشان بھی نہیں سنا، مگر یہ ضرور جانتے ہیں کہ ہمارا ایک خالق اور پروردگار ہے اور جب دنیا کے اسباب ووسائل سے مجبور اور مضطر ہو جاتے ہیں اس وقت خدا کو پکارتے ہیں، اللہ تعالی ان کی مضطربانہ دعا کو سنتا ہے، تمام مادی وظاہری اسباب ووسائل دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور اللہ تعالی بڑے سے بڑا حادثہ دفعتاً دور فرما دیتا ہے۔ اور یکا یک انسان کی نظروں کے سامنے ناامیدی کے بعد امید اور آرزو آ جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا خود ارشاد ہے:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ (نمل:۶۲)

''کون ہے کہ جو مضطر کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے''۔

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ حق تعالی شانہ کی معرفت فطری ہے جو لوگوں کی فطرت اور جبلت میں رکھی ہوئی ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُحَدِّثُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ'' (بخاری، الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات: ۱ ر ۱۸۱)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنا لیتے ہیں''۔

الغرض وجود باری عز شانہ کا اقرار بدیہی اور فطری امر ہے اور تمام بنی نوع انسان کا اجتماعی مسلک ہے، اسی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا نصب العین ہمیشہ توحید کی دعوت رہی اور جن لوگوں کو سرے سے ہی اپنے خالق میں شک پیش آیا، ان سے نہایت تعجب سے یہ خطاب فرمایا:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ (ابراہیم:۱۰)

''ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم کو اللہ کے بارے میں بھی کسی قسم کا کوئی شک اورشبہ ہے کہ جو آسمانوں اور زمینوں کا بنانے والا ہے۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ حق تعالی شانہ کا وجود آفتاب اور ماہتاب سے بڑھ کر بدیہی اور روشن ہے۔ کسی دلیل اور برہان کا محتاج نہیں بلکہ اسی کا وجود کائنات کے لیے دلیل اور برہان ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کائنات کو عدم سے وجود بخشنے والی ایک ذات ہے، جس کا انکار سوائے بدعقلوں اور پاگلوں کے کسی نے نہیں کیا، تمام مذاہب والوں کے نزدیک یہ بات مسلم اور بدیہی ہے۔ اہل اسلام اسی ذات قادر مطلق کو ''اللہ'' کہتے ہیں اور اللہ عزوجل کو ذات وصفات میں یکتا ماننے کو ''توحید'' کہتے ہے۔

☆☆☆

خدا کا تصور دیگر مذاہب میں

تمام اہل مذاہب اس بات پر تو متفق ہیں کہ اس کائنات کو عدم سے وجود عطا کرنے والی ایک ذات ہے، لیکن وہ ذات کن صفات کی حامل ہے، ان کے درمیان اس میں شدید اختلاف ہے۔

یہود کا ایک فرقہ اللہ تعالی کو صاحب اولاد مانتا ہے، چنانچہ اس فرقے نے حضرت عزیر علیہ السلام کو جو اللہ تعالی کے پیغمبر اور جلیل القدر نبی تھے، اللہ تعالی کا بیٹا قرار دیا، ان کی اس گمراہی کو اللہ تعالی نے خود قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (التوبۃ:۳۰)

''اور یہود (میں سے بعض) نے کہا کہ عُزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ (میں سے اکثر) نے کہا کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے ان کے مُنہ سے

کہنے کا۔ یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر اُلٹے جا رہے ہیں۔''

نصاریٰ نے یہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا، بلکہ حضرت کو اور آپ کی والدہ حضرت مریم کو خدائی میں شریک بھی ماننے لگے، جیسا کہ قرآن نے ان کے اس عقیدے کو اس آیت میں بیان کیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ (مائدہ: ۷۳)

''بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا ایک ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں۔''

مجوس جنھیں پارسی بھی کہا جاتا ہے، ایک آتش پرست قوم ہے، اس قوم کے یہاں دو خداؤں کا تصور ہے، ایک کو نیکی اور خیر کا خالق مانتے ہیں اور اس کو ''یزداں'' کا نام دیتے ہیں، دوسرے کو بدی اور شر کا خالق مانتے ہیں اور اس کو ''اہرمن'' کہتے ہیں، جو شیطان کے ہم معنی ہے۔ ہر ایک خدا دوسرے کا محتاج ہے، دونوں کے اختیارات تقسیم شدہ ہیں، وہ خیر میں دخل نہیں دیتا اور یہ شر میں دخل نہیں دیتا۔ دو برابر کی قوتیں ہیں اور ان کے نزدیک اس صلح و آشتی سے عالم کا کارخانہ چل رہا ہے۔

رہے ہنود تو ان کے عقیدے کی بابت مفتی محمد سرور فاروقی ندوی اپنی مشہور کتاب ''ہندو دھرم، فرقے، تنظیمیں اور اداروں کا تعارف'' میں لکھتے ہیں:

''ہماری تحقیق میں اصل ہندو مذہب وہ ہے جسے سناتن دھرم مانتا ہے، البتہ اس میں اتنا تغیر ہو چکا ہے کہ اس کی اصل حقیقت کا سراغ پانا ناممکن سا ہو گیا ہے۔''

آگے مزید لکھتے ہیں ''مذہب کا سنگ بنیاد خدا کی ہستی اور اس کی توحید کا عقیدہ ہے، ہندو مذہب میں آج تک توحید کا عقیدہ اپنی توضیحات، تصریحات اور دلائل کے ساتھ موجود ہے، اور اسی کے برخلاف روح پرستی، بت پرستی، اور مخلوق پرستی کا بھی عقیدہ موجود ہے، اس طرح توحید و شرک دونوں طرح کے عقیدے کو حق قرار دیتے ہیں۔'' (ہندو دھرم، ص: ۲۵-۲۶)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’ہندوؤں میں اوتاروں کا عقیدہ، نصاریٰ کے عقیدہ ابنیت سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ آریوں کا فرقہ پیدا ہوا، جس نے چاہا کہ ہندوؤں سے شرک کے دھبہ کو دھو دے اور اس بارے میں حقیقتاً بڑی جدوجہد کی، لیکن پوری کامیابی نہیں ہوئی، البتہ اتنا ہوا کہ لاکھوں اور کروڑوں دیوتاؤں اور اوتاروں سے اتر کر صرف تین چیزوں کو قدیم مانا: خدا، مادہ، روح۔ اور نصاریٰ کی طرح ایک نئی قسم کی تثلیث ایجاد کی۔‘‘ (علم الکلام: ۳۴)

رہے وہ فرقے اور افراد جنہوں نے صرف شجر و حجر ہی کو اپنا معبود نہیں بنایا، بلکہ شرمگاہوں تک کو قابل عبادت گردان بیٹھے، ہر طاقت و ہر نفع بخش چیز کو سجدہ کرنا درست سمجھا اور اس طرح لاکھوں چیزوں کو خدا سمجھ بیٹھے، وہ اس لائق ہیں ہی نہیں کہ انھیں کوئی مذہبی فرقہ تسلیم کیا جائے اور ان کے عقائد وخیالات کو ذکر کیا جائے۔

الحاصل مشہور و معروف جتنے بھی مذاہب ہیں، ان میں خالق کائنات خدا کا تصور تو موجود ہے، لیکن اس کے ساتھ ایسے تصورات بھی داخل ہو گئے ہیں، کہ وہ مذاہب، خدا کے صحیح تصور سے نابلد ہو گئے ہیں اور شرک وغیرہ کے دلدل میں جا گرے ہیں۔ ان سب مذاہب کے بالمقابل مذہب اسلام ہے جو خدا کے صحیح تصور اور عقیدۂ توحید پر قائم ہے اور شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی العبادات وغیرہ سے بالکل پاک ومنزہ ہے۔

❖ ❖ ❖

اسلام کا عقیدۂ توحید

موجودہ تمام مذاہب کے درمیان حقیقی اور خالص توحید کا فخر صرف اسلام کو حاصل ہے، کیونکہ بعض مذاہب تو سرے سے توحید کے قائل ہی نہیں ہیں اور بعض اگر توحید ربوبیت ومعبودیت کے قائل ہیں تو توحید فی الصفات کے قائل نہیں۔

مذہب اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کو عدم سے وجود بخشنے والی اور اس کے نظام کو چلانے والی ذات ''اللہ تعالیٰ'' کی ہے، پوری کائنات کا تنہا وہی خالق ومالک ہے، نہ اس کے بیوی بچے ہیں، نہ اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی خالقیت و مالکیت میں کوئی اس کا سہیم ہے۔ اس عقیدے کو ''توحید'' کہا جاتا ہے۔ جو ایک عنوان ہے، اسی کی تفصیل اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔

توحید کی لغوی تعریف

توحید '' وَحَّدَ '' کا مصدر، لفظ ''وَاحِدٌ'' سے مشتق ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ''وَحَّدَ'' اس کو ایک قرار دیا۔ ''اَحَّدَہٗ'' اسے ایک کر دیا۔ ''مُتَوَحِّدٌ'' اکیلا تنہا۔

توحید کی شرعی تعریف

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کی ربوبیت، الوہیت اور صفات میں یکتا اور تنہا قرار دینا۔

اقسام توحید

توحید کی تین قسمیں ہیں:

توحید ربوبیت۔

توحید الوہیت۔

توحید اسماء وصفات۔

توحید ربوبیت

توحید ربوبیت اس بات کے اعتقاد رکھنے کو کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ زمین و آسمان، انسان وجنات، چرند وپرند، شجر وحجر غرضے کہ پوری کائنات اور کائنات کے ذرے ذرے کا بلاشرکت غیرے خالق، روزی رساں، زندگی عطا کرنے والا اور موت دینے والا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالی کا خود ارشاد ہے:

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۡ (زمر:۶۲)

''اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

یعنی تمام چیزوں کا موجد وخالق بھی اللہ تعالی ہی ہے، اور ان کو باقی رکھنے والا حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے۔ نیز وہی تمام انسانوں اور حیوانوں کو روزی بھی دینے والا ہے:

وَ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (ھود:۶)

''اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔''

یعنی روئے زمین پر رہنے والی ہر مخلوق انسان ہو یا جنات، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، خشکی میں رہنے والی ہو یا پانی میں، ہوا میں اڑنے والی ہو یا زمین میں رینگنے والی، ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق اللہ تعالی خوراک وغذا مہیا کرتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو، جب کہ وہی پوری کائنات کا مالک ہے، اس کے پورے نظام کو چلانے والا، عزت وذلت دینے والا اور دن رات کو ادلنے بدلنے والا ہے، موت اور زندگی اسی کے قبضے میں ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِکَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۶ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ ۡ وَ

تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ (آل عمران:۲۶،۲۷)

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس سے چاہے ملک لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کردیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کردیتے ہیں، آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی۔ بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ آپ رات (کے اجزا) کو دن میں داخل کردیتے ہیں اور (بعض فصلوں میں) دن (کے اجزا) کو رات میں داخل کردیتے ہیں۔ اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں (جیسے پرندے سے بیضہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ اس کی خدائی یا اس کے کاموں میں کوئی اس کا شریک و مددگار رہے۔

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ (اعراف:۵۴)

''بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز (کے برابر وقت) میں پیدا کیا، پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے، اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے) چھپا دیتا ہے شب (کی تاریکی) سے دن (کی روشنی) کو (یعنی شب کی تاریکی سے دن کی روشنی پوشیدہ اور زائل ہوجاتی ہے) ایسے طور پر کہ وہ شب دن کو جلدی سے آلیتی ہے (یعنی دن آناً فاناً گذرتا معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ دفعتاً رات آجاتی ہے) اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا، ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم (تکوینی) کے تابع ہیں، یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا (یعنی تمام چیزوں کا اللہ ہی تن تنہا خالق بھی ہے اور تمام چیزوں پر حاکم بھی، اس کے سوا کوئی دوسرا نہ کسی ادنی چیز کو پیدا

کر سکتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر حکم چلانے کا حق ہے) بڑے کمالات والے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔''

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ؕ﴿۱۳﴾ (فاطر:۱۳)

''اور رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اسی کی سلطنت ہے، اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔''

یعنی اللہ ہی وہ خدائے برحق ہے جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ بایں طور کہ سردی میں رات بڑھ جاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے ، گرمی میں دن بڑھ جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ دن رات کا مجموعہ تو چوبیس گھنٹہ ہی رہا مگر سردی میں رات کی گھڑیوں میں زیادتی ہوگئی اور گرمی میں دن کی ساعت میں زیادتی ہوگئی۔ دن اور رات میں یہ کمی اور زیادتی، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے رات کے تاریک اجزاء کو دن میں داخل اور شامل کر کے ان کو روشن کر دیتا اور بعض اوقات دن کے روشن اجزاء کو رات میں داخل اور شامل کر کے ان کو تاریک کر دیتا ہے، یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے، جس طرح اَمْکِنَہ کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے، اسی طرح اَزْمِنَہ کا اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اور اسی خدائے واحد نے سورج چاند کو اور تمام کواکب و نجوم کو اپنے حکم کا تابع بنایا، کہ اسی کے حکم کے مطابق ان میں سے ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا، یعنی قیامت تک اسی طرح حرکت کرتے رہیں گے اور اپنے مقرر وقت پر طلوع و غروب ہوتے رہیں گے۔ طلوع اور غروب کا اختلاف اور دن و رات، سردی و گرمی کا اختلاف یہ سب کچھ شمس و قمر اور کواکب و نجوم کی طبیعت اور مادہ کا اقتضاء نہیں اور نہ ان کی ذاتی تاثیر ہے، بلکہ سب خداوند قدیر کی تسخیر ہے۔

پس یہی تمہارا خدائے پروردگار ہے، جس کی قدرت اور نعمت کے کرشمے تمہاری نظروں کے سامنے ہیں، اسی کے لیے بادشاہی ہے، اسی کی اطاعت میں اور اسی کے ذکر میں عزت ہے۔ اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ سب اس قدر حقیر و ذلیل ہیں کہ ایک گٹھلی پر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں، ایک حقیر اور فقیر کو اپنا حاجت روا بنانا سراسر ذلت ہے۔

توحید ربوبیت کے اثبات پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ انہیں میں سے ایک اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ (یونس:۳۱۔۳۲)

''آپ کہیے وہ کون ہے جو تم کو آسمان وزمین سے روزی پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ۔ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے، سو یہ ہے اللہ تعالی جو تمہارا حقیقی رب ہے، پھر حق کے بعد بجز گمراہی کے اور کیا رہ گیا، تو پھر کہاں پھرے جاتے ہو''؟۔

یعنی رب اور معبود تو یہی اللہ ہے، جس کے بارے میں اے کفار تمہیں خود اعتراف ہے کہ ہر چیز کا خالق، مالک، اور مدبر وہی ہے، اور جو خالق و مالک ہوتا ہے وہی معبود بھی ہوتا ہے، پس اس معبود کو چھوڑ کر جو تم دوسرے معبود بنائے پھرتے ہو، وہ گمراہی وضلالت کے سوا کیا ہے؟ تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟ تم کہاں پھرے جاتے ہو؟

توحید کی یہ قسم یعنی توحید ربوبیت انسان کی فطرت میں رچی بسی ہے۔ عہد نبوی کے مشرکین بھی توحید کی اس قسم کا اقرار کرتے تھے، بلکہ یہود و نصاری اور مجوس نے بھی اس کو تسلیم کیا۔ اس کا انکار ماضی میں دہریہ اور عصر حاضر میں کمیونزم کے علاوہ کسی نے بھی

نہیں کیا، سابقہ صفحات میں جن کی تردید کی جاچکی ہے۔

صرف توحید ربوبیت کو تسلیم کر کے ایک شخص دین اسلام میں نہ تو داخل ہوسکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں عذاب جہنم سے نجات پاسکتا ہے، جب تک کہ اس کے ساتھ توحید الوہیت وغیرہ کو تسلیم نہ کرے۔

❖ ❖ ❖

توحید الوہیت

الوہیت کے معنی عبادت کے ہیں، اور توحید الوہیت کا مطلب ہے ہر قسم کی عبادت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو یکتا اور تنہا قرار دینا، اور ہر وہ کام جو اللہ تعالی کے قرب کے حصول کے لیے کیا جائے، اسے صرف اللہ تعالی ہی کے لیے کرنا جیسے، عبادت، دعا، نذر، ذبح وغیرہ، کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے، دعا صرف اسی سے مانگی جائے، منت اسی کے نام کی ہو، قربانی اسی کے نام پر ہو وغیرہ، ان امور کو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے انجام دینا یا اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا کفر وشرک اور گمراہی وضلالت ہے۔

چوں کہ اکثر امتیں اور جماعتیں توحید ربوبیت کی قائل رہی ہیں، عموما گمراہی توحید الوہیت ہی کے تعلق سے پیدا ہوئی کہ عبادتوں میں غیروں کو شریک کیا جانے لگا، کسی نے بتوں اور پتھروں کو معبود بنالیا، تو کسی نے اپنے جیسے انسانوں ہی کی پرستش شروع کردی۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکز یہی توحید رہی ہے، اور زیادہ زور ان کا اسی بدعقیدگی اور گمراہی کو ختم کرنے پر رہا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (نحل:۳۶)

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا، کہ لوگو صرف اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ (انبیاء:۲۵)

(آپ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے، اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ

میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔)

جیسا کہ اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۫ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ (ہود:۲۵،۲۶)

(یقیناً ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں، کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔)

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ (الزمر:۱۱)

(آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرلوں۔)

اور اللہ عزوجل نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا (النساء:۳۶)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ''۔

تنہا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا بھی ایک بدیہی امر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات واحد ہے، جس نے انسان کو وجود بخشا، کائنات کو اور کائنات کی چیزوں کو انسان کے لیے پیدا کر کے اسے ان پر فوقیت دی، اس کی روزی کا سامان مہیا کیا اور بے شمار نعمتیں دیں، (جیسا کہ ''دلائل بر وجود خالق وصانع اور توحید ربوبیت'' کے عنوان کے تحت یہ بات دلائل سے ثابت ہو چکی ہے، اور یہ مذکور ہو چکا ہے کہ تمام اقوام ومذاہب خالق کائنات کے وجود اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرتی ہیں،) اور یہ بات بھی مسلمہ اصول میں سے ہے کہ جو ذات خالق ہوتی ہے، مستحق عبادت بھی وہی ہوتی ہے۔ پس جب انسان کا اور پوری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو پھر کسی اور کی عبادت کیوں کر جائز ہوسکتی ہے۔

عبادت خالق کا حق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اور عبدیت بندے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خالق اور رب کے سامنے جبین ناز کو رکھ دے، اور اپنی ہر ضرورت کو اسی سے مانگے، اس کے لیے قطعاً یہ جائز نہیں ہے کہ پیدا تو اسے اللہ تعالی نے کیا، روزی کا سامان اس نے فراہم کیا، لیکن عبادت وہ کسی اور کی کرے یا کسی اور کو اللہ تعالی کے ساتھ خالقیت ور بوبیت میں یا عبادت میں شریک کرے۔

یہ تو ایسا ہی ہے کہ مثلاً ایک شخص ہے، جس کا متعین طور پر ایک باپ ہے، اب وہ اپنے باپ کو باپ نہ تسلیم کرتے ہوئے کسی اور کو اپنا باپ مانے، یا کسی اور کو باپ ہونے میں شریک سمجھے، ظاہر ہے ایسے شخص کو حرامی کے علاوہ لوگ کیا کہیں گے، اور اندازہ کیجیے اپنے حقیقی باپ کے نزدیک یہ شخص کس قدر ذلیل اور مستحق سزا ہوگا۔ پس جب ایک باپ اپنی اولاد میں شرکت کو گوارا نہیں کرتا اور ایسی اولاد کو مستحق سزا سمجھتا ہے جو اس کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ تسلیم کرے۔ حالاں کہ باپ، بیٹے کا نہ تو خالق ہے نہ رب ہے اور نہ روزی رساں ہے۔

تو ذرا سوچیے وہ ذات جس نے پیدا کیا، پالا، روزی کا سامان فراہم کیا، ہم اس کے علاوہ کسی اور کو خالق تسلیم کرنے لگیں، یا اس کی خالقیت اور ربوبیت وعبادت میں کسی کو شریک سمجھنے لگیں، تو اسے کس قدر ناراضگی ہوگی اور اپنی اس مخلوق کو وہ کتنی سخت سزا دے گا۔ یہی وہ ناراضگی ہے جس کا اظہار اللہ تعالی نے اپنے ارشاد:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: ۱۳)

(بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔)

میں فرما کر صاف اعلان فرما دیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ (النساء: ۴۸)

(بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوائے اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جُرم کا مرتکب ہوا۔)

یعنی اللہ تعالی مشرک کو ہرگز نہیں معاف فرمائیں گے، اسے جہنم کی سخت سے سخت سزا دیں گے، ہاں اس کے علاوہ جس کے جس جرم کو چاہیں گے معاف فرمادیں گے۔

الحاصل یہی توحید الوہیت دین کے تمام امور کی اساس ہے، انسان کی نجات، اور دنیوی واخروی سعادت کا سارادارومدار اسی توحید الوہیت کے اقرار پر ہے۔توحید ربوبیت کے ساتھ اس توحید الوہیت کو بھی ماننا اور اسی کے مطابق عبادت کرنا لازم ہے، اس توحید کے اقرار کے بغیر ایک انسان نہ تو اللہ تعالی کے پسندیدہ مذہب اسلام میں داخل ہوسکتا ہے اور نہ اس کا کوئی عمل اللہ رب العزت کے نزدیک مقبول ہوگا، بلکہ اگر پہلے سے اسلام میں داخل تھا اور اب منکر ہوگیا، یا کوئی ایسا عمل کیا جو اس الوہیت کے منافی ہو، مثلا بتوں کو سجدہ کیا وغیرہ، تو وہ شخص مذہب اسلام سے نکل کر کافر ومشرک ہوجائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی غیر مسلم دین اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسے کلمۂ اسلام کے ذریعہ اس توحید کی تلقین کی جاتی ہے اور اس سے اقرار کرایا جاتا ہے کہ وہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے۔ جسے کلمۂ شہادت کہا جاتا ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔)

شہادتین کا معنی ومطلب

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے مطلب یہ ہے کہ اس بات کا عقیدہ واقرار ہو کہ عبادت کی مستحق صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور صرف اقرار ہی کافی نہیں اس بات پر التزام وعمل کا بھی ہونا ضروری ہے۔

اس کلمے کے دو حصے ہیں:

’’لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ‘‘ اس جملے میں عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالی کو قرار دیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ معبود حق صرف اللہ تعالی ہے، عربی میں جس کی تعبیر یوں ہوگی ’’لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ اِلَّا اللّٰہُ‘‘ گویا ’’لَا اِلٰہَ‘‘ میں ’’لَا‘‘ کی خبر ’’بِحَقٍّ‘‘ وجوبا مقدر ہے۔

’’لَا اِلٰہَ‘‘ میں للہ تعالی کے علاوہ کسی بھی معبود باطل کا انکار ہے اور شرک کی تمام قسموں کا ابطال ہے، اور ’’اِلَّا اللّٰہُ‘‘ کے ذریعہ اس بات کا اقرار ہے کہ مستحق عبادت صرف اللہ تعالی کی ذات ہے، اس کے علاوہ مستحق عبادت کوئی نہیں ہے۔

کلمے کے دوسرے جز ’’اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ظاہری اور باطنی اعتبار سے اس بات کا اعتراف کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کی خدائی اور اس کی صفات وقدرت میں شریک ہیں۔ ہاں اس کے برگزیدہ رسولوں میں سے سب سے اشرف وافضل رسول ہیں، آپ کا کام اللہ کے بندوں تک اللہ تعالی کے احکامات و پیغامات کو پہنچانا اور صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا ہے، نہ کہ اپنی عبادت کرانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اس منصب سے بڑھا کر خدائی منصب تک پہنچانا اور آپ کے لیے ان صفات کو ثابت کرنا جو اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہیں قطعا جائز نہیں ہے۔

❖ ❖ ❖

توحید اسماء وصفات

توحید اسماء وصفات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں یا اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر خود کو جن ناموں سے موسوم کیا ہے یا جن اوصاف سے متصف قرار دیا ہے، ان تمام پر ایمان لے آیا جائے اور ان کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ثابت کیا جائے، نیز ان میں تشبیہ وتمثیل سے بچا جائے، یعنی اللہ تعالی کی صفات کو بندوں کی کسی صفت سے تشبیہ نہ دی جائے، اس لیے کہ اللہ تعالی کے مثل کوئی ہے ہی نہیں کہ اللہ کی صفات کو اس کے مشابہ قرار دیا جاسکے۔ اللہ تعالی کا خود ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾ (الشوریٰ:۱۱)

(کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔)

خلاصہ یہ کہ جس طرح اللہ تعالی کی ذات دوسروں کے مشابہ نہیں، اسی طرح اس کی صفات مثلاً علم، سمع، بصر، تکلم وغیر بھی دوسروں کی صفات کے مشابہ نہیں، اس کی صفات اور اس کے کمالات بے حد وبے پایاں ہیں، کم وکیف سب سے بالا وبرتر ہیں، اور جیسے اللہ رب العزت کی ذات قدیم غیر حادث ہے، ایسے ہی اس کی تمام صفات بھی ازلی وابدی اور غیر مخلوق ہیں۔

صفات باری کی بابت گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''علم الکلام'' میں لکھتے ہیں:

''ذات خداوندی باوجود ایک ہونے کے پھر سب کمالات کے ساتھ موصوف ہے، ایک شخص کلکٹری اور مجسٹریٹی دونوں کے کام کرتا ہے اس لیے دو نام ہو گئے، ورنہ حقیقت میں وہ ایک ہی ذات ہے۔ ایسے ہی ذات خداوندی بھی بسبب جدا جدا کاموں کے خالق، رازق، سمیع، بصیر کہلاتی ہے، غرض یہ کہ صفات کا متعدد ہونا اس کی وحدت کے

کسی طرح منافی نہیں۔

اور جس طرح ذات خداوندی تمام موجودات کے لیے اصل ہے، اسی طرح کمالات خداوندی کمالات مخلوق کے لیے اصل ہیں اور مخلوق میں جو کمال ہے وہ اسی کے کمال کا پرتو اور عکس ہے، جیسا کہ مخلوقات کا وجود اسی کے وجود کا پرتو اور عکس ہے۔ آفتاب میں اگر نور نہ ہوتا تو زمین کیسے منور ہوتی، آتش میں اگر حرارت نہ ہوتی تو پانی کیسے گرم ہوتا، علی ہذا اگر خالق میں کمال نہ ہوتا تو مخلوق میں کہاں سے کمال آجاتا۔

بندوں میں حیات بھی ہے، علم وقدرت بھی ہے، ارادہ واختیار بھی ہے، سمع وبصر اور کلام بھی ہے اور یہ ساری باتیں بالاتفاق خوبی وکمال کی سمجھی جاتی ہیں۔

یہ کمالات اگر خالق میں نہ تھے تو مخلوق میں کہاں سے آئے، نیز اگر خداوند کریم ان صفات کمالات کے ساتھ موصوف نہ ہو تو مخلوق کا خالق سے اور ممکن کا واجب سے افضل ہونا لازم آتا ہے، اس لیے کہ مخلوق میں حیات، علم، قدرت، سمع، بصر سب موجود ہے۔ اب اگر خدا ان صفات سے عاری ہو تو یقیناً مخلوق کو خالق سے افضل کہنا پڑے گا۔ (ص: ۴۳)

مولانا مزید لکھتے ہیں:

''صفات خداوندی ذات باری کے ساتھ ایسی نسبت رکھتی ہے کہ ان کو نہ عین ذات کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ نور کو نہ آفتاب کا عین کہہ سکتے ہیں نہ غیر، بلکہ یہ کہیں گے کہ آفتاب تو معدن نور اور منبع ضیاء کا نام ہے اور نور اس کے لیے لازم ہے، جیسا کہ چار کے لیے زوجیت اور پانچ کے لیے فردیت، اسی طرح صفات خداوندی ذات باری کے لیے لازم ذات ہیں کہ ان صفات اور کمالات کا ذات خداوندی سے جدا ہونا ناممکن اور محال ہے۔ یہی تمام اہل سنت والجماعت اور اشاعرہ وماتریدیہ کا مسلک ہے۔ (ص: ۱۱۴)

❖ ❖ ❖

اسماء حسنیٰ

ارشاد باری ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ (الاسراء:۱۱۰)

(آپ فرمادیجیے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے سواس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔)

سورۂ اعراف میں ہے:

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۸۰ (الاعراف:۱۸۰)

''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں، سوان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔''

اس آیت کریمہ کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اچھے نام سے مراد وہ نام ہیں جو صفات کمال کے اعلیٰ درجہ پر دلالت کرنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی کمال کا اعلیٰ درجہ جس سے اوپر کوئی درجہ نہ ہو سکے وہ صرف خالق کائنات جل وعلیٰ شانہ ہی کو حاصل ہے، اس کے سواء کسی مخلوق کو یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ہر کامل سے دوسرا شخص اکمل اور فاضل سے افضل ہوسکتا ہے، ''فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ'' کا یہی مطلب ہے کہ ہر ذی علم سے بڑھ کر کوئی دوسرا علیم ہوسکتا ہے۔

اسی لیے اس آیت میں ایسی عبارت اختیار کی گئی جس سے معلوم ہو کہ یہ اسماءِ حسنٰی صرف اللہ ہی کی خصوصیت ہے، دوسروں کو حاصل نہیں۔

''فَادْعُوْهُ بِهَا''یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالی کے لیے اسماءِ حسنٰی ہیں اور وہ اسماء اسی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں، تو لازم ہے کہ اللہ تعالی ہی کو پکارو اور انہی اسماء حسنی کے ساتھ پکارو۔

پکارنا یا بلانا دعا کا ترجمہ ہے اور دعاء کا لفظ قرآن میں دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایک اللہ کا ذکر، اس کی حمد و ثنا تسبیح و تمجید کے ساتھ، دوسرے حاجات و مشکلات کے وقت اللہ تعالی سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب و آفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کی درخواست کرنا۔ اس آیت میں ''فَادْعُوْهُ بِهَا'' کا لفظ دونوں معنی کو شامل ہے، تو معنی آیت کے یہ ہوئے کہ حمد و ثنا اور تسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات پاک ہے اور مشکلات و مصائب سے نجات اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لیے حمد و ثنا کرو تو اسی کی کرو اور حاجت روائی، مشکل کشائی کے لیے پکارو تو اسی کو پکارو اور پکارنے کا طریقہ بھی یہ بتلا دیا کہ انہی اسماءِ حسنٰی کے ساتھ پکارو جو اللہ تعالی کے لیے ثابت ہیں۔

اس لیے اس آیت سے دو ہدایتیں امت کو ملیں، ایک یہ کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی ذات حقیقی حمد و ثنا یا مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے پکارنے کے لائق نہیں، دوسرے یہ کہ اس کے پکارنے کے لیے بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو الفاظ چاہے اختیار کر لے، بلکہ اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں وہ الفاظ بھی بتلا دیئے جو اس کے شایانِ شان ہیں اور ہمیں پابند کر دیا کہ انہی الفاظ کے ساتھ اس کو پکاریں، اپنی تجویز سے دوسرے الفاظ نہ بدلیں، کیوں کہ انسان کی قدرت نہیں کہ تمام پہلوؤں کی رعایت کر کے شایانِ شان الفاظ بنا سکے۔

بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے ننانوے نام ہیں، جو شخص ان کو محفوظ کر لے وہ

جنت میں داخل ہوگا۔ یہ ننانوے نام امام ترمذی اور حاکم نے تفصیل کے ساتھ بتلائے ہیں۔ (معارف القرآن، سورۃ الاعراف، آیت نمبر:۱۸۰)

ترمذی شریف کی روایت یہ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً غَيْرَ وَاحِدٍ مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ الْحَلِيمُ الْعَظِيمُ الْغَفُورُ الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ الْحَفِيظُ الْمُقِيتُ الْحَسِيبُ الْجَلِيلُ الْكَرِيمُ الرَّقِيبُ الْمُجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْمَجِيدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيدُ الْحَقُّ الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ الْمَتِينُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيدُ الْمُحْيِي الْمُمِيتُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيَ الْمُتَعَالِي الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِکُ الْمُلْکِ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِي الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّورُ الْهَادِي الْبَدِيعُ الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيدُ الصَّبُورُ۔ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. (ترمذی:۲/۱۸۸)

اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں، جن کی تعداد ننانوے ہے، اس کے

علاوہ اللہ تعالی کے اور نام بھی منقول ہیں، جیسا کہ صاحب تفسیر مظہری، امام ترمذی کی مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ اللہ تعالی کے اسماء کا حصر انہی مذکورہ بالا اسماء میں نہیں ہے، حدیث مذکور میں جن اسماء کا ذکر ہے، ان سے مراد شاید یہ ہے کہ جوان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ (تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو۔) ترمذی کی روایت مذکورہ میں جن اسماء کا ذکر ہے، ان میں سے درج ذیل ستائیس ایسے ہیں جو بلفظہ صراحتاً قرآن مجید میں نہیں آئے ہیں:

’’الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلّ الْعَدْلُ الْجَلِيلُ الْبَاعِثُ الْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيدُ الْمُحْيِي الْمُمِيتُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْوَالِيَ الْمُقْسِطُ الْمُغْنِي الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ الْبَاقِي الرَّشِيدُ الصَّبُورُ۔‘‘

مندرجہ ذیل توصیفی اسماء حسب ذیل آیات میں آئے ہیں، مگر ترمذی کی روایت میں نہیں آئے ہیں:

هو خَيْرٌ وابْقٰى اِلٰه شَاكِر رَب العَالَمِين اَحد مَالك يومِ الدِّين الاعلى الاكرم خفى اَعلم بمن ضل عَن سَبيله واَعلمُ بِالمُهتَدِين القَريب اَلنَّصير القَدير المُبين الخَلّاق مبتليكم الموسع المليک الكافى فاطر السمٰوات والارض القائم با لقِسط غافِر الذَنب قَابِل التوب شَديد العقاب نعم المَولىٰ الغالب على امره سريع الحساب فَالق الحَب والنوىٰ خالق اِلاصباح جاعِل الليل سكنا عَلّام الغُيوب عَالِم الغيب والشهادةذُوالطول ذواِنتقام رَفيع الدَرَجات ذُوالعرش ذُوالمعارج ذُوالفضل العظيم

ذُوالقوة ذُوالمغفرة جَامِع الناس ليوم لا ريب فيه مُتم نِعمته مُتم نوره عَدوٌّلِلكَافِرين وَلِى المومنين القَاہِر فَوق عِباده اَسرعُ الحَاسِبين مُخرج المَيت من الحى مُحى الموتىٰ اَرحم الراحمين اَحكم الحٰكمين خَير الرازقين خَير المَاكرين خَير الفاتحين مُخزِى الكافرين مُوہِن كَيدِ الكافرين فَعَّال لِمايُريد المُستعان نُور السمٰوات والارض اہلُ التقوىٰ اهلُ المغفرة نِعمَ الماهِدون رَبُّ الناسِ مَلِكِ النَّاس اِلٰهِ الناس اَقربُ اليه من حَبل الوَريد القائم علىٰ كُلِّ نَفس بما كَسبت اَحق اَن تَخْشاه اَلَّذى ہُو اَغنىٰ واَقْنىٰ وَالّذِى هُو اَمَاتَ وَاَحْيىٰ وَالّذى هو اَضْحكَ وَاَبْكىٰ وَالّذى خَلقَ الزَّوجَين الذكر والانثى وَالّذى اَهلك عَادَن الأُولىٰ اَلّذى لم يَكن لَه وَلدٌ (لَمْ يَلِدْوَ لَمْ يُوْلَدْ،وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ)وَلَم يَكن لَه شَريكٌ فِى الْمُلكِ وَلَم يَكن لَه وَلِى مِن الذُّلِ اَلّذى اَنْزَل عَلى عَبده الْكَتابَ اَلَّذى بِيَده مَلَكوتُ كُلِّ شَئٍ اَلَّذى يَبْسُط الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِر اَلَّذى يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْده اَلَّذى بِيَدِهٖ الْمُلْكُ اَلَّذى بَعثَ فِى الأُمِّيِّيْنَ رَسُولا۔ لاَاِله اِلّا اَنتَ سُبحانَكَ اِنِّى كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِيْن ‘‘۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ کی صفات اور بھی بیان کی گئی ہیں۔بعض اسماء ایسے بھی دوسری احادیث میں آئے ہیں جو نہ قرآن مجید میں مذکور ہیں نہ ترمذی کی روایت مذکورہ میں،مثلاً

الحنان المنان الجواد الاجود الفرد الوتر الصادق الجميل القديم البار الوافى العادل المعطى المغيث

الطیب الطاھر المبارک خالق الشمس والقمر المنیر
رازق الطفل الصغیر جابر عظم الکسیر کبیر کل کبیر
الذی نفسی بیدہ۔وغیرہ ۔

پھر یہ بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالی کے جتنے نام قرآن مجیداوراحادیث میں آئے ہیں بس یہ ہی اللہ تعالی کے نام ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی نام اللہ کا نہیں ہے، کیوں کہ روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے توریت میں اپنے ایک ہزار نام نازل فرمائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ بھی دعا کرتے تھے:

”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ أَوْاَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْعَلَّمْتَہٗ اَحَداً مِّنْ خَلْقِکَ اَوْ اِسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عَنْدَکَ“۔

(اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں تیرے ہر نام کے ساتھ جو تونے اپنی ذات کا مقرر کیا ہے، اوراس کو کتاب میں نازل کردیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں تونے خاص طور پر رکھ چھوڑا ہے)

لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے تمام ناموں پر جو اللہ تعالی کو معلوم ہیں اجمالی ایمان رکھا جائے۔(تفسیر مظہری، سورۃ الاعراف، آیت نمبر:۱۸۰)

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے اگلے جملے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

یعنی چھوڑ دیئے ان لوگوں کو جو اللہ تعالی کے اسماء حسنیٰ میں الحاد یعنی کجروی کرتے ہیں ان کو ان کی کجروی کا بدلہ مل کر رہے گا۔الحاد کے معنی لغت میں میلان اور درمیانی راہ سے ہٹ جانے کے آتے ہیں، اسی لیے قبر کی لحد کو ”لحد“ کہا جاتا ہے، کیوں کہ وہ درمیان سے ہٹی ہوئی ہوتی ہے۔قرآن کریم میں لفظ ”الحاد“ قرآن کریم کے صحیح معانی کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی تاویل وتحریف کرنے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔اس آیت میں رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ آپ ایسے لوگوں سے تعلق بھی چھوڑ دیں جو اللہ تعالی کے اسماء حسنی میں الحاد یعنی تحریف اور کجروی سے کام لیتے ہیں۔

اسماء الٰہیہ میں تحریف یا کجروی کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں وہ سب اس آیت کے مضمون میں داخل ہیں:

اوّل یہ کہ اللہ تعالی کے لیے وہ نام استعمال کیا جائے جو قرآن وحدیث میں اللہ تعالی کے لیے ثابت نہیں۔ علمائے حق کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالی کے نام اور صفات میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہے نام رکھ دے یا جس صفت کے ساتھ چاہے اس کی حمد وثنا کرے، بلکہ صرف وہی الفاظ ہونا ضروری ہیں جو قرآن وسنت میں اللہ تعالی کے لیے بطور نام یا صفت کے ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً اللہ تعالی کو کریم کہہ سکتے ہیں، سخی نہیں کہہ سکتے، نور کہہ سکتے ہیں، ابیض نہیں کہہ سکتے، شافی کہہ سکتے ہیں، طبیب نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ یہ دوسرے الفاظ منقول نہیں، اگر چہ انہی الفاظ کے ہم معنی ہیں۔

دوسری صورت الحاد فی الاسماء کی یہ ہے کہ اللہ تعالی کے جو نام قرآن وسنت سے ثابت ہیں، ان میں سے کسی نام کو نامناسب سمجھ کر چھوڑ دے، اس کا بے ادبی ہونا ظاہر ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے مخصوص ناموں کو کسی دوسرے شخص کے لیے استعمال کرے۔ مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اسماء حسنیٰ میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو خود قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالی کے اور کسی کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ جیسے: رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ۔ اور اسماء حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قران وحدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالی کے لیے مخصوص ہیں، ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا الحاد مذکور میں داخل اور ناجائز وحرام ہے، مثلاً: رحمن، سبحان، رزاق، خالق، غفار، قدوس وغیرہ۔

پھر ان مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا اگر کسی غلط عقیدہ کی بنا پر ہے

کہ اس کو ہی خالق یا رزاق سمجھ کر ان الفاظ سے خطاب کر رہا ہے تب تو ایسا کہنا کفر ہے اور اگر عقیدہ غلط نہیں محض بے فکری یا بے سمجھی سے کسی کو خالق، رزاق یا رحمٰن، سبحان کہہ دیا تو یہ اگرچہ کفر نہیں مگر مشرکانہ الفاظ ہونے کی وجہ سے گناہ شدید ہے۔

مفتی صاحب آگے مزید لکھتے ہیں:

افسوس ناک یہ ہے کہ جن لوگوں کے نام: عبدالرحمٰن، عبدالخالق، عبدالرزاق، عبدالغفار، عبدالقدوس وغیرہ ہیں، ان میں تخفیف کا یہ غلط طریقہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ صرف آخری لفظ ان کے نام کی جگہ پکارا جاتا ہے، رحمٰن، خالق، رزاق، غفار کا خطاب انسانوں کو دیا جا رہا ہے اور اس سے زیادہ غضب کی بات یہ ہے کہ ''قدرت اللہ'' کو ''اللہ صاحب'' اور ''قدرت خدا'' کو ''خدا صاحب'' کے نام سے پکارا جاتا ہے، یہ سب ناجائز وحرام اور گناہ کبیرہ ہے، جتنی مرتبہ یہ لفظ پکارا جاتا ہے اتنی ہی مرتبہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے اور سننے والا بھی گناہ سے خالی نہیں رہتا۔ (معارف القرآن، سورۃ الاعراف، آیت نمبر:۱۸۰)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اسمائے الٰہیہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی کے نام اس کی صفات کمالیہ پر دلالت کرتے ہیں، اس کے نام صفات سے مشتق ہیں، گویا وہ اسماء بھی ہیں اور صفات بھی۔ اسی وجہ سے وہ اچھے ہیں، اس لیے کہ اگر وہ نام صرف الفاظ ہوتے جن کے معانی نہ ہوں تو پھر وہ اچھے نہ ہوتے اور نہ ہی کمال اور تعریف پر دلالت کرتے، نیز غضب وانتقام والے نام کو رحمت واحسان کی جگہ اور رحمت واحسان والے نام کو غضب وانتقام کی جگہ استعمال جائز ہوتا اور یہ کہنا درست ہوتا:

''اللھم انی ظلمت نفسی فاغفرلی، انک انت المنتقم''

(اے اللہ میں نے اپنی ذات پر ظلم کیا میری مغفرت فرما کیوں کہ تو انتقام لینے والا ہے)

اور اسی طرح یہ بھی کہنا درست ہوتا:

'' اللھم اعطنی فانک انت الضار المانع''

(اے اللہ مجھے عطا فرما، کیوں کہ تو نقصان پہنچانے والا اور منع کرنے والا ہے)

اور اس جیسی اور بھی دعائیں درست ہوتیں، نیز اگر اللہ تعالی کے اسماء معانی و صفات پر دلالت نہ کرتے تو ان کے مصادر کو خبر نہ بنایا جاتا اور نہ ہی ان کو وصف بنایا جاتا،لیکن چوں کہ اللہ تعالی نے اپنی ذات پر ان کے مصادر کو بطور خبر استعمال کیا ہے اور خود اس نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ثابت کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (الذاریات:۵۸)

(اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے۔)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''قَوِی'' اللہ تعالی کے ناموں میں سے ہے اور اس کے معنی ہیں جو قوت کے ساتھ متصف ہو، اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا

(تمام تر عزت خدا ہی کے لیے ہے)

''عزیز'' اس کو کہتے ہیں جس کو غلبہ ہو، اب اگر قوت اور غلبہ نہ ہو تو قوی اور عزیز نہیں کہا جائے گا۔

علامہ مزید آگے فرماتے ہیں:

''پس اگر اللہ تعالی کے نام، صفات اور معانی پر دلالت نہ کرتے تو ان کے افعال کا ذکر بے معنی ہوتا اور یہ کہنا کہ ''اللہ یسمع ویری، ویعلم، ویقدر، ویرید، درست نہ ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ صفات سے احکام کا ثبوت اس بات کی دلیل ہے کہ صفات ثابت ہیں، اب اگر صفات ہی نہ ہوں تو ان کا حکم ثابت کرنا محال ہے۔ (مدارج السالکین:۱/۲۸-۲۹)

❖ ❖ ❖

صفاتِ باری

اللہ تعالیٰ کی بے حد و بے شمار صفات میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں:

حیات

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت حیات ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (البقرۃ:۲۵۵)

(اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور سب کا سنبھالنے والا ہے،)

وَ تَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ (الفرقان:۵۸)

(اور بھروسہ کر او پر اس زندہ کے جو نہیں مرتا)

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ میں صفت حیات اس درجہ کامل اور اکمل ہے کہ واہمۂ موت اور نیند و اونگھ سے بھی پاک ہے۔ تمام عالم کی حیات اسی کا پرتو اور فیض ہے، حیات اس کے لیے ذاتی اور اصلی اور خانہ زاد ہے۔ اور کیوں نہ ہو، اس لیے کہ ایسے بدیع عالم کا ایک میت اور جماد سے صادر ہونا عقل محال سمجھتی ہے۔

علم

ذات باری علیم بھی ہے، یعنی اس کو ہر ہر ذرہ کی خبر ہے، عالم میں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یا ہوگا ازل ہی میں ان سب باتوں کا اس کو بالتفصیل علم تھا۔ کوئی شئ ایسی نہیں کہ جو اس کو معلوم نہ ہو۔ اس کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

(اللہ تعالیٰ ہر شی کا جاننے والا ہے)

عٰلِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ

(سباء:۳)

(اللہ تعالی عالم الغیب ہے، اس سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں)

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۵۹ (الانعام:۵۹)

(اللہ عالی ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیاء کے خزانے، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے، اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے، جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔)

قدرت

ذات باری قدرت بھی رکھتی ہے، اس قدرت کی وجہ سے جس شئ کو چاہے موجود یا معدوم کرسکتی ہے، کسی چیز سے وہ عاجز نہیں، اس کا ارشاد ہے:

وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (المائدہ:۱۲۰)

(یقیناً حق تعالی ہر شئ پر قادر ہیں)

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا (الکہف:۴۵)

(یقیناً اللہ تعالی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔)

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ۔ اِنَّهٗ كَانَ عَلِیْمًا قَدِیْرًا (الفاطر:۴۴)

(اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرا دے، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں، وہ بڑے علم والا بڑی قدرت والا ہے۔)

سمع وبصر

وہ ذات پاک ہر چیز کو دیکھتی ہے اور ہر آواز کو سنتی ہے، حتی کہ دل میں ہونے والے وسوسے بھی اس سے مخفی نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (الانفال:۱۷)
(یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)
اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (الغافر:۲۰)
(حقیقتاً اللہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔)

کلام

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت کلام بھی ہے، جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن عزیز میں اللہ تعالیٰ کا خود ارشاد ہے:

وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا (النساء:۱۶۴)
(اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔)
وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیۡثًا (النساء:۸۷)
(اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچ ہوگی۔)
مِنۡھُمۡ مَّنۡ کَلَّمَ اللّٰہُ (البقرۃ:۲۵۳)
(ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی۔)

ازلیت وابدیت

ذات باری عز اسمہ قدیم ہے، حادث نہیں ہے، یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کی ذات کو زوال اور فنا نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ابتدا اور انتہا ہے، وہی سب سے اوّل اور سب سے آخر ہے، نہ کوئی اس سے پہلے ہے اور نہ کوئی اس کے بعد، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

ھُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاھِرُ وَ الۡبَاطِنُ (الحدید:۳)
(وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے)

احاطہ

ذات باری سب کو محیط ہے، کوئی شی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا (النساء:۱۲۶)
(اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو احاطہ فرمائے ہوئے ہیں۔)

صمدیت

وہ ہر شئ سے مستغنی اور بے نیاز ہے، کسی شئ کی اس کو حاجت نہیں۔ ہر شئ اپنے وجود اور بقا میں اس کی محتاج ہے، اس کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (العنکبوت:۶)

(خدا تعالیٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔)

اَللّٰہُ الصَّمَدُ (الاخلاص:۲)

(اللہ بے نیاز ہے)

❖ ❖ ❖

دلائل توحید

اللہ رب العزت کا وجود، اس کی وحدانیت، ربوبیت اور الوہیت ایسی بدیہی ہے کہ اس پر نہ تو کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی مقدمہ کی، یہ بات خود اظہر من الشّمس ہے کہ جب کائنات ہے تو یقینا کائنات کا کوئی بنانے والا بھی ضرور ہے، اور اتنی بڑی کائنات کو جس نے وجود بخشا ہے یقینا اس کی قدرت اور اس کی صفات بھی بے مثال ہوں گی، جس میں اس کا کوئی ہمسر نہیں ہوگا۔ پھر جب خالق کائنات کا وجود مسلم ہو گیا تو یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ جو خالق ہے معبود بھی وہی ہے، اس کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا بہت بڑا ظلم ہوگا۔

لیکن عقل کے پجاریوں اور مشرکوں کو توحید کا قائل کرنے کے لیے اہل ایمان نے اللہ رب العزت کی وحدانیت اور ربوبیت پر بے شمار عقلی دلائل قائم فرمائے ہیں، ان میں سے دس دلائل اس موقعہ پر ہم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''علم الکلام'' سے نقل کر رہے ہیں۔

توحید کی پہلی دلیل

اہل اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر عالم کے لئے دو یا دو سے زائد صانع ہوں تو کارخانہ عالم بالکل درہم برہم ہو جائے گا اور کوئی شئے بھی وجود میں نہ آئے گی، کیونکہ اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ خدا کے لئے کامل الذات والصفات ہونا ضروری ہے۔ خدا وہی ہو سکتا ہے جو ہر قسم کے نقص سے پاک ہو، ورنہ خالق اور مخلوق میں کیا فرق ہے۔ اس لئے کہ بندے خدا بننے سے اس وجہ سے محروم ہیں کہ ان میں طرح طرح کے نقصانات موجود ہیں۔ وجود ان کا ناقص، قدرت ان کی ناقص، علم ان کا ناقص، پس اگر عیاذاً باللہ خدا بھی

ہماری طرح ناقص ہو، ہماری ہی طرح مجبور ہو تو اس کو ہم پر خدا بنجانے کا کیا حق ہے۔

پس جب ہر خدا کامل اور مستقل ٹھہرا تو ہر ایک کی تاثیر بھی کامل اور مستقل ہوگی، اسلئے کہ خالق کی مثال آفتاب و ماہتاب اور مخلوق کی مثال زمین کی سی ہے۔ زمین آفتاب سے بقدر آفتاب منور ہوتی ہے اور ماہتاب سے بقدر ماہتاب۔ پس جب دو صانع ہونگے اور ہر ایک کی تاثیر کامل ہوگی، تو ہر خدا کی طرف سے دو کامل وجود ہر مخلوق کے پیمانہ میں آئیں گے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سانچہ میں دو چیزیں اور ایک نیام میں دو تلواریں اور سیر بھر کے پیمانہ میں دو سیر چیز اور ایک جوتے میں ویسے ہی دو قدم اور ایک اچکن میں دو بدن اور ایک مکان میں اس کی مقدار سے دو چند اسباب نہیں سما سکتا اور اگر زبردستی کر کے اس میں ڈال ہی دیا جائے تو وہ سانچہ اور وہ نیام اور وہ اچکن ایک لمحہ کے لئے کسی طرح سالم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح اگر دو خداؤں کی طرف سے پورا پورا وجود ایک مخلوق میں سمانے لگے تو بیشک وہ مخلوق نیست و نابود ہو جائے گی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں خداؤں سے مل کر ایک ہی وجود آیا، تو پھر حقیقت میں ہر ایک خدا مستقل علت اور مستقل مؤثر نہ ہوگا، بلکہ دو خداؤں کا مجموعہ ملکر مؤثر ہوگا، جس سے ہر ایک کا ناقص اور ناتمام ہونا لازم آئے گا۔ ہاں اگر یہ احتمال ہوتا کہ خدا ناقص بھی ہو سکتا ہے تو یہ کہنا ممکن ہو جاتا کہ جس طرح دو چراغوں کا نور مل کر کامل ہو جاتا ہے، اسی طرح دو خدا کے عطا کئے ہوئے وجود بھی مل کر کامل ہو جائیں گے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ تمام اہل عقل اس پر متفق ہیں کہ بارگاہ خداوندی میں نقص کا کسی طرح گذر نہیں۔

الحاصل اگر دو خدا کامل الذات اور تام الصفات ہوتے تو یہ کارخانۂ عالم بالکل صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ تمام عالم کے لئے ایک ہی خدا ہے اور اس آیت میں اسی دلیل کی طرف اشارہ ہے۔ قال اللہ تعالی:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۲)

اگر زمین و آسمان میں سوائے خدا تعالی کے چند معبود ہوتے تو یقینا یہ سب کے

سب فنا ہوجاتے (تقریر دلپذیر:۲۱،والحصون الحمیدیہ:۲۲،ورسالہ حمیدیہ:۱۴۰)

توحید کی دوسری دلیل

عالم کے موجودہ نظام پر نظر ڈالنے سے ہر فہیم شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس عالم کے جس سلسلہ پر نظر ڈالتے ہیں، وہ ایک ہی اصل پر جاکر تمام ہوجاتا ہے۔ روشنی کے سلسلہ کو دیکھ لیجئے کہ وہ آفتاب پر پہنچ کر ختم ہوجاتا ہے۔ گرمی کے سلسلہ پر نظر ڈالئے کہ آثارِ آتش پر پہنچ کر ختم ہوجاتا ہے۔ عدد کے سلسلہ کو دیکھ لیجئے کہ الی غیر النہایۃ پھیلا ہوا ہے، مگر تمام سلسلہ کا اختتام ایک پر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ایک سب کے لئے اصل ہے، جیسا کہ آفتاب تمام روشنیوں کے لئے اور آتش تمام حرارتوں کے لئے اصل ہے۔ موجوں کا سلسلہ پانی پر ختم ہوجاتا ہے۔ خطوط دائرہ کا سلسلہ مرکز پر ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ مرکز تمام خطوط کے لئے اصل ہے۔ حکام کا سلسلہ بادشاہ پر تمام ہوجاتا ہے۔

الحاصل عالم میں کوئی ایسا سلسلہ نہیں کہ جو کسی ایک اصل پر ختم نہ ہوتا ہو، پس یہ ناممکن ہے کہ کسی ایک موجود اصلی پر ان موجودات عالم کا سلسلہ تمام نہ ہو، ضرور ہے کہ کوئی ایسا موجود ہو کہ جس کا وجود اصلی اور ذاتی ہو اور ان تمام موجودات کا وجود اس کا فیض ہو، جیسے ایک آفتاب تمام روشنیوں کا اصل ہے اور باقی سب اسی کی فرع ہیں، حتیٰ کہ نجم وقمر کا وجود بھی اسی سے مستفاد ہے۔ (تقریر دلپذیر:۳۲)

توحید کی تیسری دلیل

اگر دو خدا فرض کئے جاویں اور ہر ایک کامل قدرت اور کامل اختیار کے ساتھ موصوف ہو اور ایک کا ارادہ کسی شئے کے ایجاد کے متعلق ہو، تو سوال یہ ہے کہ دوسرا خدا پہلے خدا کی مخالفت پر قادر ہے یا اس کی موافقت پر مجبور ہے۔

پس اگر دوسرا خدا پہلے خدا کی مخالفت کرسکتا ہے اور پہلے خدا کی تدبیر کو روک سکتا ہے، تو یہ دوسرا خدا قادر اور قاہر ہوگا اور پہلا خدا یقیناً عاجز اور قاصر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ عاجز اور قاصر خدا تو نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا خدا وہی ہوسکتا ہے جو ہر طرح سے کامل ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ دوسرا خدا پہلے خدا کی کسی قسم کی مخالفت نہیں کرسکتا، بلکہ اس کی موافقت پر

مجبور اور مضطر ہے، تو یہ دوسرا خدا عاجز اور مجبور ہونے کی وجہ سے خدا نہیں رہ سکتا، خدا وہی رہے گا کہ جس کی شان ''فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ'' ہو اور کوئی ذرہ برابر بھی اس کی مخالفت نہ کر سکتا ہو۔

توحید کی چوتھی دلیل

اگر دو خدا مانے جائیں تو ظاہر ہے کہ الوہیت میں دونوں مشترک اور مساوی ہوں گے۔ اب اس الوہیت کے علاوہ ہر ایک خدا میں کوئی ایسی خاص صفت ہونی چاہئے کہ جس کے ذریعہ سے دونوں میں امتیاز ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلے خدا کو دوسرے خدا سے صفت کمال کے ذریعہ سے امتیاز حاصل ہے (یعنی پہلے خدا میں وہ صفت کمال پائی جاتی ہے اور دوسرے خدا میں نہیں پائی جاتی) تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دوسرا خدا، خدا نہیں رہ سکتا، کیونکہ صفت کمال سے خالی ہونا ایک عیب ہے، جو کہ الوہیت کے سراسر منافی ہے۔ اور اگر پہلے خدا کو دوسرے خدا سے صفت نقص کے ذریعہ سے امتیاز حاصل ہے، یا غیر صفت کمال کے ذریعہ سے امتیاز ہے، تو اس صورت میں پہلا خدا، خدا نہیں رہ سکتا، کیونکہ صفت نقص کیساتھ موصوف ہونا یا صفت کمال سے عاری ہونا شان الوہیت کے بالکل منافی ہے۔

توحید کی پانچویں دلیل

نیز ایک خدا تدبیر عالم کے لئے کافی ہے یا نہیں۔ اگر کافی ہے تو دوسرا خدا بالکل ضائع اور بیکار ہے یعنی بالکل فالتو ہے، جس کی کوئی حاجت نہیں۔ اور جس کی کوئی حاجت نہ ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے، خدا کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ سب سے مستغنی ہو اور تمام عالم اس کا محتاج ہو۔ اور اگر ایک خدا تدبیر عالم کے لئے کافی نہیں تو یہ خدا عاجز ہوگا اور کسی دوسرے خدا کا تدبیر عالم میں محتاج ہوگا اور ظاہر ہے کہ عاجز اور محتاج خدا نہیں ہوسکتا۔

توحید کی چھٹی دلیل

نیز اگر دو خدا فرض کئے جائیں تو یہ بتلایئے کہ ایک خدا اپنے اسرار کو دوسرے خدا سے مخفی رکھ سکتا ہے یا نہیں، اگر رکھ سکتا ہے تو دوسرا خدا بے خبر اور جاہل ہونے کی وجہ سے

خدا نہ رہے گا۔ اور اگر یہ خدا اپنے اسرار کو دوسرے سے مخفی نہیں رکھ سکتا ہے تو یہ خدا عاجز ہونے کی وجہ سے خدا نہ رہے گا۔

توحید کی ساتویں دلیل

نیز شرکت ایک قسم کا عیب ہے اور یکتائی صفت کمال ہے، چنانچہ جب کسی کی مدح کی جاتی ہے، تو یہی کہا جاتا ہے کہ آپ یکتائے زمانہ ہیں، بے مثل اور بے نظیر ہیں، اور جب خدا کے لئے ہر قسم کے عیب سے پاک ہونا ضروری ہے، تو اس عیب شرکت سے بھی پاک ہونا ضروری ہوگا۔

توحید کی آٹھویں دلیل

اگر خداوند عالم کو وحدہٗ لاشریک لہٗ نہ تسلیم کیا جائے اور اسی کو کل عالم کے تدبیر کے لئے کافی نہ سمجھا جائے، تو پھر عقلا دو یا چار کی کوئی تحدید نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ جس دلیل سے آپ دو یا چار صانع اور خدا مانیں گے، اسی دلیل سے دوسرا شخص خدا کو زائد عدد میں مان سکتا ہے، بلکہ اگر کوئی شخص ایک انسان کی ہر حرکت اور سکون کے لئے جدا جدا خدا مان لے، تو آپ اس کو عقلا روک نہیں سکتے۔ خلاصہ یہ کہ خدا کو ایک نہ ماننا غیر محدود خدا ماننے کے لئے ایک فتح باب ہے، ایک عابد کے لئے غیر محدود معبودوں کا ماننا، حقیقت میں ایک ذات کو غیر محدود ذوات کی اطاعت کی مالایطاق تکلیف دینا ہے۔ (قالہ ابو منصور التمیمی، کذا فی الاتحاف، ص:۱۲۹، ج:۲)

توحید کی نویں دلیل

اگر دو یا دو سے زائد خدا تسلیم کئے جائیں، تو ہر خدا کا اپنے وجود خاص پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ حدوث عالم مطلق وجود صانع پر دلالت کرتا ہے، تعدد صانع پر کسی قسم کی دلالت نہیں کرتا۔ اور اگر بالفرض تعدد صانع پر دلالت کرے بھی تو وہ کسی خاص خدا پر دلالت نہیں کرتا۔ جو دلیل ایک خدا پیش کر سکتی ہے، وہی دلیل بعینہٖ دوسرے خدا کے وجود پر قائم ہوسکتی ہے۔ لہٰذا تعدد صانع کی تقدیر پر، ہر خدا پر، اپنی ذات پر، ایسی دلیل قائم کرنے سے کہ جو فقط اسی کی ذات پر دلالت کرے اور

دوسرے پر ہرگز دلالت نہ کرے، عاجز ہونا لازم آتا ہے۔

توحید کی دسویں دلیل

اگر دو خدا فرض کئے جائیں تو اس صورت میں یا تو ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوگا، یا فقط ایک محتاج ہوگا اور دوسرا مستغنی، یا یہ کہ ہر ایک دوسرے سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا۔

پہلی صورت میں کوئی بھی خدا نہ رہے گا، اسلئے کہ احتیاج اور نیاز مندی سراسر خدائی کے منافی ہے اور دوسری صورت جو محتاج ہوگا وہ خدا نہ رہے گا، خدا وہی رہے گا کہ جو سب سے مستغنی اور بے نیاز ہو اور وہ ایک ہی ہے۔

اور تیسری صورت میں بھی کوئی خدا نہ رہے گا، اس لئے کہ خدا کی شان یہ ہونی چاہئے کہ کوئی اس سے بے نیاز نہ ہو، سب اسی کے محتاج اور دست نگر ہوں، اس لئے کہ استغناء اور بے نیازی غیر ضروری شئے سے ہوا کرتی ہے۔ پس اگر معاذ اللہ خدا سے بھی استغناء اور بے نیازی ممکن ہو، تو معاذ اللہ خدا کا غیر ضروری ہونا لازم آتا ہے، جو کہ ایک کھلا ہوا عیب ہے اور خدا کی ذات سب عیبوں سے پاک ہوتی ہے۔ پس اگر دو خدا ہوں اور ہر خدا دوسرے سے مستغنی اور بے نیاز ہو تو پھر ہر خدا کا غیر ضروری ہونا لازم آتا ہے، جو کہ سراسر شان الوہیت کے خلاف ہے۔ سبحانہ وتعالی عما یقولون علوا کبیرا۔

❖ ❖ ❖

دلائل وجود باری اوراس کی وحدانیت

آیات قرآنیہ کی روشنی میں

قرآن کریم جوانسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ آسمانی کتاب ہے، اس مسئلہ کو بہت واضح اور دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے کہ سب سے بڑی ہدایت اللہ رب العزت کی ربوبیت، الوہیت اور وحدانیت پر ایمان کا ہونا ہے اور پھر تحکمانہ انداز میں اللہ کے وجود اوراس کی وحدانیت کو تسلیم کرنے پر زور نہیں دیا ہے، بلکہ انسان سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنی ذات میں اور کائنات میں عقل وخرد کو استعمال کرتے ہوئے غور وفکر کرے تو کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ رب العزت کے وجود، اس کی ربوبیت، الوہیت اور وحدانیت پر یہی نہیں گواہی دے گا بلکہ اس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوا نظر آئے گا۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَ فِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝٢٠ وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝٢١ (الذاریت:٢٠/٢١)

(اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی اور کیا تم انہیں نہیں دیکھتے۔)

اس عنوان کے تحت قرآن کریم کی ان بے شمار آیات میں سے چند آیات کو مع تشریح وتفسیر ذکر کیا جارہا ہے، جن میں اللہ رب العزت کے وجود، اس کی ربوبیت، الوہیت اور وحدانیت کو انتہائی دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ (البقرۃ:۲۱،۲۲)

(اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی، جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی کہ تم سے پہلے گذر چکے ہیں، عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔ وہ ذاتِ پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی، پھر پردۂ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں سے غذا کو تم لوگوں کے واسطے، اب تو مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم تو جانتے بوجھتے ہو۔)

تشریح وتفسیر

مذکورہ آیتوں میں اللہ اور اس کی ہدایات کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں تمام انسانوں کو خطاب کر کے وہ دعوت پیش کی گئی ہے جس کے لیے قرآن نازل ہوا ہے۔ اس میں مخلوق پرستی سے باز آنے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی طرف دعوت ایسے انداز سے دی گئی ہے کہ اس میں دعویٰ کے ساتھ اس کے واضح دلائل بھی موجود ہیں جن میں ادنیٰ سمجھ بوجھ والا انسان بھی ذرا سا غور کرے تو توحید کے اقرار پر مجبور ہو جائے۔

پہلی آیت میں یَاأَیُّهَا النَّاسُ سے خطاب شروع ہوا، لفظ ''النَّاس'' عربی زبان میں مطلق انسان کے معنی میں آتا ہے، جس کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ''اعْبُدُوْا رَبَّكُم'' عبادت کے معنی ہیں اپنی پوری طاقت مکمل فرمانبرداری میں صرف کرنا اور خوف وعظمت کے پیشِ نظر نافرمانی سے دور رہنا (روح البیان، ص:۴، ج:۱) اور لفظ رب کے معنی ''پروردگار'' کے ہیں۔ ترجمہ یہ ہوا کہ ''عبادت کرو اپنے رب کی''۔

یہاں پر لفظ ''رب'' کی جگہ لفظ ''اللہ'' یا اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اور نام بھی لایا جا سکتا تھا، مگر ان میں سے اس جگہ لفظ ''رب'' کا انتخاب کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس مختصر سے جملہ میں دعوے کے ساتھ دلیل بھی آ گئی ہے، کیوں کہ عبادت کی مستحق صرف وہ ذات ہو سکتی ہے جو انسان کی پرورش کی کفیل ہو، جس نے اس کو ایک قطرہ سے تدریجی

تربیت کے ساتھ ایک بھلا چنگا، سمیع، بصیر، عقل وادراک والا ماہر انسان بنایا اور اس کی بقاء کے وسائل مہیا کئے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کتنا ہی جاہل ہو اور اپنی بصیرت کو برباد کر چکا ہو، جب بھی ذرا غور کرے گا تو اس کا یقین کرنے میں اسے ہرگز تامل نہیں ہوگا کہ یہ شان ربوبیت بجز حق تعالی کے اور کسی میں نہیں اور انسان پر یہ مربیانہ انعامات نہ کسی پتھر کے تراشے ہوئے بت نے کئے ہیں اور نہ کسی اور مخلوق نے اور وہ کیسے کرتے جب کہ وہ سب خود اپنے وجود اور بقاء میں اسی ''ذات واحد'' کے محتاج ہیں، ایک محتاج دوسرے محتاج کی کیا حاجت روائی کر سکتا ہے؟ اور اگر ظاہری طور پر کرے بھی تو وہ درحقیقت اسی ذات باری کی تربیت ہوگی جس کی طرف یہ دونوں محتاج ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ''رب'' لا کر یہ واضح کر دیا گیا کہ جس ذات کی عبادت کی طرف دعوت دی گئی ہے اس کے سوا کوئی دوسری ہستی عبادت کی مستحق ہو ہی نہیں سکتی۔

اس جملہ میں انسانوں کے تمام گروہوں کو خطاب ہے اور ہر مخاطب کے لیے اس جملہ کا معنی و مطلب جدا ہے، مثلاً: جب کہا گیا کہ اپنے رب کی عبادت کرو تو کفار کے لیے اس خطاب کے معنی یہ ہوئے کہ مخلوق پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرو اور منافقین کے لیے اس کے یہ معنی ہوئے کہ نفاق چھوڑ کر اخلاص پیدا کرو، گناہگار مسلمانوں کے لیے معنی یہ ہوئے کہ گناہ سے باز آؤ اور کامل اطاعت اختیار کرو اور متقی مسلمانوں کے لیے اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ اپنی اطاعت وعبادت پر ہمیشہ قائم رہو، اور اس میں ترقی کی کوشش کرو۔ (روح البیان)

اس کے بعد لفظ ''رب'' کی چند صفات کا ذکر کر کے اس مضمون کی مزید توضیح فرما دی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے ''خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ'' یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان قوموں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں۔ اس میں رب کی وہ صفت بتلائی گئی ہے جو اللہ جل شانہ کے سوا کسی مخلوق میں پائے جانے کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا، کہ نیست سے ہست اور نابود سے بود کرنا، پھر بطن مادر کی تاریکیوں اور گندگیوں

میں ایسا حسین وجمیل، پاک وصاف انسان بنادینا کہ فرشتے بھی اس کی پاکی پر رشک کریں، یہ سوائے اس ذات حق کے کس کا کام ہوسکتا ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔

اس آیت میں ''خَلَقَكُمْ'' کے ساتھ ''الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُم'' کا اضافہ کر کے ایک تو یہ بتلادیا کہ تم اور تمہارے آباء واجداد یعنی تمام بنی نوع انسان کا خالق وہی پروردگار ہے ،دوسرے صرف ''مِن قَبْلِكُم'' کا ذکر فرمایا ''من بعدکم'' یعنی بعد میں پیدا ہونے والے لوگوں کا ذکر نہیں کیا، اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی دوسری امت یا دوسری ملت نہیں ہوگی، کیوں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی مبعوث ہوگا نہ اس کی کوئی جدید امت ہوگی۔

اس کے بعد اسی آیت کا آخری جملہ ہے ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ'' یعنی دنیا میں گمراہی اور آخرت میں عذاب سے نجات پانے کی امید تمہارے لیے صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ توحید کو اختیار کرو اور شرک سے باز آؤ۔

پھر دوسری آیت میں رب کی دوسری صفات کا بیان اس طرح فرمایا گیا ہے:

''الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ'' یعنی رب وہ ذات ہے جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی، پھر اس پانی کے ذریعہ پردہ عدم سے نکالی پھلوں کی غذا تمہارے لیے۔

اس سے پہلی آیت میں ان انعامات کا ذکر تھا جو انسان کی ذات سے متعلق ہیں اور اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے جو انسان کے اردگرد وپیش کی چیزوں سے متعلق ہیں، یعنی پہلی آیت میں ''انفسی'' اور دوسری آیت میں ''آفاقی'' نعمتوں کا ذکر فرما کر تمام اقسام نعمت کا احاطہ فرمایا گیا ہے۔

ان ''آفاقی'' نعمتوں میں سے زمین کی پیدائش کا ذکر ہے، کہ اس کو انسان کے لیے فرش بنادیا، نہ پانی کی طرح نرم ہے، جس پر قرار نہ ہوسکے، اور نہ لوہے، پتھر کی طرح

سخت ہے کہ ہم اسے اپنی ضرورت کے مطابق آسانی سے استعمال نہ کرسکیں، بلکہ نرمی اور سختی کے درمیان ایسا بنایا گیا جو عام نسانی ضروریات زندگی میں کام دے سکے۔

"فِرَاشاً" کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین گول نہ ہو، کیوں کہ زمین کا یہ عظیم الشان کرہ گول ہونے کے باوجود دیکھنے میں ایک سطح نظر آتا ہے، اور قرآن کا عام طرز یہی ہے کہ ہر چیز کی وہ کیفیت بیان کرتا ہے، جس کو ہر دیکھنے والا عالم، جاہل، شہری، دیہاتی سمجھ سکے۔

دوسری نعمت یہ ہے کہ آسمان کو ایک مزین اور نظر فریب چھت بنادیا۔ تیسری نعمت یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسایا۔ پانی آسمان سے برسانے کے لیے، یہ ضروری نہیں کہ بادل کا واسطہ درمیان میں نہ ہو، بلکہ محاورات میں ہر اوپر سے آنے والی چیز کو آسمان سے آنا بولتے ہیں۔

خود قرآن کریم نے متعدد مقامات میں بادلوں سے پانی برسانے کا ذکر فرمایا ہے، مثلاً ارشاد ہے:

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ (واقعہ)

(کیا بارش کا پانی سفید بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا ہم اس کے اتارنے والے ہیں)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ (نبا)

(ہم نے اتارا پانی بھرے ہوئے بادلوں سے پانی کا ریلا)

چوتھی نعمت اس پانی کے ذریعہ پھل پیدا کرنا، اور پھلوں سے انسان کی غذا پیدا کرنا ہے۔ پروردگار عالم کی چار مذکورہ صفات میں سے پہلی تین باتیں تو ایسی ہیں کہ ان میں انسان کی سعی وعمل تو کیا خود اس کے وجود کو بھی دخل نہیں۔ بیچارے انسان کا نام ونشان بھی نہ تھا، جب زمین اور آسمان پیدا ہوچکے تھے اور بادل اور بارش اپنا کام کررہے تھے۔ ان کے متعلق تو کسی بیوقوف جاہل کو بھی یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ کام سوائے حق جل شانہٗ کے کسی انسان یا بت یا کسی اور مخلوق نے کیے ہوں گے۔

ہاں زمین سے پھل اور پھلوں سے انسانی غذا نکالنے میں کسی سادہ لوح اور سطحی نظر رکھنے والے کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ یہ انسانی سعی وعمل اور اس کی دانشمندانہ تدبیروں کا نتیجہ ہیں کہ وہ زمین کو نرم کرنے اور کمانے میں، پھر بیج ڈالنے اور جمانے میں، پھر اس کی تربیت اور حفاظت میں اپنی محنت خرچ کرتا ہے۔

لیکن قرآن کریم نے دوسری آیات میں اس کو بھی صاف کردیا کہ انسان کی سعی اور محنت کو درخت اُگانے، یا پھل نکالنے میں قطعا کوئی دخل نہیں، بلکہ اس کی ساری تدبیروں اور محنتوں کا حاصل ''رکاوٹوں کو دور کرنے'' سے زیادہ کچھ نہیں، یعنی انسان کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ پیدا ہونے والے درخت کی راہ سے رکاوٹیں دور کرے اور بس۔

غور کیجئے کہ زمین کا کھودنا، اس میں ہل چلانا، اس میں سے جھاڑ جھنکاڑ کو دور کرنا، اس میں کھاد ڈال کر زمین کو نرم کرنا جو کاشتکاروں کا ابتدائی کام ہے، اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ بیج یا گٹھلی کے اندر سے جو نازک کونپل قدرتِ خداوندی سے نکلے گی، زمین کی سختی، یا کوئی جھاڑ جھنکار اس کی راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔ بیج میں سے کونپل نکالنے اور اس میں پھول پتیاں پیدا کرنے میں اس بیچارے کاشتکار کا کیا دخل ہے۔

اسی طرح کاشتکار کا دوسرا کام زمین میں بیج ڈالنا، پھر اس کی حفاظت کرنا، پھر کونپل نکلنے کے بعد اس کی سردی گرمی اور جانوروں سے حفاظت کرنا ہے۔ اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ قدرت خداوندی سے پیدا ہونے والے کونپلوں کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، ان سب کاموں کو کسی درخت کے نکلنے یا پھلنے پھولنے میں بجز رفع موانع کے اور کیا دخل ہے؟ ہاں پانی سے، جمنے والے بیج کی اور اس سے نکلنے والے درخت کی غذا تیار ہوتی ہے اور اسی سے وہ پھلتا پھولتا ہے، لیکن پانی کاشتکار کا پیدا کیا ہوا نہیں، اس میں بھی کاشتکار کا کام صرف اتنا ہے کہ قدرت کے پیدا کئے ہوئے پانی کو قدرت ہی کے پیدا کئے ہوئے درخت تک ایک مناسب وقت میں اور مناسب مقدار میں پہنچادے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ درخت کی پیدائش اور اس کے پھلنے پھولنے میں اول سے آخر تک انسان کی محنت اور تدبیر کا اس کے سوا کوئی اثر نہیں کہ نکلنے والے درخت کے راستے

سے روڑے ہٹادے، یا اس کو ضائع ہونے سے بچالے، باقی رہی درخت کی پیدائش، اس کا بڑھنا، اس میں پتے اور شاخیں پھر پھول اور پھل پیدا کرنا، سو اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اور کسی کا کوئی دخل نہیں۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝۶۳ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝۶۴ (واقعہ)

(بتلاؤ جو کچھ تم بوتے ہو، اُسے تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں)

قرآن کے اس سوال کا جواب انسان کے پاس بجز اس کے اور کیا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ان سب درختوں کو اگانے والے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ جس طرح زمین اور آسمان کی پیدائش اور برق و باراں کے منظم سلسلہ کار میں انسانی سعی ومحنت کا کوئی دخل نہیں، اسی طرح کھیتی اور درختوں کے پیدا ہونے اور ان سے پھول پھل نکلنے، اور ان سے انسان کی غذائیں تیار ہونے میں بھی اس کا دخل صرف برائے نام ہے۔ اور حقیقت میں یہ سب کاروبار صرف حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا نتیجہ ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ کی ایسی چار صفات کا بیان ہے جو سوائے اس کے اور کسی مخلوق میں پائی ہی نہیں جاسکتیں۔ اور جب ان دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ انسان کو عدم سے وجود میں لانا اور پھر اس کی بقاء وترقی کے سامان زمین اور آسمان، بارش اور پھل پھول کے ذریعہ مہیا کرنا، سوائے حق جل شانہٗ کے اور کسی کا کام نہیں، تو ہر ادنی سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان کو اس پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ عبادت واطاعت کے لائق اور مستحق بھی صرف وہی ذات ہے، اور اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں کہ انسان کے بود و وجود اور اس کے بقاء وارتقاء کے سارے سامان تو اللہ تعالیٰ پیدا کرے، اور غافل انسان دوسروں کی چوکھٹوں پر سجدہ کرتا پھرے، اور دوسری چیزوں کی بندگی میں مشغول ہو جائے۔

اللہ تعالی نے اس کو اپنی ساری مخلوقات کا سردار اس لیے بنایا تھا کہ ساری کائنات اس کی خدمت کرے، اور یہ صرف رب کائنات کی خدمت اور عبادت میں مشغول رہے، اور کسی کی طرف نظر نہ رکھے۔ لیکن غافل انسان نے اپنی حماقت سے اللہ تعالی ہی کو بھلا دیا تو اسے ایک خدا کی غلامی کے بجائے ستر کروڑ دیوتاؤں کی غلامی کرنا پڑی ؎

یک در چھوڑ کے ہم ہو گئے لاکھوں کے غلام
ہم نے آزادی عرفی کا نہ سوچا انجام

اسی غیروں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے اس آیت کے آخر میں حق تعالی نے ارشاد فرمایا:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

(اب تو مت ٹھہراؤ اللہ کا مقابل اور تم تو جانتے بوجھتے ہو)

یعنی جب تم نے یہ جان لیا کہ تم کو نیست و نابود سے ہست کرنے والا تمہاری تربیت اور پرورش کے سارے سامان مہیا اور دوسری ضروریات کے لیے آسمان بنانے والا، آسمان سے پانی برسانے والا، پانی سے پھل اور پھل سے غذا مہیا کرنے والا بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں تو عبادت و بندگی کا مستحق دوسرا کون ہوسکتا ہے کہ اس کو خدا کا مقابل یا سہیم و شریک ٹھہرایا جائے، اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو اس جہان میں اس سے بڑھ کر کوئی ظلم اور بے وقوفی و بے عقلی نہیں ہوسکتی کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق سے دل لگایا جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں اس چیز کی دعوت دی گئی ہے جو تمام آسمانی کتابوں کے اور تمام انبیاء کے بھیجنے کا اصل مقصد ہے یعنی صرف ایک خدا کی عبادت و بندگی جس کا نام توحید ہے اور یہ وہ انقلابی نظریہ ہے جو انسان کے تمام اعمال و احوال اور اخلاق و معاشرت پر گہرا اثر رکھتا ہے کیوں کہ جو شخص یہ یقین کرے کہ تمام عالم کا خالق و مالک اور تمام نظام عالم میں متصرف اور تمام چیزوں پر قادر صرف ایک ذات ہے، بغیر اس کی مشیت اور ارادے کے نہ کوئی ذرہ حرکت کرسکتا ہے نہ کوئی کسی کو نفع یا نقصان پہنچا

سکتا ہے، تو اس کی پوری توجہ ہر مصیبت وراحت اور ہر تنگی اور فراخی میں صرف ایک ہی ذات کی طرف ہو جائے گی اور اس کو وہ بصیرت حاصل ہو جائے گی، جس کے ذریعے وہ اسباب ظاہرہ کی حقیقت پہچان لے گا کہ یہ سلسلۂ اسباب درحقیقت ایک پردہ ہے جس کے پیچھے دست قدرت کارفرما ہے۔

برق اور بھاپ کے پوجنے والے دانایان یورپ اگر اس حقیقت کو سمجھ لیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ برق اور بھاپ سے آگے بھی کوئی حقیقت ہے اور حقیقی پاور اور طاقت نہ برق میں ہے نہ بھاپ میں، بلکہ سب طاقتوں اور قوتوں کا سرچشمہ اسی ذات حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس نے یہ برق اور بھاپ پیدا کئے، اس کو سمجھنے کے لیے بصیرت چاہئے اور جس نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا وہ دنیا میں کتنا ہی دانشمند وفلاسفر کہلاتا ہو، مگر اس کی مثال اس دیہاتی بے وقوف کی سی ہے جو کسی ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اور دیکھا کہ گارڈ کے ہاتھ میں دو جھنڈیاں سرخ اور سبز ہیں، سبز کے دکھلانے سے ریل چلنے لگتی ہے اور سرخ جھنڈی دکھلانے سے ریل تھم جاتی ہے، یہ دیکھ کر وہ ان جھنڈیوں ہی کو ڈنڈوت کرنے لگے اور سمجھے کہ یہ جھنڈیاں ہی طاقت کی مالک ہیں کہ اتنی بڑی تیز رفتار پہاڑ کی طری بوجھل گاڑی کو چلانا اور روکنا ان کا کام ہے، جس طرح دنیا اس دیہاتی پر ہنستی ہے کہ اس جاہل کو یہ خبر نہیں کہ جھنڈیاں محض علامت ہیں اور کام درحقیقت ڈرائیور کا ہے کہ وہ ریل کو چلاتا ہے اور روکتا ہے، بلکہ اس کا بھی نہیں مشین کے کل پرزوں کا ہے اور جس نے ذرا نگاہ کو اور گہرا کر لیا تو اسے یہ نظر آجاتا ہے کہ درحقیقت اس کا چلانا نہ ڈرائیور کا کام ہے، نہ انجن کے کل پرزوں کا، بلکہ اصل طاقت اس اسٹیم کی ہے، جو انجن کے اندر پیدا ہو رہی ہے۔ اسی طرح ایک موحد انسان ان سب عقلمندوں پر ہنستا ہے کہ حقیقت کو تم نے بھی نہیں پایا، فکر ونظر کی منزل ابھی اور آگے ہے، ذرا نگاہ کو تیز کرو اور غور سے کام لو تو معلوم ہوگا کہ اسٹیم اور آگ و پانی بھی کچھ نہیں، طاقت وقوت صرف اسی ذات کی ہے جس نے آگ اور پانی پیدا کئے ہیں اور جس کی مشیت وامر کے ماتحت یہ سب چیزیں اپنی ڈیوٹی ادا کر رہی ہیں ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مـــردہ، باحق زندہ اند

''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ'' اس جملہ میں لفظ ''لَعَلَّ'' استعمال فرمایا ہے، جو رجاء یعنی امید کے معنیٰ میں آتا ہے اور ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے جہاں کسی فعل کا وقوع یقینی نہ ہو۔ ایمان و توحید کے نتیجہ میں نجات اور جنت کا حصول وعدۂ الٰہیہ کے مطابق یقینی ہے، مگر اس یقینی شئ کو امید و رجاء کے عنوان سے بیان کرنے میں حکمت یہ بتلانا ہے کہ انسان کا کوئی عمل اپنی ذات میں نجات و جنت کی قیمت نہیں بن سکتا، بلکہ فضل خداوندی اس کا اصل سبب ہے، ایمان و عمل کی توفیق ہونا اس فضل خداوندی کی علامت ہے، علت نہیں۔

عقیدۂ توحید جو اسلام کا سب سے پہلا بنیادی عقیدہ ہے، یہ صرف ایک نظریہ نہیں بلکہ انسان کو صحیح معنی میں انسان بنانے کا واحد ذریعہ ہے، جو انسان کی تمام مشکلات کا حل اور ہر حالت میں اس کے لیے پناہ گاہ اور ہر غم و فکر میں اس کا غم گسار ہے، کیوں کہ عقیدۂ توحید کا حاصل یہ ہے کہ عناصر کے کون و فساد اور ان کے سارے تغیرات صرف ایک ہستی کی مشیت کے تابع اور اس کی حکمت کے مظاہر ہیں۔

ہر تغیــر ہے غیــب کی آواز
ہر تجدد میں ہیں ہزاروں راز

اور ظاہر ہے کہ جب یہ عقیدہ کسی کے قلب و دماغ پر چھا جائے اور اس کا حال بن جائے تو یہ دنیا ہی اس کے لیے جنت بن جائے گی، سارے جھگڑے فساد اور ہر فساد کی بنیادیں ہی منہدم ہو جائیں گی، کیوں کہ اس کے سامنے یہ سبق ہوگا ؎

از خدا داں خلاف دشمن و دوست
کہ دل ہر دو در تصرف اوســت

اس عقیدہ کا مالک ساری دنیا سے بے نیاز ہر خوف و خطر سے بالاتر زندگی گزارتا ہے۔

کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' جو کلمہ توحید کہلاتا ہے اس کا یہی مفہوم ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ

توحید کا محض زبانی اقرار اس کے لیے کافی نہیں، بلکہ سچے دل سے اس کا یقین اور یقین کے ساتھ استحضار ضروری ہے کیوں کہ توحید خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن۔

(معارف القرآن از مفتی شفیع صاحب)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ (البقرۃ:۱۶۴)

(بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا، اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید رہتا ہے دلائل ہیں، ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔)

تشریح وتفسیر

مذکورہ تمام چیزیں حق تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال حکمت، اس کی وحدانیت اور رحمت پر مختلف طرح سے دلالت کرتی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) آسمانوں میں غور کیجیے کہ تمام آسمان حقیقت اور طبیعتِ جرمیّہ کے اعتبار سے ایک ہیں، مگر کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا۔ پھر کواکب اور نجوم، ثوابت اور سیارات، شمس و قمر، اور زہرہ، مریخ مشتری میں غور کیجیے۔ ہر ایک کی شان جدا، ہر ایک کا رنگ جدا، ہر ایک کی حرکت جدا، حرکت کی سمت اور جہت جدا، ہر ایک کا برج جدا، ہر ایک کا طلوع اور غروب جدا۔ اس عجیب نظام کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کارخانہ خود بخود تو چل نہیں رہا ہے، بلکہ کسی علیم و قدیر اور مدبر حکیم کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے، کہ وہ محض اپنے ارادہ اور

مشیت سے اس کارخانہ کو چلا رہا ہے، کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اور افلاک اور شمس و قمر کی حرکات سے منافع عالم کا مربوط ہونا یہ اس کی کمال رحمت کی دلیل ہے۔

(۲) علی ہذا زمین کی پیدائش بھی اس کی وحدانیت اور رحمت کی دلیل ہے، زمین کے قطعات کا مختلف اللون اور مختلف الخاصیات ہونا کہ کسی زمین سے گھاس پیدا اور کسی سے اناس، کسی سے بادام پیدا اور کسی سے آم۔ کسی زمین کے بسنے والے عاقل اور کسی جگہ کے بسنے والے ایسے کودن اور نادان کہ بعض چیزوں میں حیوان بھی ان سے بہتر نکلے۔ یہ اختلافات کہاں سے آئے اور کس طرح آئے، زمین کا مادہ اور طبیعت تو ایک ہی ہے، وہ کون ذات ہے کہ جس نے زمین کے ایک ٹکڑے کو شور اور بنجر بنایا اور دوسرے کو سبزہ زار اور مرغزار بنایا۔ یہ سب اسی علیم وقدیر کا کرشمہ ہے کہ جس کی قدرت اور حکمت کے سمجھنے سے تمام عالم قاصر اور عاجز ہے، یہ دلیل تو وحدانیت کی ہوئی۔

اور زمین رحمت خداوندی کی دلیل اس طرح سے ہے کہ تمام عالم کے بسنے والے اسی زمین پر چل کر اپنی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ اسی سے پیدا شدہ غذاؤں اور پھلوں اور نہروں سے نفع اٹھاتے ہیں اور تمام سونا اور چاندی وغیرہ وغیرہ سب اسی زمین میں اللہ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے۔ کانوں کا مختلف ہونا اس کی وحدانیت کی دلیل ہے اور ان کا نافع ومفید ہونا اس کی رحمت کی دلیل ہے۔ آسمان اور زمین علاحدہ علاحدہ بھی رحمت ہیں اور دونوں مل کر بھی رحمت ہیں۔ آسمان اور زمین کے اختلاط اور تقابل سے جو منافع اور فوائد پیدا ہوتے ہیں، ان کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔

(۳) اسی طرح لیل ونہار کا مختلف ہونا کہ کبھی دن ہے کبھی رات۔ کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی اور کبھی اس کا برعکس، کیا یہ سب خود بخود ہو رہا ہے یا کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہے، اگر دن نہ ہوتا اور فقط رات ہوتی تو تمام عالم مستمر اور دائم ظلمت اور تاریکی کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔ اور اگر رات نہ ہوتی فقط دن ہی دن ہوتا تو تمام عالم گرمی سے بلبلا اٹھتا اور کھیتیاں جل کر خاک ہو جاتیں اور اس راحت اور آرام سے کہ جو رات کی نیند سے اسے حاصل ہوتا ہے، تمام جہاں یک لخت

محروم ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ لیل ونہار کا اختلاف جس طرح اس کی وحدانیت کی دلیل ہے اسی طرح اس کی رحمانیت کی بھی دلیل ہے۔

(۴) علیٰ ہذا جہاز اور کشتی بھی اس کی قدرت اور رحمت کی دلیل ہے۔ ایک تولوہا یا تانبا ایک منٹ کے لیے پانی پر نہیں ٹھہرتا، مگر جہاز اور کشتی کہ جس میں ہزار من لوہا اور تانبا لدا ہوا ہوتا ہے ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہزارہا میل طے کر کے صحیح و سالم پہنچتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رحمانیت کی دلیل ہے۔

(۶،۵) علیٰ ہذا آسمان سے باران رحمت کا نازل ہونا اور زمین کا اس سے سرسبز اور شاداب ہو جانا اور قسم قسم کے اشجار اور نباتات اور فواکہ اور ثمرات کا اس سے پیدا ہونا اور علیٰ ہذا اس سے حیوانات کا ایسا مختلف اللون پیدا ہونا کہ ایک کی شکل اور صورت دوسرے کی شکل اور صورت سے نہ ملے، یہ بھی اس کی وحدانیت اور رحمانیت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ یہ اختلاف بے شمار فوائد اور منافع پر مشتمل ہے۔

حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے حیوانات دو قسم کے بنائے، ایک تو وہ جو بطریق توالد اور تناسل پیدا ہوتے ہیں، جیسے انسان اور اونٹ اور بیل اور بکری۔ دوسری قسم وہ ہے جو بطریق تولید پیدا ہوتے ہیں، جیسے ہزارہا حشرات الارض مٹی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہزارہا مچھر اور جھینگر برسات کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی صورت اور شکل الگ اور ہر ایک کا رنگ الگ، جس سے باہمی فرق اور امتیاز کا نفع اور فائدہ ہوتا ہے، اور یہ حق تعالیٰ کی عظیم رحمت اور مہربانی ہے، ورنہ اگر سب ایک رنگ اور ایک شکل کے ہوتے تو پہچاننا ممکن نہ تھا۔ اگر آدمی اور حیوانات باہم ممتاز نہ ہوتے تو کارخانۂ معاش معطل اور درہم برہم ہو جاتا۔ ایک انسان کے چہرہ میں غور کرو کہ آنکھ بھی ہے اور کان بھی، ناک بھی ہے اور زبان بھی، سر بھی ہے اور دماغ بھی، ایک عجیب وغریب تصویر ہے قویٰ عقلیہ اور حسیہ کا مجموعہ ہے اور خداوند ذوالجلال کی قدرت اور کمال کا بے مثال آئینہ ہے اور آنکھ اور زبان کے جو بے شمار فوائد اور منافع ہیں وہ اس رحمن اور رحیم کی رحمت کاملہ کے دلائل اور براہین ہیں۔ (معارف القرآن، از مولانا محمد ادریس صاحب)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان دلائل کی تقریر یوں فرماتے ہیں:

فائدہ(۱) اس استدلال عقلی کا مختصر طریق یہ ہے کہ یہ اشیاء مذکورہ سب ممکن الوجود ہیں۔ بعض تو بداہۃً بسبب مشاہدہ وجود بعد العدم یا تغیر وتبدل احوال کے اور بعض بدلیل ترکیب من الاجزاء یا افتقار بعض الی البعض کے اور ممکن بوجہ تساوی الوجود والعدم ہونے کے محتاج ہوتا ہے کسی مرجح کا، وہ مرجح اگر ممکن ہے تو اس میں پھر یہی کلام ہوگا، تو قطع تسلسل محال کے لیے انتہاء واجب ہے، کسی واجب الوجود کی طرف۔ یہ تو دلیل ہے وجود صانع کی۔ آگے رہا اس کا واحد ہونا سو اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ متعدد مثلا دو فرض کئے جاویں، تو ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے، یا دونوں کا قادر ہونا ضرور ہے۔ شق اول محال ہے کیوں کہ عجز منافی ہے وجوب وجود کے۔ اور شق ثانی پر اگر ان میں سے ایک نے کسی امر کا مثلا ایجاد زید کا ارادہ کیا، تو دوسرا اس کے خلاف کا ارادہ کرسکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں کرسکتا تو اس کا عجز لازم آوے گا، جو منافی وجوب وجود کے ہے۔ اور اگر کرسکتا ہے تو اس پر ترتب مراد کا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضرور نہیں تو تخلف مراد کا ارادہ قادر مطلق سے لازم آوے گا، جو کہ محال ہے۔ اور اگر ضروری ہے تو دو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آوے گا، کیوں کہ ایک واجب کے ارادہ پر ایک مراد مرتب ہوا، دوسرے واجب کے ارادہ پر دوسرا مراد، اس مراد اول کی ضد مرتب ہوا، تو اجتماع ضدین لازم آیا۔ اور وہ محال اور مستلزم محال کو محال ہے، تو تعدد واجب کا محال ہے، پس وحدت واجب ہے اور یہی مطلوب تھا۔ (بیان القرآن)

۳۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (آل عمران: ۵/۶)

(بیشک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمان میں۔ وہ ایسی ذات ہے کہ تمہاری صورت بناتا ہے، جس طرح چاہتا ہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے، وہ غلبہ والے ہیں، حکمت والے ہیں۔)

تشریح وتفسیر

پہلی آیت میں اللہ تعالی کے علم محیط کا بیان ہے جس سے کسی جہان کا کوئی ذرہ چھپا ہوا نہیں۔ جب کہ دوسری آیت میں اس کی قدرت کاملہ اور قادر مطلق ہونے کا بیان ہے ،کہ اس نے انسان کو بطن مادر کی تین اندھیریوں میں کیسی حکمت بالغہ کے ساتھ بنایا، اور ان کی صورتوں اور رنگوں میں وہ صنعت کاری فرمائی کہ اربوں انسانوں میں ایک کی صورت دوسرے سے ایسی نہیں ملتی کہ امتیاز نہ رہے۔ اس علم محیط اور قدرت کاملہ کا عقلی تقاضہ یہ ہے کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے ،اس کے سوا سب کے سب علم وقدرت میں یہ مقام نہیں رکھتے ،اس لیے وہ لائق عبادت نہیں۔(معارف:ش)

۴... ''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ'' (آل عمران:۱۹۰)

(بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں، اہل عقل کے لیے۔)

تشریح وتفسیر

آیت کریمہ پر غور وفکر کے سلسلے میں مندرجہ ذیل مسائل پر غور کرنا ضروری ہے:

پہلا یہ کہ ''خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْض '' سے کیا مراد ہے؟ ''خلق'' مصدر ہے، جس کے معنی ایجاد واختراع کے ہیں، معنی یہ ہوئے کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اللہ تعالی کی بڑی نشانیاں ہیں، اس لیے اس میں تمام وہ مخلوقات اور مصنوعات باری تعالی بھی داخل ہوجاتی ہیں، جو آسمان اور زمین کے اندر ہیں۔ پھر ان مخلوقات میں قسم قسم کی مخلوقات ہیں، جن میں ہر ایک کے خواص وکیفیات علاحدہ علاحدہ ہیں، اور ہر مخلوق اپنے خالق کی پوری نشان دہی کر رہی ہے، پھر اگر زیادہ غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ ''السمٰوات'' میں تمام رفعتیں داخل ہیں اور ''الارض'' میں تمام پستیاں داخل ہیں، سو جس طرح اللہ تعالی رفعتوں کا خالق ہے اسی طرح پستیوں کا بھی خالق ہے۔

دوسرا یہ کہ ''اخْتِلَافِ الَّیلِ وَالنَّهَارِ'' سے کیا مراد ہے؟ لفظ ''اختلاف'' اس جگہ

عربی کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے''اختلف فلان فلا نا''یعنی وہ شخص فلاں شخص کے بعد آیا، پس''اِخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ ''کے معنی یہ ہوئے کہ رات جاتی ہے اور دن آتا ہے اور دن جاتا ہے تو رات آتی ہے۔

اختلاف کے دوسر معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اختلاف سے زیادتی و کمی مراد لی جائے، سردیوں میں رات طویل ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے، اور گرمیوں میں اس کے برعکس ہوتا ہے، اسی طرح رات دن میں تفاوت ملکوں کے تفاوت سے بھی ہوتا ہے ، مثلا جوممالک قطب شمالی سے قریب ہیں ان میں دن زیادہ طویل ہوتا ہے، بہ نسبت ان شہروں کے جو قطب شمالی سے دور ہیں اور ان امور میں سے ہر ایک اللہ تعالی کی قدرت کاملہ پر روشن دلیل ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ لفظ''اٰیٰتٍ''کے کیا معنی ہیں؟''آیات''، آیۃ کی جمع ہے اور یہ لفظ چند معانی کے لیے بولا جاتا ہے، آیات، معجزات کو بھی کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اس کے تیسرے معنی دلیل اور نشانی کے بھی ہیں، یہاں پر یہی تیسرے معنی مراد ہیں، یعنی ان امور میں اللہ کی بڑی نشانیاں اور قدرت کے دلائل ہیں۔

چوتھا امر ''اُولِي الۡاَلۡبَابِ'' کے معنی سے متعلق ہے۔''اَلۡبَاب''لب کی جمع ہے، جس کے معنی مغز کے ہیں اور ہر چیز کا مغز اس کا خلاصہ ہوتا ہے، اور اسی سے اس کی خاصیت وفوائد معلوم ہوتے ہیں، اسی لیے انسانی عقل کو لب کہا گیا ہے، کیوں کہ عقل ہی انسان کا اصلی جوہر ہے،''اولوا الالباب''کے معنی ہیں عقل والے۔(معارف:ش)

قرآن کریم کی اصطلاح میں''اولوا الباب''(عاقل کامل) وہی لوگ ہیں جو مصنوعات اور مخلوقات میں غور وفکر کر کے خالق اور صانع کی صحیح معرفت تک پہنچ گئے اور خدا کی یاد اور آخرت کی فکر میں لگ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم کی طرف کوچ ہونا ہے، باقی جو مادہ پرست مخلوقات اور مصنوعات کی تحقیقات اور تدقیقات کے تاروں اور زنجیروں میں الجھ کر رہ گئے اور صانع برحق کی

معرفت تک ان کی رسائی نہیں ہوئی، خواہ دنیا ان کو کتنا بڑا محقق اور فلاسفر اور سائنس دان کہا کرے وہ قرآن کی زبان میں اولوا الباب، عاقل اور دانشمند نہیں، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں۔ شاہی محل میں بادشاہ کا مہمان بھی داخل ہوتا ہے اور چور بھی، مگر مہمان محل کے عجائب کو اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ بادشاہ کی شان وشوکت اور اس کے جاہ و جلال کا مظہر اور آئینہ ہیں اور چور شاہی محل کو نہایت غور سے اس لیے دیکھتا ہے تا کہ اس کے خزانے اور دفینے چرانے میں اس کو مدد ملے اور عمر بھر کی عیش وعشرت کا سامان اس کو مل جائے۔

پس خوب سمجھ لیجئے کہ کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی غور وفکر اور تحقیقات سارقانہ نظر کا حکم رکھتی ہے کہ اپنے فوائد اور منافع کے لیے تحقیق میں سرگرداں اور حیران ہیں، ان کو صانع اور خالق سے کوئی مطلب نہیں۔ اور اصحاب دانش وبینش کا حال ان کے برعکس ہے، وہ آسمان اور زمین اور دیگر مصنوعات الہیہ میں غور وفکر کرتے ہیں تا کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت تک پہنچ جائیں۔

الحاصل سائنس دانوں کا مقصد صرف مخلوقات کے فوائد اور منافع کا معلوم کرنا ہے تا کہ ان سے دل خواہ مستفید اور متمتع ہوسکیں، خالق سے ان کو کوئی سروکار نہیں، کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی نظر سارقانہ ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین کی نظر عاشقانہ، والہانہ، عاقلانہ اور دانشمندانہ ہے۔ (معارف: د)

۵۔۔۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② (الانعام: ۱/ ۲)

(تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے لائق ہیں، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں کو اور نور کو بنایا۔ پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر ایک وقت معین کیا اور دوسرا وقت معین خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے، پھر بھی تم شک رکھتے ہو۔)

تشریح وتفسیر

مقصود ان آیات کا توحید کی حقیقت اور اس کی واضح دلیل کو بیان فرما کر دنیا کی ان تمام قوموں کو تنبیہ کرنا ہے جو یا تو سرے سے توحید کی قائل نہیں، یا قائل ہونے کے با وجود توحید کی حقیقت کو چھوڑ بیٹھی ہیں۔

مجوس دنیا کے دو خالق مانتے ہیں: یزدان اور اہر من۔ یزدان کو خالق خیر اور اہر من کو خالق شر قرار دیتے ہیں اور انہی دونوں کو نور وظلمت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مشرک تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدا کا شریک بتاتے ہیں، آریہ سماج توحید کے قائل ہونے کے باوجود روح و مادہ کو قدیم اور خدا تعالی کی قدرت وخلقت سے آزاد قرار دے کر توحید کی حقیقت سے ہٹ گئے۔ اسی طرح نصاری توحید کے قائل ہو نے کے ساتھ حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا کا شریک وسہیم بنانے لگے اور پھر عقیدۂ توحید کو تھامنے کے لیے ان کو ایک تین اور تین ایک کا غیر معقول نظریہ اختیار کرنا پڑا اور عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ ہر پہاڑ کا ہر پتھر ان کے نزدیک نوعِ انسانی کا معبود بن سکتا تھا۔ غرض انسان جس کو اللہ تعالی نے مخدوم کائنات اور اشرف المخلوقات بنایا تھا، یہ جب راہ سے بھٹکا تو اس نے نہ صرف چاند، سورج، اور ستاروں کو بلکہ آگ، پانی اور درخت، پتھر یہاں تک کہ کیڑوں مکوڑوں کو اپنا مسجود و معبود اور حاجت روا، مشکل کشا بنالیا۔

قرآن کریم نے اس آیت میں اللہ تعالی کو آسمان وزمین کا خالق اور اندھیرے اُجالے کا بنانے والا بتلا کر ان سب غلط خیالات کی تردید کردی، کہ نور وظلمت اور آسمان و زمین اور ان میں پیدا ہونے والی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور بنائی ہوئی ہیں، تو پھر ان کو کیسے خدا کا شریک وسہیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلی آیت میں عالم کبیر یعنی پوری دنیا کی عظیم ترین چیزوں کو اللہ تعالی کی مخلوق و محتاج بتلا کر انسان کو صحیح عقیدۂ توحید کا سبق دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسری آیات میں انسان کو بتلایا ہے کہ تیرا وجود خود ایک عالم صغیر ہے۔ اگر اسی کی ابتداء وانتہاء اور بود و باش

پر نظر کرے تو عقیدۂ توحید ایک واضح حقیقت بن کر سامنے آجائے، اس میں ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ یعنی اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، کہ آدم علیہ السلام کو مٹی کے خمیر سے پیدا فرما کر ان میں جان ڈال دی اور عام انسانوں کی غذا مٹی سے نکلتی ہے، غذا سے نطفہ، اور نطفہ سے انسان کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کی ایک خاص مقدار سے پیدا فرمایا، جس میں پوری زمین کے اجزاء شامل کئے گئے، یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم، رنگ وروپ اور اخلاق وعادات میں مختلف ہیں، کوئی کالا، کوئی گورا، کوئی سرخ، کوئی سخت، کوئی نرم، کوئی پاکیزہ خصلت، کوئی خبیث الطبع ہوتا ہے۔ (مظہری بروایت ابن عدی بسند حسن)

یہ تو انسان کی ابتدائے آفرینش کا ذکر تھا، اس کے بعد انتہا کی دو منزلوں کا ذکر ہے، ایک انسان کی شخصی انتہا، جس کو موت کہا جاتا ہے، دوسری پوری نوع انسانی اور اس کے کائناتی خوادم سب کے مجموعہ کی انتہا، جس کو قیامت کہا جاتا ہے۔ انسان کی شخصی انتہا کے لیے فرمایا ”ثُمَّ قَضٰى أَجَلاً“، یعنی انسان کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی بقاء وحیات کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی، اس میعاد پر پہنچنے کا نام موت ہے، جس کو اگرچہ انسان نہیں جانتا مگر اللہ کے فرشتے جانتے ہیں، بلکہ خود انسان بھی اس حیثیت سے اپنی موت کو جانتا ہے کہ ہر وقت ہر جگہ اپنے گرد وپیش میں اولاد آدم کو مرتے دیکھتا ہے۔

اس کے بعد پورے عالم کی انتہاء یعنی قیامت کا ذکر اس طرح فرمایا ”وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِندَه“، یعنی ایک اور میعاد مقرر ہے، جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کی میعاد کا پورا علم نہ کسی فرشتہ کو ہے، نہ کسی انسان کو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پہلی آیت میں عالم اکبر یعنی پوری دنیا کا حال یہ بتلایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اور بنائی ہوئی ہے اور دوسری آیت میں اسی طرح عالم اصغر یعنی انسان کا مخلوق خداوندی ہونا بیان فرمایا، پھر انسان کو غفلت سے چونکانے کے لیے

یہ بتلایا کہ ہر انسان کی ایک خاص عمر ہے، جس کے بعد اس کی موت یقینی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کا مشاہدہ ہر انسان کو اپنے گرد وپیش میں ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔

''وَأَجَلٌ مُسَمًّى عِنْدَهُ'' میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ انسان کی شخصی موت سے پورے عالم کی عمومی موت یعنی قیامت پر استدلال ایک فکری اور طبعی امر ہے۔ اس لیے قیامت کے آنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اسی لیے آخرِ آیت میں بطور استبعاد کے فرمایا ''ثُمَّ أَنتُمْ تَمْتَرُونَ'' یعنی ایسے واضح دلائل کے باوجود تم قیامت کے بارے میں شبہات وشکوک نکالتے ہو۔ (معارف: ش)

۶... وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ (الانعام:۳۸)

(اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں، ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں، ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جاویں گے۔)

تشریح وتفسیر

اس آیت میں بعض حکمتوں پر متنبہ کیا گیا ہے جو فرمائشی نشانات نہ دکھلائے جانے میں مرعی ہیں۔ یعنی تمام حیوانات خواہ زمین پر رینگتے ہوں یا ہوا میں اڑتے ہوں، وہ بھی انسانوں کی طرح ایک امت ہیں، ان میں سے ہر نوع کو حق تعالیٰ نے ایک خاص وضع اور فطرت پر پیدا کیا، جو ان کے معین خواص وافعال کے دائرہ میں کام کرتی ہے۔ کوئی جانور اپنے افعال وحرکات کے محدود حلقہ سے جو قدرت نے باعتبار اس کی فطرت واستعداد کے مشخص کر دیے ہیں، ایک قدم باہر نہیں نکال سکتا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی حیوان نے اپنی نوع کے محدود دائرۂ عمل میں کسی طرح کی ترقی نہیں کی۔ اسی طرح ہر چیز کی استعداد وفطرت کو خیال کر لیجئے حق تعالیٰ کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں تمام انواع واجناس کی تدبیر وتربیت کے اصول وفروع منضبط ہیں۔ کوئی چیز نہ اس زندگی

میں اور نہ مرنے کے بعد اس مکمل انضباط وانتظام سے باہر جاسکتی ہے۔ انسان جنس حیوان میں ''بااختیار اور ترقی کن'' حیوان ہے، اسی کسب واختیار اور ترقی کن عقل وتمیز کی موجودگی نے اس کے ''نظام تکوینی اور قانون حیات'' کو دوسرے تمام حیوان سے ایسا اعلیٰ اور ممتاز بنادیا ہے کہ اب اُسے حیوان کہتے بھی شرم آتی ہے۔ وہ برخلاف باقی حیوانات کے دیکھنے سننے اور پوچھنے سے نئی نئی معلومات حاصل کرتا اور قوۃ فکریہ سے ان کو ترتیب دے کر ''حیات جدید'' کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے۔ وہ نیک وبد میں تمیز کرنے، نافع وضار کے پہچاننے، آغاز وانجام سمجھنے پر قادر اور کسی عمل کے کرنے یا چھوڑنے میں فی الجملہ آزاد ہے۔ اسی لیے اس کو خدا کی جانب سے ایسے نشانات دکھلائے جاتے ہیں، جن میں غور وفکر کرنے کا موقع مل سکے اور فکر وکسب کی فطری آزادی کو سلب کرنے والے نہ ہوں۔ اور اگر وہ خدا کے دیے ہوئے قوائے عقلیہ سے ٹھیک طور پر ان میں غور کرے، تو اسے حق وباطل اور نیک وبد کی تمیز کرنے میں کچھ دقت نہ ہو۔ پس ایسے فرمائشی نشانات ومعجزات کی درخواست کرنا جو بہمہ وجوہ ایمان لانے پر مجبور کردیں، انسان کی فطری آزادی اور اس کے نظام ترکیبی کو تباہ کرنے بلکہ انسان کو عام حیوانات کی صف میں اُتار لانے کا مرادف ہے۔ اور اگر فرمائشی نشان بہمہ وجوہ مجبور کن نہ ہوں تو ان کو دکھلانا بیکار ہے۔ کیوں کہ ان میں بھی وہی غیر ناشی عن دلیل شکوک وشبہات پیدا کرلیے جائیں گے، جو ہزاروں غیر فرمائشی نشانات میں کئے جاچکے۔ (فوائد عثمانی)

۷۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا

نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ الزَّيۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّ غَيۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ يَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكُمۡ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾ (الانعام:۹۵ تا ۹۹)

(بیشک اللہ تعالی پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو۔ وہ جان دار کو بے جان سے نکال لاتا ہے اور بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے۔ اللہ یہ ہے، سوتم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔ وہ صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنائی اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔ یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے، بڑے علم والا ہے اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا تا کہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو۔ بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی۔ بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نبات کو نکالا، پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھے میں سے خوشے نکلتے ہیں جو نیچے کو لٹکے جاتے ہیں۔ اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو۔ ان میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔)

تشریح وتفسیر

مذکورہ آیات میں حق تعالی نے غافل انسان (کفار ومشرکین کی اسلام کے تعلق سے ہٹ دھرمی اور حقائق ونتائج سے غفلت) کے روگ کا علاج اس طرح فرمایا ہے کہ اپنے وسیع علم اور عظیم قدرت کے چند نمونے اور انسان پر اپنے انعامات واحسانات کا ایک سلسلہ ذکر فرمایا، جن میں ادنی غور کرنے سے ہر سلیم الفطرت انسان خالق کائنات کی عظمت اور بے مثال قدرت کا اور اس بات کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عظیم

الشان کارنامے ساری کائنات میں سوائے خدا تعالی کے کسی کی قدرت میں نہیں۔

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ'' یعنی اللہ تعالی پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو، اس میں قدرت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ بتلایا گیا ہے کہ خشک دانہ اور خشک گٹھلی کو پھاڑ کر اس کے اندر سے ہرا بھرا درخت نکال دینا صرف اسی ذات پاک کا فعل ہے، جو خالق کائنات ہے، انسان کے سعی وعمل کو اس میں دخل نہیں۔ کاشتکار کی ساری کوششوں کا حاصل اس سے زائد نہیں ہوتا کہ دانہ اور گٹھلی کے اندر سے جو نازک کونپل قدرت خداوندی نے نکالی ہے، اس کی راہ سے موانع اور مضر چیزوں کو دور کردے۔

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا: ''يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ'' یعنی اللہ تعالی ہی بے جان چیزوں میں سے جان دار چیزوں کو پیدا کرتا ہے، بے جان سے مراد نطفہ یا انڈا ہے، جن سے انسان اور حیوانات کی تخلیق ہوتی ہے، اسی طرح جان داروں سے بے جان چیزیں نکال دیتا ہے، بے جان چیزوں سے مراد وہی نطفہ اور انڈا ہے کہ وہ جاندار چیزوں سے نکلتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾'' یعنی یہ سب کام صرف ایک اللہ تعالی کے کئے اور بنائے ہوئے ہیں، پھر یہ جانتے بوجھتے ہوئے تم کس طرف بہکے چلے جارہے ہو کہ خود تراشیدہ بتوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا معبود کہنے لگے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے ''فَالِقُ الإِصْبَاحِ''۔ ''فالق'' کے معنی پھاڑنے والا اور ''اصباح'' کے معنی یہاں صبح کے ہیں، ''فَالِقُ الإِصْبَاحِ'' کے معنی ہیں پھاڑنے والا صبح کا، یعنی گہری اندھیری کی چادر کو پھاڑ کر صبح کا نکالنے والا۔ یہ بھی ان افعال واعمال میں سے ہے جس میں جن وبشر اور ساری کائنات کی قوتیں ہیچ ہیں، اور ہر آنکھوں والا دیکھ کر یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ رات کی اندھیری کے بعد صبح کا اجالا پیدا کرنے والا نہ کوئی انسان ہوسکتا ہے نہ فرشتہ، نہ کوئی دوسری مخلوق، بلکہ صرف اس مافوق الادراک ہستی کا کام ہے، جو سارے جہاں کی پیدا کرنے والی ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا ’’وَ جَعَلَ اللَّیلَ سَکَناً ‘‘ لفظ ’’سَکَنَ ‘‘ سکون سے مشتق ہے، ہر ایسی چیز کو ’’سَکَنْ ‘‘ کہا جاتا ہے، جس پر پہنچ کر انسان کو سکون واطمینان اور راحت حاصل ہو، اسی لیے انسان کے رہنے کے گھر کو قرآن میں ’’سَکَنْ ‘‘ فرمایا ہے ’’جَعَلَ لَکُمْ مِنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَناً ‘‘ ، کیوں کہ انسان کا گھر خواہ ایک جھونپڑی ہی ہو، وہاں پہنچ کر انسان کو عادۃً سکون وراحت حاصل ہوتی ہے، اس لیے معنی اس جملہ کے معنی یہ ہو گئے کہ اللہ تعالی نے رات کو ہر جان دار کے لیے سکون وراحت کی چیز بنائی ہے، ’’فَالِقُ الإِصْبَاحِ ‘‘ میں ان نعمتوں کا ذکر تھا جو انسان دن کے اجالے سے حاصل کرتا ہے، رات کی تاریکی میں نہیں ہو سکتی، اس کے بعد ’’جَعَلَ اللَّیلَ سَکَناً ‘‘ فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ جس طرح دن کا اجالا ایک عظیم نعمت ہے، کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے سب کاروبار کرتا ہے، اسی طرح رات کی تاریکی کو بھی برا نہ جانو، وہ بھی ایک بڑی نعمت ہے، کہ اس میں دن بھر کا تھکا ماندہ انسان آرام کر کے اس قابل ہو جاتا ہے کہ آئندہ کل میں پھر نشاط اور چستی کے ساتھ کام کر سکے، ورنہ انسانی فطرت مسلسل محنت کو برداشت نہیں کر سکتی۔

رات کی تاریکی کو راحت کے لیے متعین کر دینا ایک مستقل نعمت اور اللہ تعالی کی قدرت قاہرہ کا ایک خاص مظہر ہے۔ مگر یہ نعمت روزانہ بے مانگے مل جاتی ہے، اس لیے انسان کا دھیان بھی کبھی نہیں جاتا کہ یہ کتنا بڑا احسان وانعام ہے، غور کیجئے کہ اگر ہر شخص اپنے اختیار وارادہ سے اپنے آرام کا وقت معین کرتا تو کوئی صبح کو آٹھ بجے سونے کا ارادہ کرتا، کوئی بارہ بجے، کوئی چار بجے اور کوئی رات کے مختلف حصوں میں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی بھی ایسا گھنٹہ نہ آتا، جس میں انسانی کاروبار، محنت مزدوری، کارخانے اور فیکٹریاں نہ چل رہی ہوتیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ سونے والوں کے آرام میں بھی خلل آتا اور کام کرنے والوں کے کام میں بھی، سونے والوں کے آرام میں کام کرنے والوں کے شور وشغب اور کھڑکے اور دھماکے مخل ہوتے اور کام کرنے والوں کے کام میں ان لوگوں کی غیر حاضری مخل ہوتی، جو اس وقت سو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سونے والوں کے بہت سے وہ کام رہ جاتے جو ان کے سونے

کے وقت میں ہی ہو سکتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کی قدرت قاہرہ نے نہ صرف انسان پر بلکہ ہر جان دار پر رات کے وقت نیند کا غلبہ ایسا مسلط کر دیا کہ وہ کام چھوڑ کر سو جانے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ شام ہوتے ہی ہر پرندہ، درندہ اور چوپائے اپنے اپنے مستقر اور گھر کا رخ کرتے ہیں، ہر انسان جبری طور پر کام چھوڑ کر آرام کرنے کی فکر میں لگتا ہے، پوری دنیا میں ایک سناٹا چھا جاتا ہے، رات کی تاریکی نیند اور آرام میں معین ومددگار ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ عادۃً زیادہ روشنی میں نیند نہیں آتی۔

غور کیجئے کہ اگر ساری دنیا کی حکومتیں اور عوام مل کر بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعہ سونے کا کوئی ایک وقت مقرر کرنا چاہتے تو اولاً اس میں دشواریاں کتنی ہوتیں، ثانیاً اگر سارے انسان کسی معاہدہ کے پابند ہو کر ایک معین وقت سویا کرتے تو جانوروں کو اس معاہدہ کا پابند کون بناتا اور وہ کھلے پھرتے، تو سونے والے انسانوں اور ان کے سامانوں کا کیا حشر ہوتا۔ یہ اللہ جل شانہٗ ہی کی قدرت قاہرہ ہے جس نے جبری طور پر ہر انسان اور ہر جان دار پر ایک معین وقت میں نیند مسلط کر کے ان کو بین الاقوامی معاہدوں کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

ارشاد فرمایا ''وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ''۔ ''حُسْبَانٌ'' بالضم مصدر ہے، حساب کرنے اور شمار کرنے کے معنی میں آتا ہے، معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالی نے آفتاب و ماہتاب کے طلوع وغروب اور ان کی رفتار کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے، جس کے ذریعہ انسان سالوں، مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کا بلکہ منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب لگا سکتا ہے۔

یہ اللہ جل شانہٗ ہی کی قدرت قاہرہ کا عمل ہے کہ ان عظیم الشان نورانی کُروں اور ان کی حرکات کو ایسے مستحکم اور مضبوط انداز سے رکھا ہے کہ ہزاروں سال گزر جانے پر بھی ان میں کبھی ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان کی مشینری کو نہ کسی ورکشاپ کی ضرورت پڑتی ہے، نہ پرزے گھسنے اور بدلنے سے کوئی سابقہ پڑتا ہے، یہ دونوں نور کے کُرے اپنے اپنے دائرہ میں ایک معین رفتار کے ساتھ چل رہے ہیں، ''لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ''۔ ہزاروں سال میں بھی ان کی

رفتار میں ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، افسوس کہ قدرت کے اس مستحکم اور غیر متبدل نظام ہی سے انسان دھوکا کھا گیا کہ انہی چیزوں کو مستقل بالذات، بلکہ معبود ومقصود بنا بیٹھا، اگر ان کا یہ نظام کبھی کبھی ٹوٹا کرتا، ان کی مشینری درست کرنے کے لیے کچھ دنوں یا گھنٹوں کے وقفے ہوا کرتے تو انسان سمجھ لیتا کہ یہ مشین خود بخود نہیں چل رہی، بلکہ اس کا کوئی چلانے والا ہے اور بنانے والا ہے، مگر ''اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی'' ان کُروں کے غیر متبدل اور مستحکم نظام نے انسان کی نظروں کو خیرہ کر دیا اور اپنی طرف لگا لیا، یہاں تک کہ وہ اس کو بھول بیٹھا کہ ؂

کوئی محبوب ہے اس پردۂ زنگاری میں

آسمانی کتابیں اور انبیاء ورسل اس کو حقیقت سے آگاہ کرنے ہی کے لیے نازل ہوئے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ سالوں اور مہینوں کا حساب شمسی بھی ہوسکتا ہے اور قمری بھی، دونوں ہی اللہ جل شانہٗ کے انعامات ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ عام ان پڑھ دنیا کی سہولت اور ان کو حساب کتاب کی الجھن سے بچانے کے لیے اسلامی احکام میں قمری سن وسال استعمال کئے گئے، اور چوں کہ اسلامی تاریخ اور اسلامی احکام سب کا مدار قمری حساب پر ہے، اس لیے امت پر فرض ہے کہ وہ حساب کو قائم اور باقی رکھے، دوسرے حسابات شمسی وغیرہ نظر انداز اور محو کر دینا گناہِ عظیم ہے، جس سے انسان کو یہ بھی خبر نہ رہے کہ رمضان کب آئے گا اور ذی الحجہ اور محرم کب۔

آخر آیت میں فرمایا ''ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝'' یعنی یہ حیرت انگیز مستحکم نظام حرکات جس میں کبھی ایک منٹ اور سیکنڈ کا فرق نہ آئے، یہ اسی ذات پاک کی قدرت کا کرشمہ ہوسکتا ہے، جو عزیز یعنی ہر چیز پر ''غالب'' اور قوی بھی ہے، اور ''علیم'' یعنی ہر چیز اور ہر کام کے جاننے والی بھی۔

تیسری آیت میں ارشاد ہے ''وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ'' یعنی آفتاب وماہتاب کے علاوہ دوسرے ستارے بھی اللہ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ کے خاص مظاہر ہیں، اور ان کے پیدا کرنے میں ہزاروں حکمتوں

میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے بحری اور برّی سفروں میں جہاں رات کی تاریکی کے وقت سمتوں کا پتہ لگانا بھی آسان نہیں رہتا، ان ستاروں کے ذریعہ اپنے راستے معین کرسکتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ آج اس مشینری کے زمانہ میں بھی انسان ستاروں کی ہدایت سے بے نیاز نہیں ہے۔

اس آیت میں بھی انسان کی اس غفلت اور کوتاہ نظری پر تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ ستارے بھی کسی بنانے والے اور چلانے والے کے تابع فرمان چل رہے ہیں، نہ اپنے وجود میں مستقل ہیں نہ اپنی بقاء وعمل میں، جو لوگ صرف انہی پر اپنی نظریں جما کر بیٹھے رہے اور ان کے بنانے والے کی طرف نظر نہ کی وہ سخت کوتاہ اور فریب خوردہ ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ''قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٩٧ ''یعنی ہم نے دلائل قدرت خوب کھول کھول کر بیان کردئے، ان لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں۔ اس میں اشارہ فرمادیا کہ جو لوگ ان کھلی کھلی نشانیوں سے بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے وہ بے خبر اور بے ہوش ہیں۔

چوتھی آیت میں ارشاد ہے ''وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ۭ''۔ ''مستقر'' قرار سے بنا ہے، اس جگہ کو مستقر کہتے ہیں جو کسی چیز کے لیے جائے قرار ہو، اور ''مستودع'' ودیعت سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی کے پاس عارضی طور سے چند روز رکھ دینے کے، تو ''مستودع'' اس جگہ کو کہا جائے گا جہاں کوئی چیز عارضی طور پر چند روز رکھی جائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات پاک ہے، جس نے انسان کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا، پھر اس کے لیے ایک مستقر یعنی مدت تک رہنے کی جگہ بنادی اور ایک مستودع یعنی چند روز رہنے کی جگہ۔

قرآن کریم کے الفاظ تو یہی ہیں، ان کی تعبیر وتفسیر میں بہت سے احتمال ہیں، اسی لیے علمائے تفسیر کے اقوال اس میں مختلف ہیں، کسی نے فرمایا مستودع ماں کا پیٹ، اور مستقر یہ دنیا ہے۔ کسی نے فرمایا مستودع قبر ہے اور مستقر دار آخرت، اور بھی متعدد

اقوال ہیں اور الفاظ قرآنی میں سب کی گنجائش ہے۔حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اس کو ترجیح دی کہ مستقر دارآخرت کا مقام جنت یا دوزخ ہے، اور انسان کی ابتدائے آفرینش سے آخرت تک جتنے مراحل اور درجات ہیں وہ سب مستودع یعنی چندروزہ قیام کی جگہ ہیں۔خواہ شکم مادر ہو یا زمین پر رہنے سہنے کی جگہ یا قبر وبرزخ۔قرآن کریم کی ایک آیت سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، جس میں فرمایا ''لَتَرْ كَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ ''یعنی تم ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ہمیشہ چڑھتے رہو گے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ دارآخرت سے پہلے پہلے انسان اپنی پوری زندگی میں ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے، جو ظاہری سکون وقرار کے وقت بھی درحقیقت سفرعمر کے منازل طے کررہا ہے ؎

مسافر ہوں کہاں جانا ہے، ناواقف ہوں منزل سے
ازل سے پھرتے پھرتے گور تک پہنچا ہوں مشکل سے

اس آخری آیت میں ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مخلوقات کی نیرنگیوں میں مشغول ہوکر اپنے اصلی مستقر اور خدا وآخرت سے غافل ہوجانے والے کی آنکھیں کھول دی گئی ہیں، تاکہ وہ حقیقت کو پہچانے اور دنیا کے دھوکہ وفریب سے نجات پائے۔(معارف:ش)

۸...وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (الاعراف:۵۷)

(اور وہ ایسا ہے کہ اپنے باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں۔یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں۔پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کرینگے، تاکہ تم سمجھو۔)

تشریح وتفسیر

آیت کریمہ میں اللہ رب العزت کی بعض ان نعمتوں کا ذکر ہے جن پر انسان اور

زمین کی کل مخلوقات کی حیات وبقاء کا مدار ہے، مثلا بارش اور اس سے پیدا ہونے والے درخت اور کھیتیاں، ترکاریاں وغیرہ۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکال کر بتلایا گیا کہ جو ذات پاک مردہ زمین میں نشونما کی زندگی عطا فرمادیتی ہے، اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ جو انسان پہلے سے زندہ تھے پھر مر گئے، ان میں دوبارہ زندگی پیدا فرمادے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے مردہ انسان اور مردہ زمین کا زندہ کرنا سب یکساں ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

''وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ۭ''۔ ''الرِّيَاحَ'' ریح کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ہوا، اور ''بُشْراً'' کے معنی بشارت اور خوش خبری، اور ''رَحْمَت'' سے مراد باران رحمت ہے، یعنی اللہ تعالی ہی ہے جو بھیجتا ہے باران رحمت سے پہلے ہوائیں، خوش خبری دینے کے لیے۔

مطلب یہ ہے کہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ بارش سے پہلے ایسی ٹھنڈی ہوائیں بھیجتے ہیں جن سے خود بھی انسان کو راحت وبشاشت ہوتی ہے اور گویا آنے والی بارش کی خبر بھی پہلے دے دیتی ہیں، اس لیے یہ ہوائیں دو نعمتوں کا مجموعہ ہیں۔ خود بھی انسان اور عام مخلوقات کے لیے نافع ومفید ہیں، اور بارش کے آنے سے پہلے بارش کی خبر بھی دے دیتی ہیں، کیوں کہ انسان ایک لطیف اور نازک مخلوق ہے کہ اس کی بہت سی ضروریات بارش کی وجہ سے بند ہوجاتی ہیں۔ جب بارش کی اطلاع کچھ پہلے مل جائے تو وہ اپنا انتظام کرلیتا ہے، اس کے علاوہ خود اس کا وجود اور اس کا سامان بارش کا متحمل نہیں، وہ بارش کے آثار دیکھ کر اپنے سامان اور اپنی جان کی حفاظت کا سامان کرلیتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا'' حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا ''۔ ''سَحاب'' کے معنی بادل اور ''ثِقَال'' ثقیل کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں بھاری، یعنی جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں، بھاری بادلوں سے مراد پانی بھرے ہوئے بادل ہیں، جو ہوا کے کاندھوں پر سوار ہوکر اوپر جاتے ہیں اور اس طرح یہ ہزاروں من کا وزنی پانی ہوا پر سوار ہوکر اوپر پہنچ جاتا ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ نہ اس میں کوئی مشین کام

کرتی ہے نہ کوئی انسان اس میں محنت کرتا ہے۔ جب اللہ تعالی کا حکم ہو جاتا ہے تو خود بخود دریا سے بخارات (مان سون) اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں اور اوپر جا کر بادل بنتا ہے اور یہ ہزاروں بلکہ لاکھوں گیلن پانی سے بھرا جہاز خود بخود ہوا کے دوش پر سوار ہو کر آسمان کی طرف چڑھتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ''سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ''، ''سوق'' کے معنی کسی جانور کو ہانکنے اور چلانے کے ہیں اور ''بلد'' کے معنی شہر اور بستی کے ہیں ''میت'' کے معنی مردہ۔

معنی یہ ہیں کہ ''جب ہواؤں نے بھاری بادلوں کو اٹھالیا تو ہم نے ان بادلوں کو ہانک دیا ایک مرے ہوئے شہر کی طرف'' مرے ہوئے شہر سے مراد وہ بستی ہے جو پانی نہ ہونے کے سبب ویران ہو رہی ہے، اور اس جگہ بجائے عام زمین کے خصوصیت سے شہر اور بستی کا ذکر کرنا، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اصل مقصد برق و باراں اور ان سے زمین کی سیرابی کا انسان کی ضروریات مہیا کرنا ہے، جس کا مسکن شہر ہے، ورنہ جنگل کی سر سبزی خود کوئی مقصد نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا ''فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ'' یعنی ہم نے اس مردہ شہر میں پانی سے ہر قسم کے پھل پھول نکالے۔ آخر میں ارشاد فرمایا ''كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞'' یعنی ہم اسی طرح نکالیں گے مردوں کو قیامت کے روز، شاید تم سمجھو۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے درخت اور پھل پھول نکالے، اسی طرح بروز قیامت مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے نکال کھڑا کریں گے اور یہ مثالیں ہم نے اس لیے بیان کی ہیں کہ تمہیں سوچنے اور غور کرنے کا موقع ملے۔

بروایت حضرت ابو ہریرہؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلے صور پر تمام عالم فنا ہو جائے گا، کوئی چیز زندہ باقی نہ رہے گی اور دوسرے صور پر پھر از سر نو نیا عالم پیدا ہو گا، اور سب مردے زندہ ہو جائیں گے۔ حدیث مذکور میں ہے کہ ان دونوں مرتبہ کے صور کے درمیان چالیس سال

کا فاصلہ ہوگا اور ان چالیس سال میں مسلسل بارش ہوتی رہے گی۔ اسی عرصہ میں ہر مردہ انسان اور جانور کے اجزاءِ بدن اس کے ساتھ جمع ہو کر کے ہر ایک کا مکمل ڈھانچہ بن جائے گا اور پھر دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے وقت ان لاشوں کے اندر روح آ جائے گی اور زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اس روایت کا اکثر حصہ بخاری و مسلم میں موجود ہے، بعض اجزاء ابن ابی داؤد کی کتاب البعث سے لیے گئے ہیں۔ (ایضاً)

۹... هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۞ (یونس:۶/۵)

(وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ تعالی نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں، وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو ڈر مانتے ہیں۔)

تشریح و تفسیر

ان آیات میں دلائل قدرت کو بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ان عجائب قدرت میں ذرا غور کرے گا تو سمجھ جائے گا کہ اس کارخانۂ عالم کا کوئی صانع اور کاریگر ضرور ہے، جس کی قدرت وحکمت کا اندازہ حیطۂ عقل سے باہر ہے، نیز یہ امور علاوہ دلائل قدرت کے اس کی بے مثال نعمتیں بھی ہیں، جن میں غور کرنے سے صانع کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کی محبت بھی حاصل ہوتی ہے اور دل اس صانع کی عظمت اور جلال سے پر ہو جاتا ہے، کیوں کہ شمس وقمر کی روشنی اس کی عظیم نعمت بھی ہے اور اس کی عظیم قدرت کی دلیل بھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (وہ اللہ وہی ہے) جس کی الوہیت اور ربوبیت اور قدرت کے دلائل تم سن چکے ہو۔ مزید برآں یہ کہ (جس نے سورج کو جگمگاتا ہوا بنایا اور

چاند کو روشن اور اجالا بنایا اور چاند کی چال کے لیے منزلیں مقرر کیں) **کما قال تعالی** ''وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝۳۹'' تاکہ تم ان اجرام کے ذریعے (برسوں کا شمار) اور مہینوں اور دنوں (اور ساعات کا حساب معلوم کرو۔) یعنی تاکہ تم کو ماہ وسال کا گزرنا معلوم ہو، کیوں کہ شریعت میں ماہ وسال کا مدار قمری حساب پر ہے نہ کہ شمسی حساب پر۔ غرض یہ کہ شمس وقمر کا یہ تفاوت اس کی قدرت کی نشانی ہے، حالاں کہ ان اجرام سماویہ کا اصل مادہ ایک ہے اور نفس مادہ ان خصوصیات اور امتیازات کو مقتضی نہیں، اس لیے کہ مادہ میں نہ ادراکِ شعور ہے اور نہ اس میں ارادہ اور اختیار ہے اور نہ اس میں تدبیر اور تصرف ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان خصوصیات کا فاعل مادہ نہیں، بلکہ ان کا فاعل وہ ذاتِ اقدس ہے جو کمالِ علم اور کمالِ قدرت اور کمالِ حکمت کے ساتھ موصوف ہے۔ (نہیں پیدا کیا اللہ نے ان سب چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے لیے) یعنی اللہ تعالی نے ان چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا، بلکہ ان کے پیدا کرنے سے مقصود اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کا اظہار ہے۔ (اللہ تعالی یہ دلائلِ قدرت جاننے والوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے) تاکہ اہل علم ان سے اللہ کی وحدانیت پر استدلال کریں۔ (تحقیق رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں) اور ظلمت اور نور کی کمی زیادتی میں اور ان (قسم قسم کی چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں، البتہ نشانیاں ہیں) جو موجود صانع اور اس کی وحدانیت اور کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی ہیں (اس گروہ کے لیے جو) بُرے انجام سے اور حشر کی رسوائی سے (ڈرتے ہیں) جن کو آخرت کا اندیشہ اور ڈر لگا ہوا ہے، وہی ہماری نشانیوں میں غور وفکر کرتے ہیں اور جو لوگ دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہیں وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں جس کا ذکر آئندہ آیت میں آ رہا ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ شمس وقمر، اول لیل ونہار کے احوال اثبات مبداء ومعاد پر دال ہیں، پھر جو شخص اس عجیب وغریب نظام عالم پر نظر ڈالے گا وہ ایک قادر حکیم کی ہستی کا سراغ لگائے گا اور

سمجھ جائے گا کہ یہ عجیب وغریب اختلاف اور قسم قسم کے تغیرات کسی بے شعور مادہ کے رہین منت نہیں اور نہ یہ حکیمانہ نظام کسی بخت واتفاق کا نتیجہ ہے، اوران اختلافات اور تغیرات میں خدا کی قدرت اوراس کی وحدانیت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو برے انجام سے ڈرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو عقل اور قدرت عطا کی ہیں کہ عقل سے حق اور باطل کا فرق پہچانیں اور خداداد طاقت سے اعمال خیر بجالائیں اور سمجھیں کہ اللہ تعالی نے ہم کو جانوروں کی طرح بے قید نہیں بنایا ہے، یہ دنیا دارالعمل ہے اس دارالعمل سے گزرنے کے بعد ایک دارالجزاء کا آنا ضروری ہے تاکہ خیر وشر پر جزاء و سزاء مرتب ہو سکے۔ اور آج کل سائنس دان جو سرے سے خدا تعالی کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا کارخانہ اوراس کے تمام کام مادۂ قدیمہ اوراس کے ذرات بسیط کی حرکت قدیمہ اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہا ہے، اس کے علاوہ اس کے لیے کسی مدبر اور متصرف کی ضرورت نہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب مادہ میں کوئی شعور اور ادراک نہیں اوراس میں کسی قسم کی قدرت اور ارادہ نہیں اور مادہ کو اوراس کے ذرات بسیط کو اپنے وجود کا بھی علم نہیں اور نہ ان کو اپنی حرکت کا علم۔ مادہ کے ذرات بسیط کی تمام حرکت اضطراری ہے، اختیاری نہیں تو اس جاہل اور گونگے اور بہرے اور اندھے اور اپاہج مادہ سے یہ عجیب وغریب عالم کس طرح وجود میں آ گیا۔ جس کو دیکھ کر حکماء اور عقلاء حیران اور سرگرداں ہیں ان سائنس دانوں کا گمان یہ ہے کہ تمام تنوعات اور تطورات مادہ کے ذرات بسیط کی حرکت سے حاصل ہوتے ہیں جو خاص خاص قوانین فطرت کے مطابق جاری ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سے قوانین فطرت ہیں جن کے ماتحت مادہ کے ذرات بسیط کی حرکت جاری ہے اوران فلاسفہ عظام کو ان قوانین فطرت کا علم کہاں سے ہوا اور کس طرح ہوا ذرا کچھ بتلائیں اور سمجھائیں تو سہی۔ (معارف:د)

۱۰... اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ
جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ
يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَ فِي الْاَرْضِ
قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ
صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (رعد:۲-۴)

(اللہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بدون ستون کے اونچا کھڑا کر دیا، چنانچہ تم ان کو دیکھ رہے ہو۔ پھر عرش پر قائم ہوا اور آفتاب و ماہتاب کو کام میں لگا دیا ہر ایک وقت معین پر چلتا رہتا ہے۔ وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، دلائل کو صاف صاف بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا یقین کرلو اور وہ ایسا ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کیں اور اس میں ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسم کے پیدا کیے ،شب سے دن کو چھپا دیا۔ ان امور میں سوچنے والوں کے واسطے دلائل ہیں۔ اور زمین میں پاس پاس مختلف قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور ہیں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ ایک تنہ سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعضے میں دو تنے نہیں ہوتے ،سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے، اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں فوقیت دیتے ہیں۔ ان امور میں سمجھ داروں کے واسطے دلائل ہیں۔)

تشریح وتفسیر

ان آیات میں دلائل توحید والوہیت اور قرآن کے نازل کرنے والے خدا کی کمال قدرت کا ذکر کیا جارہا ہے اور آخرت کا اثبات کیا جارہا ہے جو نزول قرآن کے اعظم مقاصد میں سے ہے اور چوں کہ اکثر لوگ خدا تعالی کی الوہیت اور وحدانیت کے منکر ہیں، اس لیے اثبات توحید والوہیت کے لیے آسمانوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب کی حرکات اور زمین کے مختلف قطعات اور زمین کی پیداوار کی کیفیات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین اور مشرکین پر حجت قائم ہو۔ ان سب دلائل کا مطلب یہ ہے کہ

زمین سے لے کر آسمان تک تمام کائنات اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل اور براہین ہیں۔

”اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ“

اثباتِ توحید کے لیے اللہ تعالیٰ نے اوّل آسمانوں کے حالات سے استدلال کیا، چناں چہ فرماتے ہیں (اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو) کہ بلاعمود کے قائم ہیں، نیچے کوئی ستون نہیں کہ جس کے سہارے سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہوں اور اوپر کوئی زنجیر نہیں کہ جو اوپر سے آسمان کو روکے ہوئے ہے، بلاستون کے معلق ہیں، انسان ایک ذرہ کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا۔ پس سمجھ لو کہ کسی قادر مختار ہی نے اس کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان کو اتنا اونچا بنایا کہ جہاں تمہاری نظر بھی کام نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ آسمان جیسے عظیم الشان جسم کا معلق رہنا از خود نہیں اور نہ بتقاضائے طبیعت جسمانیہ ہے اور نہ کوئی نیچر اور ایتھر اس کو تھامے ہوئے ہے، معلوم ہوا کہ کسی قادر قوی نے اس کو اس طرح معلق رکھا ہوا ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ”تَرَوْنَهَا“، ”عَمَدٍ“ کی صفت ہے اور معنی یہ ہیں کہ بلند کیا اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے، جس کو تم نہیں دیکھتے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر وہ ایسے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے۔

(پھر وہ) اپنی قدرت اور قہر سے، تدبیر اور تصرف سے (عرش عظیم پر قائم ہوا) جو قیام اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ افروزی مراد ہے، جس کی حقیقت سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں اور خدا تعالیٰ کا عرش عظیم پر قائم اور جلوہ فرما ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے۔ اس لیے لفظ ”ثُمَّ“ ان دونوں میں تفاضل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ استوی علی العرش، رفع السموات سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے۔ کیوں کہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکامِ الٰہیہ کا مصدر اور مرکز ہے، تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں۔ عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خداوند قدوس بادشاہ کی

طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے، کیوں کہ یہ صفت تو جسم کی ہے جو وضع اور ہیئت کے ساتھ موصوف ہو، اللہ تعالی اس سے پاک اور منزہ ہے۔ فرقۂ مجسمہ اللہ تعالی کو جسم گمان کرتا ہے اور استواء کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ ’’ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا، جو اس کی شان عظمت وجلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے، ہم اس کے ’’اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ‘‘ پر ایمان لاتے ہیں، جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تنزیہ وتقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوندِ قدوس مکان اور جہت سے، تمکن اور استقرار سے، اتصال اور انفعال سے، سب سے پاک ہے، مکان اور جہت سب اسی کی مخلوق ہے، وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر زمان اور مکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے۔ معاذ اللہ یہ خیال نہ کرنا کہ عرش تخت شاہی کی طرح خدا کو تھامے ہوئے ہے، عرش خدا کو تھامے ہوئے اور اٹھائے ہوئے نہیں، بلکہ خدا کی قدرت ہی عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے یا قرار پکڑنے سے یہ مراد ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور تمام کائنات پر وہی حکمران ہے، جیسے تخت نشینی سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں اسی طرح استواء علی العرش سے حق جل شانہ کی حکمرانی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک اسی کی حکمرانی ہے۔

’’وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ ‘‘ اب آفتاب و ماہتاب کے احوال سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرماتے ہیں: (اور مسخر کیا) یعنی کام پر لگایا (اس نے سورج کو اور چاند کو) دونوں اسی کے زیر حکم ہیں، دونوں کی حرکت اللہ کے حکم سے ہے، جس سے بندوں کی مصلحتیں وابستہ ہیں۔ نور اور ظلمت کی آمد ورفت سے زمین اور اجسام

اور اشجار و نباتات نشو نما پاتے ہیں۔ جس قسم کی حرکت اللہ نے ان کے لیے معین کر دی ہے اس میں سر مو فرق نہیں آتا۔ حق تعالی نے شمس و قمر کی حرکت کے لیے جو سمت، جہت اور جو مسافت اور جو مقدار اور کیفیت مقرر فرما دی ہے، اس کے خلاف شمس و قمر حرکت نہیں کر سکتے۔ (ہر ایک کی حرکت جاری ہے، ایک مدت معینہ تک) یعنی جب تک دنیا قائم ہے چاند اور سورج طلوع و غروب ہوتے رہیں گے اور اسی رفتار سے حرکت کرتے رہیں گے، جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے، یا یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار پر چلتا رہے گا اور اپنی منزلوں کو طے کرتا رہے گا۔ چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال بھر میں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالی نے جس طرح اور جس جانب ان کی حرکت مقرر کر دی ہے، اس میں سر مو فرق نہیں آتا۔ اگر کوئی قادر و قوی اس کا منتظم نہیں، تو اس نظام میں خلل کیوں نہیں آتا۔

غرض یہ کہ ان تمام دلائل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عالم کے یہ تمام انتظامات مادہ اور ایتھر سے نہیں چل رہے ہیں، بلکہ کسی مَلِیک مقتدر کے ارادہ اور اختیار سے چل رہے ہیں۔ (وہی) عالم علوی اور عالم سفلی کے (ہر کام کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے) اور وہ ذات والا صفات ایسی ہے کہ اس کی تدبیر اور تصرف کے اعتبار سے عرش اور فرش پہاڑ اور ذرہ سب برابر ہیں (وہ اپنی قدرت کی نشانیاں بہ تفصیل بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے کا یقین کرو) یعنی مرنے کے بعد جینے کا یقین کرو کہ جس ذات نے یہ کارخانہ بنایا ہے اور مخبر صادق ﷺ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اور امر ممکن الوقوع کے وقوع کی اگر مخبر صادق خبر دے تو عقلاً اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہے۔

''وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ . . . اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴'' اوپر کی آیتوں میں عالم علوی کی چیزوں سے اس کی وحدانیت اور الوہیت پر استدلال تھا یعنی آسمانوں اور چاند اور سورج کے احوال سے استدلال کا ذکر تھا۔ اب عالم سفلی کی چیزوں کے احوال سے یعنی زمین سے اور اس کی پیداوار سے اور لیل و نہار کے اختلاف سے استدلال فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اور وہ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو) اتنا

(پھیلایا) کہ بے شمار مخلوق اس پر چل سکے اور اتنا وسیع بنایا کہ آج تک اس کے مبداء اور انتہاء کا علم نہ ہوسکا اور اس پر بسنے والی مخلوق کا رزق اور سامان معیشت سب اسی میں ودیعت رکھ دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''کہ زمین کو پانی پر بچھایا'' (زادالمسیر: ۳۰۲/۴) وقال اللہ تعالی: ''وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط''۔ (اور پھر اس زمین میں پہاڑ بنائے) تاکہ وہ زمین کی میخیں ہوجائیں۔

(اور زمین میں نہریں جاری کیں اور ہر قسم کے پھلوں سے خدا نے زمین میں دو دو قسمیں بنائیں) مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش، خشک اور تر، گرم اور سرد وغیرہ وغیرہ۔ نیز اس خدا کی ایک صفت یہ ہے کہ ''وہ ڈھانک دیتا ہے رات کو دن سے'' مطلب یہ ہے کہ کسی وقت دن کا ہونا اور کسی وقت رات کا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں، بلکہ کسی قادر حکیم کی قدرت اور اس کی تسخیر ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے زمین کی حالت سے استدلال کیا ہے کہ زمین کی یہ وسعت اور اس پر جابجا پہاڑوں اور نہروں کا ہونا بغیر کسی خالق کے نہیں ہوسکتا۔ دن اور رات کے بدلنے میں اور زمین کی پیداوار میں اس کی قدرت کے عجیب عجیب کرشمے ہیں۔ (بے شک ان چیزوں میں خدا کی) کمال قدرت کی (نشانیاں ہیں) اور (ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں) ان نشانیوں میں غور کرنے سے اللہ تعالی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ایک زمین پر نظر ڈال لو کہ اس کا کوئی حصہ نرم ہے اور کوئی حصہ نہایت سخت ہے جیسے پہاڑ، حالاں کہ طبیعت ارضیہ سب کی ایک ہے۔ معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات میں یہ تفاوت مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں، بلکہ کسی علیم وقدیر کے علم وقدرت کا کرشمہ ہے، پھر زمینوں اور پہاڑوں کی رنگتیں اور کیفیتیں مختلف اور پہاڑ میں سے جو کانیں نکلتی ہیں وہ بے انتہاء مختلف، کوئی کان سونے اور چاندی کی اور کوئی لوہے اور تانبے کی، اور کوئی نمک اور گندھک کی وغیرہ وغیرہ۔ یہ اختلافات نہ اتفاقی ہیں اور نہ بے شعور اور بے حس مادہ کا اقتضاء ہیں، بلکہ سب خداوند علیم وقدیر کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم علوی کا کارخانہ اس کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے،

اسی طرح عالم علوی سفلی کا کارخانہ بھی اسی کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے، سب جگہ اسی کا دست قدرت کارفرما ہے اور جن فلاسفہ کا یہ گمان ہے کہ عالم سفلی کا کارخانہ عالم علوی کی تاثیر سے چل رہا ہے، وہ سب غلط ہے اور دعوی بلا دلیل ہے اور یہ نادان اپنی الٹی سلٹی باتوں پر بڑے خوش ہیں ''**فرحو بما عندهم من العلم**''۔

اور من جملہ دلائل توحید کے ایک دلیل یہ ہے کہ (زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں) اور بایں ہمہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، حالاں کہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے، کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بنجر ہے، کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوے کے قابل ہے، حالاں کہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور سب پر ایک ہی آفتاب کی شعائیں پر رہی ہیں۔ عجیب بات ہے کہ باوجود اس اتصال اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں اور پھر زمین کے ہر قطعہ میں مختلف قسم کے باغات ہیں، (کہیں انگوروں کے باغ ہیں اور کہیں کھیتی ہے اور کہیں کھجور کے درخت ہیں ،بعضے دوشاخے بعضے غیر دوشاخے) یعنی بعضے ایسے ہیں کہ ایک ہی جڑ سے کئی شاخیں اُگیں اور بعضے متفرق جڑوں کے ہیں، یعنی ہر شاخ علاحدہ جڑ سے اُگی ہے، یہ سب باغات (ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں) اور باوجود اس کے (ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں) کوئی شیریں ہے اور کوئی ترش اور کوئی پھیکا کوئی کیسا اور کوئی کیسا (بے شک ان امور مذکورہ میں نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں) کہ ایک ہی قسم کی زمین ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے، اور ایک ہی ہوا ہے، پھر پھلوں کا مزہ بھی مختلف اور ہیئت اور شکل بھی مختلف۔

ظاہر ہے کہ یہ امور نہ تو خود بخود حادث ہو گئے ہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی نیچر اور ایتھر کا اقتضاء ہے، کیوں کہ ایتھر اور نیچر میں کسی شعور اور ارادہ اور اختیار کا نام و نشان نہیں، بلکہ یہ سب خدائے علیم وقدیر کے علم اور قدرت کے کرشمے ہیں جو خاص خاص اوقات میں اس کے ارادہ اور مشیت کے مطابق نمودار ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ

پس پردہ کوئی دست قدرت ہے جو یہ گل کاریاں کررہا ہے۔ زمین بھی ایک ہے اور پانی بھی ایک ہے، تو پھر باوجود اسباب اور اصول کے متحد ہونے کے یہ امتیاز اور اختلاف کیسا، یہ سب کسی قادر مختار کی صنعت اور کاری گری ہے۔ فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ درختوں اور پھلوں کا اختلاف اتصالات فلکیہ اور کوکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے۔ فلاسفہ عالم سفلی کے حوادث کو حرکات کواکب اور نجوم کا اثر مانتے ہیں۔ یہ سب غلط ہے، اس لیے کہ:

اوّل تو گزشتہ آیات میں افلاک اور کواکب اور نجوم کا حادث ہونا اور ان کا مسخر بامر الٰہی ہونا ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے شمس وقمر اور کواکب کی خاص وضع اور ہیئت اور حرکت کی مقدار اور اس کی ساخت متعین کر دی ہے، اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتے۔ لہٰذا احوال فلکیہ کو حوادثِ ارضیہ کی علت قرار دینا صحیح نہیں۔

دوم یہ کہ اتصالات فلکیہ اور حرکات کوکبیہ کو عالم سفلی سے مؤثر قرار دینا محض دعویٰ ہے، جس پر کوئی دلیل نہیں۔

سوم یہ کہ ایک ہی باغ ہے اور ایک ہی درخت ہے، ایک ہی قسم کی شعاع شمسی ہے اور ایک ہی قسم کی ہوا ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ پھلوں کا مزہ مختلف ہے، جب علت اور سبب ایک ہے تو معلول اور مسبب بھی ایک ہی ہونا چاہیے، علت اور سبب میں شعور اور ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا، اس لیے اس کی تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

بے شعور مشین سے جو چیز تیار ہوگی اس میں تفاوت نہ ہوگا، انسان اپنے ہاتھ سے جو چیز بنائے گا، اس میں اس کے اختیار اور ارادہ کے موافق فرق اور تفاوت ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ پھلوں کی پیدائش میں نہ تو زمین کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے اور نہ ہوا اور پانی کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے، بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے، فلاسفۂ جدید وقدیم جس قدر چاہیں اسباب وعلل بیان کریں، مگر سب کی انتہاء کسی مَلِیک مقتدر پر ماننی پڑے گی۔ ”وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی“۔

بعض علمائے تابعین سے منقول ہے کہ یہی مثال بنی آدم کی ہے، باوجودے کہ سب کی اصل ایک ہے، مگر خیر وشر ایمان وکفر میں مختلف ہیں، کوئی خبیث ہے اور کوئی

طیب اور جس طرح پانی زمین کے مختلف قطعات میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے، اسی طرح کلام الٰہی مختلف قلوب میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے، جیسا کہ ''وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ ''یعنی یہ قرآن مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور یہی قرآن ظالموں کو خسارہ میں بڑھاتا ہے۔ (ایضاً)

۱۱۔۔۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ (ابراہیم:۳۲-۳۴)

(اللہ ایسا ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے پھلوں کی قسم سے تمہارے لیے رزق پیدا کیا، اور تمہارے نفع کے واسطے کشتی کو مسخر بنایا، تا کہ وہ خدا کے حکم سے دریا میں چلے، اور تمہارے نفع کے واسطے نہروں کو مسخر بنایا۔ اور تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو مسخر بنایا جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں، اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو مسخر بنایا۔ اور جو جو چیز تم نے مانگی تم کو ہر چیز دی، اور اللہ تعالی کی نعمتیں اگر شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے۔ سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے۔)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کی یاددہانی کرا کر انسان کو اس کی عبادت واطاعت کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے، جس پر انسانی وجود کی ابتداء اور بقاء موقوف ہے۔ پھر آسمان سے پانی اتارا جس کے ذریعہ طرح طرح کے ثمرات پیدا کئے تا کہ وہ تمہارا رزق بن سکیں۔ لفظ ''ثمرات''، ثمرۃ کی جمع ہے، ہر چیز سے حاصل ہونے والے نتیجہ کو اس کا ثمرہ کہا جاتا ہے، اس لیے لفظ ''ثمرات'' میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جو انسان کی غذا بنتی ہیں، کیوں کہ لفظ رزق جو اس آیت میں مذکور ہے وہ ان تمام ضروریات انسانی پر حاوی اور شامل ہے۔ (مظہری)

پھر فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے ہی کشتیوں اور جہازوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ وہ اللہ کے حکم سے دریاؤں میں چلتے پھرتے ہیں، لفظ ’’سَخَّرَ‘‘ جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا استعمال تمہارے لیے آسان کر دیا ہے، لکڑی، لوہے اور ان سے کشتی جہاز بنانے کے اوزار وآلات اور ان سے صحیح کام لینے کی عقل ودانش یہ سب چیزیں اسی کی دی ہوئی ہیں، اس لیے ان چیزوں کے موجد اس پر ناز نہ کریں، کہ ہم نے ایجاد کی یا بنائی ہے، کیوں کہ جن چیزوں سے ان میں کام لیا گیا ہے ان میں کوئی چیز بھی نہ تم نے پیدا کی ہے نہ کر سکتے ہو، خالق کائنات کی بنائی ہوئی لکڑی، لوہے، تانبے اور پیتل ہی میں تصرفات کر کے یہ ایجاد کا سہرا آپ نے اپنے سر لیا ہے، ورنہ حقیقت دیکھو تو خود آپ کا اپنا وجود اپنے ہاتھ پاؤں، اپنا دماغ اور عقل بھی تو آپ کی بنائی ہوئی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا کہ یہ دونوں ہمیشہ ایک حالت پر چلتے ہی رہتے ہیں ’’دائبین‘‘، دأب سے مشتق ہے، جس کے معنی عادت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں چلنا ان دونوں سیاروں کی عادت بنادی گئی، کہ کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ مسخر کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ تمہارے حکم اور اشاروں پر چلا کریں، کیوں کہ اگر شمس وقمر اس طرح انسان کا مسخر کر دیا جاتا کہ وہ انسانی حکم کے تابع چلا کرتے تو انسانوں کے باہمی اختلاف کا یہ نتیجہ ہوتا کہ ایک انسان کہتا کہ آج آفتاب دو گھنٹے بعد نکلے، کیوں کہ رات میں کام زیادہ ہے، دوسرا چاہتا کہ دو گھنٹے پہلے نکلے کہ دن کے کام زیادہ ہیں، اس لیے رب العزت جل شانہ نے آسمان اور ستاروں کو انسان کا مسخر تو بنایا، مگر اس معنی سے مسخر کیا کہ وہ ہر وقت ہر حال میں حکمتِ خداوندی کے ماتحت انسان کے کام میں لگے ہوئے ہیں، یہ نہیں کہ ان کا طلوع وغروب اور رفتار انسان کی مرضی کے تابع ہو جائے۔

اسی طرح یہ ارشاد کہ ہم نے رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان دونوں کو انسان کی خدمت اور راحت کے کام میں لگا دیا۔

''وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ'' (یعنی اللہ تعالیٰ نے دیا تم کو ہر اس چیز میں سے جو تم نے مانگی) اگر چہ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور بخشش کسی کے مانگنے پر موقوف نہیں، ہم نے تو اپنا وجود بھی نہیں مانگا تھا، اسی نے اپنے فضل سے بے مانگے عطا فرمایا۔ اسی طرح آسمان، زمین، چاند، سورج وغیرہ پیدا کرنے کی دعاء کس نے مانگی تھی، یہ سب کچھ مالک نے بے مانگے ہی دیا ہے۔ اسی لیے قاضی بیضاوی نے اس لفظ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالی نے تم کو ہر وہ چیز دیدی جو مانگنے کے قابل ہے، اگر چہ تم نے مانگا نہ ہو۔ لیکن اگر الفاظ کے ظاہری معنی ہی مراد ہوں تو ان میں بھی کچھ اشکال نہیں کہ عموماً انسان جو کچھ مانگتا اور طلب کرتا ہے، اکثر تو اس کو دے ہی دیا جاتا ہے اور جہاں کہیں اس کا سوال اپنی ظاہری صورت میں پورا نہیں کیا جاتا اس میں اس شخص کے لیے یا پورے عالم کے لیے کوئی مصلحت ہوتی ہے، جس کا اس کو علم نہیں ہوتا۔ مگر علیم وخبیر جانتے ہیں کہ اگر اس کا یہ سوال پورا کر دیا گیا تو خود اس کے لیے یا اس کے خاندان کے لیے یا پورے عالم کے لیے وبال جان بن جائے گا، ایسی صورت میں سوال کا پورا نہ کرنا ہی بڑی نعمت ہوتی ہے، مگر انسان اپنے قصور علم کی وجہ سے اس کو نہیں جانتا، اس لیے غمگین ہوتا ہے۔

''وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا'' یعنی اللہ تعالی کی نعمتیں انسان پر اس قدر ہیں کہ سب انسان مل کر ان کو شمار کرنا چاہیں، تو شمار میں بھی نہیں آسکتیں، انسان کا اپنا وجود خود ایک عالم اصغر ہے، اس کی آنکھ، ناک، کان اور ہاتھ پاؤں اور بدن کے ہر جوڑ بلکہ ہر رگ و ریشہ میں رب العزت کی غیر متناہی نعمتیں مستور ہیں، جن سے یہ چلتی پھرتی سیکڑوں نازک مشینوں کی عجیب وغریب فیکٹری ہر وقت مشغول بکار ہے، پھر آسمان و زمین اور دونوں کی مخلوقات، سمندروں پہاڑوں کی مخلوقات کہ آج کی جدید تحقیقات اور اس میں عمریں کھپانے والے ہزاروں ماہرین بھی ان کا احاطہ نہیں کر سکے۔ پھر نعمتیں صرف وہی نہیں جو مثبت صورت میں عام طور پر نعمت سمجھی جاتی ہیں، بلکہ ہر مرض، ہر تکلیف، ہر مصیبت، ہر رنج وغم سے محفوظ رہنا الگ الگ مستقل نعمت ہے۔ ایک انسان کو کتنی قسم کی بیماریاں اور کتنی اقسام کی بدنی اور ذہنی تکلیفیں دنیا میں پیش آسکتی ہیں، انہی کا

شمار ایک انسان سے نہیں ہوسکتا، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پورے عطیات اور نعمتوں کا شمار کس سے ہوسکتا ہے۔

انصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ بے شمار نعمتوں کے بدلہ میں بے شمار عبات اور بے شمار شکر لازم ہوتا، مگر اللہ جل شانہ نے ضعیف البنیان انسان کی رعایت فرمائی، جب وہ حقیقت پر نظر کر کے یہ اعتراف کرلے کہ شکر واجب سے سبکدوش ہونا اس کی قدرت میں نہیں، تو اسی اعتراف کو ادائے شکر کے قائم مقام قرار دے دیا ہے، جیسا کہ حق تعالی نے حضرت داوٗد علیہ السلام کے ایسے ہی اعتراف پر ارشاد فرمایا ''الاٰن قد شکرت یا داؤد'' یعنی یہ اعتراف کرلینا ہی ادائے شکر کے لیے کافی ہے۔

آخر آیت میں فرمایا '' اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝۳۴ '' یعنی انسان بہت بے انصاف اور بڑا ناشکرا ہے۔ مقتضیٰ انصاف کا تو یہ تھا کہ کوئی تکلیف و مصیبت پیش آئے تو صبر وسکون سے کام لے، زبان اور دل کو شکایت سے پاک رکھے اور سمجھے کہ یہ جو کچھ پیش آیا ہے ایک حاکم حکیم کی طرف سے آیا ہے، وہ بھی مقتضائے حکمت ہونے کی بناء پر ایک نعمت ہی ہے اور جب کوئی راحت و نعمت ملے تو دل اور زبان ہر عمل سے اس کا شکر گذار ہو۔ مگر عام انسانوں کی عادت اس سے مختلف ہے کہ ذرا مصیبت و تکلیف پیش آجائے، تو بے صبری میں مبتلا ہوجائیں اور کہتے پھریں، اور ذرا نعمت و دولت مل جائے تو اس میں مست ہوکر خدا تعالی کو بھلا دیں، اسی لیے مؤمنین مخلصین کی صفت ''صبّار'' اور ''شکور'' بتلائی گئی ہے۔ (معارف: ش)

۱۲۔۔۔ وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۶ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۱۷ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۸ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ

وَمَآ اَنۡتُمۡ لَهٗ بِخٰزِنِيۡنَ ﴿۲۲﴾ (الحجر:۱۶-۲۲)

تشریح وتفسیر:

(اور بیشک ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کیے اور دیکھنے والوں کے لیے اس کو آراستہ کیا۔ اور اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا۔ ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے۔ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے، اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اُگائی۔ اور ہم نے تمہارے واسطے اس میں معاش کے سامان بنائے اور ان کو بھی معاش دی کہ جن کو تم روزی نہیں دیتے۔ اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے خزانے ہیں اور ہم اس کو ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں۔ اور ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو کہ بادل کو پانی سے بھر دیتی ہے، پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں، اور تم اتنا پانی جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے۔)

ان آیات میں اللہ رب العزت کے وجود اس کی الوہیت، وحدانیت اور علم و قدرت کے واضح دلائل آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی مخلوقات کے حالات و مشاہدہ سے بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں ذرا بھی غور کیا جائے تو کسی عاقل کو انکار کی مجال نہیں رہتی۔ ان میں سے پہلی دلیل ''وَ لَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا'' سے بیان کی گئی ہے۔ دوسری دلیل ''وَ الۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا۔۔۔الخ'' سے ذکر فرمائی کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس میں پہاڑوں کا بنانا اور تیسری دلیل ''وَ اَرۡسَلۡنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ۔۔۔الخ'' سے ذکر فرمائی کہ یہ سب حق تعالی کی قدرت کی نشانیاں ہیں کہ اس نے ایسی عجیب وغریب اشیاء کو پیدا فرمایا۔

ارشاد ہے ''وَ لَقَدۡ جَعَلۡنَا۔۔۔'' (ور بیشک ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کئے اور دیکھنے والوں کے لیے آسمان کو) ستاروں سے (آراستہ کیا)۔

''بُرُوۡجًا'' بُرج کی جمع ہے، جو بڑے محل اور قلعہ وغیرہ کے لیے بولا جاتا ہے، ائمہ تفسیر مجاہد، قتادہ، ابوصالح وغیرہ نے اس جگہ ''بُرُوج'' کی تفسیر بڑے ستاروں سے کی

ہے اور اس آیت میں جوان بڑے ستاروں کا آسمان میں پیدا کرنا ارشاد ہے، یہاں آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہے۔ جس کو آج کل کی اصطلاح میں خلا کہا جاتا ہے اور لفظ ''سماء'' کا دونوں معنی میں اطلاق عام ومعروف ہے۔ جِرم آسمان کو بھی سماء کہا جاتا ہے اور آسمان سے بہت نیچے جو فضائے آسمانی ہے، اس کو بھی قرآن کریم میں جا بجا لفظ سماء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

''وَ حَفِظْنٰهَا ... شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ۝'' (آسمان کو) ستاروں کے ذریعہ (ہر شیطان مردود سے محفوظ فرما دیا) کہ وہاں تک ان کی رسائی نہیں ہونے پاتی (ہاں مگر کوئی بات) فرشتوں کی (چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہے) اور اس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہو جاتا ہے۔

ان آیات سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ شیاطین کی رسائی آسمانوں تک نہیں ہو سکتی، ابلیس لعین کا تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت آسمانوں میں ہونا اور آدم وحوا علیہما السلام کو دھوکہ میں مبتلا کرنا وغیرہ یہ سب آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول سے پہلے کے واقعات ہیں، اس وقت تک جنات وشیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع نہیں تھا، نزول آدم علیہ السلام اور اخراج شیطان کے بعد سے یہ داخلہ ممنوع ہوا۔

سورۂ جن کی آیات میں جو یہ مذکور ہے ''وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝'' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تک شیاطین آسمانوں کی خبریں فرشتوں کی باہمی گفتگو سے سن لیا کرتے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیاطین آسمانوں میں داخل ہو کر سنتے تھے، ''نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ'' کے الفاظ سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چوروں کی طرح آسمانی فضاء میں جہاں بادل ہوتے ہیں چھپ کر بیٹھ جاتے اور سن لیا کرتے تھے، ان الفاظ سے خود بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ قبل بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنات وشیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع ہی تھا، مگر فضائے آسمانی تک پہنچ کر چوری سے کچھ سن لیا کرتے تھے، بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حفاظت وحی کا یہ مزید سامان ہوا کہ

شیاطین کو اس چوری سے بھی بذریعہ شہاب ثاقب روک دیا گیا۔

رہا یہ سوال کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں کی گفتگو کو آسمانوں سے باہر شیاطین کس طرح سن سکتے تھے؟ سو یہ کوئی ناممکن چیز نہیں، بہت ممکن ہے کہ اجرامِ سماویہ سماعت اصوات سے مانع نہ ہوں، اور یہ بھی بعید نہیں کہ فرشتے کسی وقت آسمانوں سے نیچے اتر کر باہم ایسی گفتگو کرتے ہوں، جس کو شیاطین سن بھاگتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ فرشتے آسمان سے نیچے جہاں بادل ہوتے ہیں کبھی کسی وقت یہاں تک اترتے ہیں اور آسمانی خبروں کا باہمی تذکرہ کرتے ہیں، شیاطین اسی فضائے آسمانی میں چھپ کر یہ خبریں سنتے تھے، جن کو شہاب ثاقب کے ذریعہ بند کیا گیا۔ دوسرا مسئلہ ان آیات میں شہاب ثاقب کا ہے، قرآن کریم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہاب حفاظت وحی کے لیے شیاطین کو مارنے کے واسطے پیدا ہوتے ہیں، ان کے ذریعہ شیاطین کو دفع کیا جاتا ہے، تاکہ وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔

اس میں ایک اشکال قوی یہ ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود کوئی نئی چیز نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹنے کا مشاہدہ کیا جاتا تھا اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، تو کیسے یہ کہا جاسکتا ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو دفع کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں، جو کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے، اس سے تو بظاہر اسی بات کی تقویت ہوتی ہے جو فلاسفہ کا خیال ہے کہ شہاب ثاقب کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے جو بخارات زمین سے اٹھتے ہیں، ان میں کچھ آتش گیر مادے بھی ہوتے ہیں، اوپر جا کر جب اُن کو آفتاب یا کسی دوسری وجہ سے مزید گرمی پہنچتی ہے، تو سلگ اُٹھتے ہیں اور دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹا ہے، اسی لیے محاورات میں اس کو ستارہ ٹوٹنے ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے، عربی زبان میں بھی اس کے لیے انقضاض کوکب کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جو اسی کا ہم معنی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں، زمین سے اُٹھنے

والے بخارات مشتعل ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ کسی ستارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے، اور ایسا ہونا عام عادات کے مطابق ہمیشہ سے جاری ہو، مگر بعثتِ نبوی سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص کام نہیں لیا جاتا تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لیا گیا کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں، ان کو اس شعلے سے مارا جائے۔

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں یہی توجیہ بیان فرمائی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام حدیث زہریؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں؛ اس پر اس نے سورۂ جن کی مذکورہ آیت معارضہ کے لیے پیش کی، تو فرمایا کہ شہاب ثاقب تو پہلے بھی تھے، مگر بعثتِ نبوی ﷺ کے بعد جب شیاطین پر تشدد کیا گیا تو ان سے شیاطین کے دفع کرنے کا کام لے لیا گیا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کے ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ستارہ ٹوٹا، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم زمانۂ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ پیدا ہونے والا ہے، یا کوئی بڑا آدمی مرے گا، یا پیدا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے، اس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں، یہ شعلے تو شیاطین کو دفع کرنے کے لیے پھینکے جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شہاب ثاقب کے متعلق جو کچھ فلاسفہ نے کہا ہے وہ بھی قرآن کے منافی نہیں۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ شعلے براہ راست بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہوں، مقصدِ قرآن دونوں صورتوں میں ثابت اور واضح ہے۔

''وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا......'' اوپر عالم علوی کے حالات سے حق تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو بیان کیا گیا، اب یہاں سے عالم سفلی کے حالات سے اس کی خالقیت و وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا، جس پر بے شمار مخلوق

آباد ہو سکے اور پھر پہاڑوں کا قائم کرنا، پھر زمین میں بندوں کی روزی اور سامان زندگی کو پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اس کی قدرت اور حکمت کے دلائل ہیں، نہ یہ چیزیں خود بخود ہو گئی ہیں اور نہ ہی کسی دیوی دیوتا نے انھیں وجود بخشا ہے، بلکہ قادرِ مطلق حکیم نے وجود دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

(اور زمین کو ہم نے پھیلایا) اور اتنا وسیع کیا کہ بے شمار مخلوق اس پر آباد ہو سکے (اور ہم نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے) تاکہ زمین جنبش نہ کر سکے (اور اُگا ئی ہم نے اس زمین میں ہر چیز مناسب اندازہ کے ساتھ) یعنی ہر چیز کو اپنے علم وحکمت سے ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا۔

''مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ۝۱۹'' کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ ہر چیز کی ایک مقدار معین اُگائی، جس سے کم ہو جاتی تو زندگی میں دشواریاں پیدا ہو جاتیں اور زیادہ ہو جاتی تو بھی مشکلات پیدا کرتی، انسانی ضرورت کے گندم اور چاول وغیرہ اور بہتر سے بہتر عمدہ پھل اگر اتنے زیادہ پیدا ہو جائیں جو انسانوں اور جانوروں کے کھانے پینے کے بعد بھی بہت بچ رہیں تو ظاہر ہے کہ وہ سڑیں گے، ان کا رکھنا بھی مشکل ہوگا اور پھینکنے کے لیے جگہ بھی نہ رہے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ جن دانوں اور پھلوں پر انسان کی زندگی موقوف ہے، ان کو اتنا زیادہ پیدا کر دیتے کہ ہر شخص کو ہر جگہ مفت مل جایا کرتے اور بے فکری سے استعمال کرنے کے بعد بھی ان کے بڑے ذخیرے پڑے رہتے، لیکن یہ انسان کے لیے عذاب ہو جاتا، اس لیے ایک خاص مقدار میں نازل کئے گئے کہ ان کی قدر و قیمت بھی باقی رہے اور بیکار بھی نہ بچیں۔

دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام اُگنے والی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص تناسب اور موزونیت کے ساتھ پیدا کیا ہے، جس سے اس میں حسن اور دل کشی پیدا ہوتی ہے، مختلف درختوں کے تنے، شاخیں، پتے، پھول اور پھل مختلف سائز اور مختلف شکل، مختلف رنگ اور ذائقے کے پیدا کئے گئے، جس کے تناسب اور حسین منظر سے تو انسان

فائدہ اٹھاتا ہے، مگر ان کی تفصیلی حکمتوں کا ادراک کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

''وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ . . .'' (اور اس زمین میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا) یعنی تمہارا کھانا، پینا اور کپڑا جس پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے، سب زمین سے پیدا کیا اور تمہارے فائدے کے لیے زمین میں ہم نے ان اشخاص کو پیدا کیا (جن کو تم روزی دینے والے نہیں) یعنی اہل وعیال اور خدام اور جانور چرند اور پرند کو تمہاری خاطر پیدا کیا اور ان سب کا روزی رساں اللہ تعالی ہے تم نہیں۔

آیت کا یہ مطلب اس صورت میں ہوگا کہ جب ''وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ'' کا عطف ''مَعَايِشَ'' پر ہو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ''وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ'' کا عطف ''لکم'' ضمیر مجرور پر ہے، اور تقدیر کلام اس طرح ہے ''وَ جَعَلْنَا لَكُمْ مَعَايِشَ وَ لِمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ . . .'' اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے اہل وعیال اور خدام کے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے سامان معاش ورزق میں سے (کوئی شئ ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور نہیں اتارتے ہم) زمین پر اپنے خزانۂ غیب سے (مگر ٹھہرے ہوئے اندازہ کے مطابق) یعنی گو ہمارے خزانہ میں سب کچھ ہے، مگر دنیا میں اندازۂ مقرر کے ساتھ اتارتے ہیں، ہمارے علم وحکمت میں جو اندازہ مقرر ہے، اس کے مطابق اترتا ہے، اس میں نہ زیادتی متصور ہوتی ہے اور نہ کمی۔

''وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ . . .'' (اور ہم نے ہوائیں چلائیں جو بادلوں کو پانی سے حاملہ یعنی بارآور بناتی ہیں اور پھر ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں، اور پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں، اور تم اس کا ذخیرہ نہیں رکھ سکتے تھے۔) یہ خزانہ اللہ تعالی کے پاس ہے اور وہی اس کا محافظ ہے، بقدر معلوم تم کو اس سے ملتا رہتا ہے، اگر ہم بارش نازل نہ کرتے تو تم کہاں سے اتنا پانی لاتے۔

اس آیت میں قدرت الٰہیہ کے اس حکیمانہ نظام کی طرف اشارہ ہے، جس کے ذریعہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان اور جانور، چرندوں، پرندوں، درندوں کے

لیےضرورت کے مطابق آب رسانی کا ایسا نظامِ محکم قائم کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو ہر جگہ ہر حال میں اپنی ضرورت کے مطابق پینے، نہانے، دھونے اور کھیتوں، درختوں کو سیراب کرنے کے لیے پانی بلا کسی قیمت کے مل جاتا ہے اور جو کچھ کسی کو کنواں بنانے، یا پائپ لگانے پر خرچ کرنا پڑتا ہے وہ اپنی سہولت حاصل کرنے کی قیمت ہے، پانی کے ایک قطرہ کی قیمت بھی کوئی ادا نہیں کرسکتا، نہ کسی سے مانگی جاتی ہے۔

اس آیت میں پہلے تو اس کا ذکر کیا گیا کہ کس طرح قدرت الٰہیہ نے سمندر کے پانی کو پوری زمین پر پہنچانے کا عجیب وغریب نظام بنایا ہے، کہ سمندر میں بخارات پیدا فرمائے، جن سے بارش کا مواد (مان سون) پیدا ہوا، اوپر سے ہوائیں چلائیں، جو اس کو بادل کی شکل میں تبدیل کر کے پانی سے بھرے ہوئے پہاڑوں جیسے جہاز بنا دیں، پھر پانی سے لبریز ان ہوائی جہازوں کو دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں جہاں پہنچانا ہے پہنچادیں، پھر فرمان الٰہی کے تابع جس زمین پر جتنا پانی ڈالنے کا حکم ہے، اس کے مطابق یہ خودکار ہوائی جہاز وہاں پانی برسادیں۔

اس طرح یہ سمندر کا پانی زمین کے ہر گوشے میں بسنے والے انسانوں اور جانوروں کو گھر بیٹھے مل جائے۔اسی نظام میں ایک عجیب وغریب تبدیلی، پانی کے ذائقے اور دوسری کیفیات میں پیدا کر دی جاتی ہے، کیوں کہ سمندر کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انتہائی کھارا اور ایسا نمکین بنایا ہے کہ ہزاروں ٹن نمک اس سے نکالا اور استعمال کیا جاتا ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ عظیم الشان پانی کا کرہ جس میں کروڑوں قسم کے جانور رہتے ہیں اور اسی میں مرتے اور سڑتے ہیں اور ساری زمین کا گندہ پانی بالآخر اسی میں جا کر پڑتا ہے، اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا اور اس کی بدبو اتنی شدید ہوتی کہ خشکی میں رہنے والوں کی تندرستی اور زندگی بھی مشکل ہو جاتی، اس لیے قدرت نے اس کو ایسا تیزابی کھارا بنادیا کہ دنیا بھر کی غلاظتیں اس میں پہنچ کر بھسم ہو جاتی ہیں۔غرض اس حکمت کی بنا پر سمندر کا پانی کھارا بلکہ تلخ بنایا گیا، جو نہ پیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے۔

نظامِ قدرت نے جو پانی کے ہوائی جہاز بادلوں کی شکل میں تیار کیے، ان کو صرف سمندری پانی کا خزانہ ہی نہیں بنایا، بلکہ مان سون اٹھنے سے لے کر زمین پر برسنے تک اس میں ایسے انقلابات بغیر کسی ظاہری مشین کے پیدا کر دیئے کہ اس پانی کا نمک علاحدہ ہو کر میٹھا بن گیا، سورۂ مرسلات میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے ''وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾''اس میں لفظ ''فرات'' کے معنی ہیں ایسا میٹھا پانی جس سے پیاس بجھے، معنی یہ ہیں کہ ہم نے بادلوں کی قدرتی مشینوں سے گذار کر سمندر کے کھاری اور تلخ پانی کو تمہارے پینے کے لیے شیریں بنا دیا۔

سورۂ واقعہ میں اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

(بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے، یا ہم ہیں اتارنے والے، اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو کھارا، پھر کیوں نہیں احسان مانتے)۔

یہاں تک تو قدرتِ الٰہیہ کی یہ کرشمہ سازی دیکھی کہ سمندر کے پانی کو میٹھے پانی میں تبدیل کر کے پورے روئے زمین پر بادلوں کے ذریعے کس حسنِ نظام کے ساتھ پہنچایا، کہ ہر خطہ کے نہ صرف انسانوں کو بلکہ ان جانوروں کو بھی جو انسانوں کی دریافت سے باہر ہیں، گھر بیٹھے پانی پہنچا دیا اور بالکل مفت بلکہ جبری طور پر پہنچا۔

لیکن انسانوں اور جانوروں کا مسئلہ صرف اتنی بات سے حل نہیں ہو جاتا، کیوں کہ پانی ان کی ایسی ضرورت ہے جس کی احتیاج ہر روز بلکہ ہر آن ہے، اس لیے ان کی ضرورتِ روزمرہ کو پورا کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ہر جگہ سال کے بارہ مہینے ہر روز بارش ہوا کرتی، لیکن اس صورت میں ان کی پانی کی ضرورت تو رفع ہو جاتی، مگر دوسری معاشی ضروریات میں کتنا خلل آتا، اس کا اندازہ کسی اہل تجربہ کے لیے مشکل نہیں، سال بھر کے ہر دن کی بارش تندرستی پر کیا اثر ڈالتی اور کاروبار اور نقل وحرکت میں کیا تعطل پیدا کرتی۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سال بھر کے خاص خاص مہینوں میں اتنی بارش ہو جائے کہ

اس کا پانی باقی مہینوں کے لیے کافی ہو جائے، مگر اس کے لیے ضرورت ہوتی کہ ہر شخص کا ایک کوٹہ مقرر کر کے اس کے سپرد کیا جائے کہ وہ اپنے کوٹہ اور حصہ کا پانی خود اپنی حفاظت میں رکھے۔

اندازہ لگائیے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ہر انسان اتنی ٹنکیاں یا برتن وغیرہ کہاں سے لاتا جن میں تین یا چھ مہینہ کی ضرورت کا پانی جمع کر کے رکھ لے اور اگر وہ کسی طرح ایسا کر بھی لیتا تو ظاہر ہے کہ چند روز کے بعد یہ پانی سڑ جاتا اور پینے بلکہ استعمال کرنے کے بھی قابل نہ رہتا، اس لیے قدرتِ الٰہیہ نے اس کے باقی رکھنے اور بوقت ضرورت ہر جگہ مل جانے کا ایک دوسرا عجیب وغریب نظام بنایا، کہ جو پانی برسایا جاتا ہے، اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر درختوں، کھیتوں، انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرنے میں کام آ ہی جاتا ہے، کچھ کھلے تالابوں، جھیلوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے بہت بڑے حصہ کو برف کی شکل میں بحر منجمد بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے، جہاں تک نہ گرد وغبار کی رسائی ہے نہ کسی غلاظت کی، پھر اگر وہ پانی سیال رہتا تو ہوا کے ذریعے گرد و غبار یا دوسری خراب چیزوں کے اس میں پہنچ جانے کا خطرہ رہتا، پرندوں کے اس میں گرنے مرنے کا اندیشہ رہتا، جس سے وہ پانی خراب ہو جاتا، مگر قدرت نے اس پانی کے عظیم خزانے کو بحر منجمد (برف) بنا کر پہاڑوں پر لاد دیا جہاں سے تھوڑا تھوڑا رِس کر وہ پہاڑوں کی رگوں میں پیوست ہو جاتا ہے، پھر چشموں اور ندیوں کی صورت میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے، اور جہاں چشمے وندیاں نہیں ہیں وہاں زمین کی تہہ میں یہ پانی انسانی رگوں کی طرح زمین کے ہر خطہ پر بہتا ہے اور کنواں کھودنے اور مشین لگانے سے برآمد ہونے لگتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آب رسانی کا یہ نظامِ الٰہی ہزاروں نعمتیں اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اوّل تو پانی کو پیدا کرنا ایک بڑی نعمت ہے، پھر بادلوں کے ذریعہ اس کو زمین کے ہر خطہ پر پہنچانا دوسری نعمت ہے، پھر اس کو انسان کے پینے کے قابل بنا دینا تیسری نعمت ہے، پھر اس پانی کو ضرورت کے مطابق جمع اور محفوظ رکھنے کا نظامِ محکم چوتھی نعمت ہے، پھر

انسان کو اس سے پینے اور سیراب ہونے کا موقع دینا پانچویں نعمت ہے، کیوں کہ پانی کے موجود ہوتے ہوئے بھی ایسی آفتیں ہو سکتی ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی پینے پر قادر نہ ہو، آیت کریمہ ''فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝۲۲'' میں انہی نعماء الٰہیہ کی طرف اشارہ اور تنبیہ ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین (ملخص از معارف: ش،د)

ان آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پوری کائنات اور اس کا پورا نظام خود بخود قائم نہیں ہے، بلکہ قادر مطلق حکیم وعلیم ذات باری عزّ اسمہ نے اسے بنایا ہے اور پھر اس کو کنٹرول بھی کر رہا ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، نہ دیوی دیوتا، اور نہ ہی بڑا سا بڑا ولی و نبی۔

۱۳... خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ
الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ
فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ
وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا
بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ
لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ
مِنْهَا جَآىِٕرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ
الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ
وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ وَ مَا
ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ
تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ
لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ

تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ (النحل:۳-۱۷)

(آسمانوں کواور زمین کوحکمت سے بنایا، وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ انسان کونطفہ سے بنایا، پھر وہ یکا یک کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔ اور اسی نے چوپایوں کو بنایا، ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔ اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے، جب کہ شام کے وقت لاتے ہو اور جب کہ صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے۔ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کیے تا کہ تم ان میں سوار ہو اور نیز زینت کے لیے بھی، اور وہ ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔ اور سیدھا رستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور بعضے رستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو مقصود تک پہنچا دیتا۔ وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا، جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور جس سے درخت ہیں، جن میں تم چرنے چھوڑتے ہو۔ اس سے تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔ بیشک اس میں سوچنے والوں کے لیے دلیل ہے۔ اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند مسخر بنایا۔ اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بیشک اس میں عقلمند لوگوں کے لیے چند دلیلیں ہیں۔ اور ان چیزوں کو بھی جن کو تمہارے لیے اس طور پر پیدا کیا کہ ان کے اقسام مختلف ہیں۔ بیشک اس میں سمجھدار لوگوں کے لیے دلیل ہے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو مسخر بنایا تا کہ اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔ اور اس میں سے گہنا نکالو، جس کو تم پہنتے ہو۔ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور تا کہ تم خدا کی روزی تلاش کرو اور تا کہ شکر کرو۔ اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے تا کہ وہ تم کو لے کر نہ ڈگمگانے لگے، اور اس نے نہریں اور رستے بنائے تا کہ منزل مقصود تک پہنچ سکو، اور بہت سی نشانیاں بنائیں، اور ستاروں سے بھی لوگ رستہ معلوم کرتے ہیں۔ سو کیا جو شخص پیدا کرتا ہو وہ اس جیسا ہو جاوے گا جو پیدا نہیں کر سکتا، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔)

تشریح وتفسیر

مذکورہ آیات میں اللہ تعالی کے وجود، اس کی وحدانیت اور کمال قدرت وحکمت کے قسم قسم کے دلائل بیان فرمائے جارہے ہیں اور کمال قدرت کی ہر دلیل میں حق جل شانہ کی ایک خاص نعمت کا ذکر ہے، جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ رب اکرم تمہارا خالق بھی ہے اور منعم بھی، اور باوجود تمہاری نافرمانیوں اور سرکشیوں کے تمہارے عذاب اور سزا میں جلدی نہیں کرتا، تم کو چاہئے کہ نعمتوں سے منعم کو پہچانو، اس سے ڈرو، اس کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ یہ دلائل چند قسم کے ہیں:

قسم اول: زمین وآسمان کے تغیرات اور اس کے عجائب وغرائب سے استدلال فرمایا کہ ان کا ایک خاص اندازہ اور خاص مقدار پر پیدا کرنا، حالاں کہ اس کے خلاف بھی ممکن تھا، یہ اس کی کمال قدرت وحکمت کی دلیل ہے۔ تمام مخلوقات میں زمین وآسمان سب سے عظیم ہیں، اس لیے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر فرمایا۔ چناں چہ ارشاد ہے: ''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝۳ ''(اللہ تعالی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا) جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے (وہ بلند اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ نادان خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں)۔

خداوندِ قدیر نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا، عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے، یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے، یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کررہا ہے، یا اس پر کُدال چلا رہا ہے اور کھود کر اس میں تہہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے، کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم، نہ منتہیٰ معلوم، خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہوکر تیار ہوگئے اور ایک عظیم جسم خود بخود بلند ہوکر آسمان بن گیا اور دوسرا جسم خود بخود پست ہوکر زمین بن گیا، یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم عظیم بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا، یا کسی مادہ اور طبیعت کا، یا کسی ایتھر کا مقتضی ہے، تو کوئی مدعی فلسفہ وسائنس

بتلائے تو سہی کہ وہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے۔ فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور اور منتہاء کا پتہ نہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتابوں میں اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی زبان نبوت سے واضح طور پر خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوق خداوندی ہیں اور قدرتِ قدیمہ کا کرشمہ ہیں، نیز زمین وآسمان کا ہر جزو ہر ذرہ ذات باری کی خالقیت، خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے، تو پھر اس کو ماننے میں خلاف عقل کون سی بات ہے، جو اللہ کی خالقیت اور اس کی یکتا ئی کو تسلیم کرنے سے مانع ہے۔

قسم دوم: آسمان وزمین کے بعد انسان کی پیدائش اور اس کے احوال سے استدلال فرمایا کہ ایک قطرۂ آب سے ایک عجیب وغریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں، اس لیے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں، ان میں تفاوت نہیں ہوتا، انسان کی یہ عجیب وغریب پیدائش خدا کے کمال قدرت وحکمت کی دلیل ہے۔ انسان کا مادہ ایک ہے، مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں، کوئی جز سر ہے اور کوئی کان وآنکھ، کو ئی دل ہے اور کوئی پیٹ وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں، اس لیے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے، بلکہ یہ کسی علیم وقدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے، رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے، ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے، لھذا ماں باپ خالق نہیں بلکہ ذات حی وقیوم خالق ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝'' (اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا) جو ایک بے حس اور بے شعور چیز ہے اور پھر اس کو عقل اور سمجھ دی (پس وہ نکلا بڑا جھگڑالو) پیدا ہونے کے بعد خدا کی ذات وصفات میں جھگڑنے لگا اور اس کی تکذیب کرنے لگا اور جس نے پیدا کیا اسی کی بابت جھگڑنے لگا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک بے شعور اور بے حس قطرۂ آب سے ایسا ہوشیار اور سمجھدار انسان

کیسے بن گیا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک نطفہ جو نو ماہ مادرِ شکم میں رہا، خون حیض اس کی غذا رہی اور مختلف مراحل ومنازل طے کرنے کے بعد وہ پیدا ہوا اور پھر شیر خواری کی منزل سے جوان ہوا، یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء تھا، بلاشبہ یہ کسی قادر حکیم کی تدبیر اور تصویر تھی۔

قسم سوم: احوال انسانی کے بعد حیوانات کے احوال سے استدلال کیا، جو انسان کے کام آتے ہیں اور اس ضمن میں حیوانات کے جو فوائد اور منافع بیان فرمائے، ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی دلیل ہے اور ہر ایک مستقل نعمت ہے، جس کا شکر بندوں پر واجب ہے۔ اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اولاً ان حیوانات کا ذکر فرمایا جس کی انسان کو ضرورت ہے اور انسان کے کھانے کے کام آتے ہیں، جیسے: بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے، اس کے بعد ان چوپایوں کا ذکر کیا جو سواری کے کام آتے ہیں۔

ارشاد ہے: ''وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ ... اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۷﴾'' (اور خدا نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا، ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے) یعنی ان جانوروں کی اون اور بالوں سے ایسی پوشش تیار ہوتی ہے، جو تم کو جاڑے سے بچائے، اس کے علاوہ (کتنے فائدے ہیں) یعنی بیشمار منافع اور فوائد انسان کے جانوروں کے گوشت، چمڑے، ہڈی اور بالوں سے وابستہ ہیں۔ اس ابہام واجمال میں ان سب نئی سے نئی ایجادات کی طرف بھی اشارہ ہے، جو حیوانی اجزاء سے انسان کی غذاء، لباس، دواء وغیرہ کے قبیل سے اب تک ایجاد ہو چکی ہیں، یا آئندہ قیامت تک ہوں گی۔ (اور بعض کو تم ان میں سے کھاتے ہو) یعنی ان کے گوشت، چربی، دودھ اور گھی کو کھاتے ہو۔

(اور تمہارے لیے ان جانوروں میں رونق اور زینت بھی ہے، جب تم ان کو چرا کر شام کے وقت جنگل سے گھر واپس لاتے ہو) اس وقت تر وتازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں اور گھر میں خوب رونق اور چہل پہل ہے (اور جب صبح کے وقت ان کو چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو) اگرچہ اس وقت ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں مگر ان کا چراگاہ میں جانا بھی موجب زینت ہوتا ہے اور آنے جانے کے

وقت مالکان کی خاص شان وشوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

اس رونق وزینت کو سمجھنے کے لیے دیہات کے اس منظر کو ذرا خیال میں لائیے کہ دن چڑھ چکا ہے اور جانوروں کے ریوڑ، اچھلتے کودتے ہوئے اور خوش فعلیاں کرتے ہوئے بچھڑوں اور بچھیوں کے ساتھ ان کے مالک چراگاہوں اور جنگلوں کی طرف لیے جارہے ہیں اور اسی طرح شام کے جھٹپٹے میں چرائی سے خوب آسودہ ہوکر بڑے اور چھوٹے جانور مگن اور کلیلیں کرتے ہوئے گھر واپس ہورہے ہیں، مالک کے لیے یہ منظر کس قدر دِل کُشا ہوتا ہے اور مالکان کی خاص شان وشوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

(اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے) اونٹ اور بیل خاص طور سے انسان کی یہ خدمت بڑے پیمانے پر انجام دیتے ہیں۔ آج ریل گاڑیوں، ٹرکوں، ہوائی جہازوں کے زمانے میں بھی انسان ان جانوروں سے مستغنی نہیں، کتنے مقامات دنیا میں ایسے ہیں جہاں یہ تمام نو ایجاد سواریاں باربرداری کا کام نہیں دے سکتیں، وہاں پھر انہی کی خدمات حاصل کرنے پر انسان مجبور ہوتا ہے۔ جب یہ حال اس جہاز، ریل اور موٹر کے زمانے میں ہے، تو اس دور سے قبل جو غیر معمولی اہمیت چوپایوں کو رہی ہے، وہ بالکل ظاہر ہے۔

(بے شک تمہارا پروردگار شفقت کرنے والا مہربان ہے) کہ اس نے تمہاری راحت کے لیے یہ سامان پیدا کیا، جو تمہارے لیے سامان سفر بھی ہے اور سامانِ زراعت وحراثت بھی اور ان کا دودھ وگوشت تمہاری اعلیٰ غذا ہے اور ان کا صوف وبال تمہارا لباس ہے۔

قسم چہارم: ان چوپایوں کی پیدائش سے استدلال کیا، جو انسان کے لیے ضروری اور لابدی تو نہیں، مگر سواری، زیب وزینت اور شان وشوکت کا ذریعہ ہیں، اور ان سواریوں کی طرف بھی اشارہ فرمادیا جو اس وقت تک ظہور میں نہیں آئیں تھیں، بلکہ آئندہ چل کر ظاہر ہونے والی تھیں۔ جیسے ریل گاڑی، جہاز، اور موٹر وغیرہ، نزول آیت کے وقت یہ سواریاں موجود نہ تھیں اور لوگ اس وقت ان سے واقف نہ تھے۔

چناں چہ ارشاد ہے: ’’وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ ''اور اللہ تعالیٰ نے (تمہارے لیے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت ہوں) اور جس طرح وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے (اسی طرح وہ ان عجیب وغریب چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے)

آخر میں سواری کے تین جانور گھوڑے، خچر، گدھے کا خاص طور سے بیان کرنے کے بعد دوسری قسم کی سواریوں کے متعلق بصیغۂ استقبال فرمایا ''وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' یعنی اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا وہ چیزیں جن کو تم نہیں جانتے۔ اس میں وہ تمام نو ایجاد سواری گاڑیاں بھی داخل ہیں، جن کا زمانۂ قدیم میں نہ وجود تھا نہ کوئی تصور، مثلاً ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ، جو اب تک ایجاد ہو چکی ہیں اور وہ تمام چیزیں بھی اس میں داخل ہیں، جو آئندہ زمانے میں ایجاد ہوں گی، کیوں کہ تخلیق ان سب چیزوں کی درحقیقت خالق مطلق ہی کا فعل ہے۔ سائنس قدیم وجدید کا اس میں صرف اتنا ہی کام ہے کہ قدرت کی پیدا کی ہوئی دھاتوں میں قدرت ہی کی دی ہوئی عقل وفہم کے ذریعہ جوڑ توڑ کر کے اس کے مختلف کل پرزے بنا لے اور پھر اس میں قدرت الٰہیہ کی بخشی ہوئی ہوا، پانی، آگ وغیرہ سے برقی رَو پیدا کر لے، یا قدرت ہی کے دیئے ہوئے خزانوں میں سے پٹرول نکال کر ان سواریوں میں استعمال کر لے۔ سائنس قدیم وجدید مل کر بھی نہ کوئی لوہا، پیتل پیدا کر سکتے ہیں، نہ ایلومونیم قسم کی ہلکی دھاتیں بنا سکتی ہے، نہ لکڑی پیدا کر سکتی ہے، نہ ہوا اور پانی پیدا کرنا اس کے بس میں ہے۔ اس کا کام اس سے زائد نہیں کہ قدرت الٰہیہ کی پیدا کی ہوئی قوتوں کا استعمال سیکھ لے، دنیا کی ساری ایجادات صرف اسی استعمال کی تفصیل ہیں، اس لیے جب ذرا بھی کوئی غور وفکر سے کام لے تو ان سب نئی ایجادات کو تخلیقِ خالقِ مطلق کہنے اور تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل نظر ہے کہ پچھلی تمام اشیاء کی تخلیق میں لفظ ماضی ''خَلَقَ'' استعمال فرمایا گیا اور معروف سواریوں کا ذکر کرنے کے بعد بصیغۂ مستقبل ''یَخْلُقُ'' ارشاد ہوا ہے، اس تعبیرِ عنوان سے واضح ہو گیا کہ یہ لفظ ان سواریوں اور دوسری اشیاء کے متعلق ہے، جو ابھی معرض وجود میں نہیں آئیں اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ

اگلے زمانے میں کیا کیا سواریاں اور دوسری اشیاء پیدا کرنا ہے، ان کا اظہار اس مختصر جملے میں فرمادیا۔

حق جل شانہ یہ بھی کر سکتے تھے کہ آئندہ وجود میں آنے والی تمام نئی ایجادات کا نام لے کر ذکر فرمادیتے، مگر اس زمانے میں اگر ریل، موٹر، طیارہ وغیرہ کے الفاظ ذکر کر بھی دیئے جاتے، تو اس سے بجز تشویش ذہن کے کوئی فائدہ نہ ہوتا، کیوں کہ ان اشیاء کا اس وقت تصور کرنا بھی لوگوں کے لیے آسان نہ تھا اور نہ یہ الفاظ ان چیزوں کے لیے اس وقت مستعمل ہوتے تھے، کہ اس سے کچھ مفہوم سمجھا جا سکے۔

جملہ معترضہ: مذکورہ بالا آیات میں اللہ جل شانہ کی عظیم نعمتوں کا ذکر فرما کر توحید کے عقلی دلائل جمع کئے گئے، آگے بھی انہی نعمتوں کا ذکر ہے، درمیان میں بطور جملہ معترضہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدۂ قدیمہ کی بناء پر اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ لوگوں کے لیے وہ صراط مستقیم واضح کردے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے، اسی لیے نعماء الٰہیہ کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کے دلائل جمع کئے جارہے ہیں، تاکہ مصنوع اور مخلوق سے جو صانع اور خالق کا پتہ دیتے ہیں استدلال کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور اس کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں۔ لیکن اس کے برخلاف کچھ لوگوں نے دوسرے ٹیڑھے راستے بھی اختیار کر رکھے ہیں، وہ ان تمام واضح آیات اور دلائل سے کچھ فائدے نہیں اٹھاتے بلکہ گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

چناں چہ ارشاد ہے: ''وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾'' (اور) دلائل مذکورۂ سابقہ ولاحقہ سے جو (سیدھا رستہ) دین کا ثابت ہوتا ہے، وہ خاص (اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے) یعنی دین اسلام، جو اس راہ پر چلے گا، وہ اللہ تک پہنچ جائے گا (اور بعضے رستے) جو کہ دین کے خلاف ہیں (ٹیڑھے بھی ہیں) کہ ان سے اللہ تعالیٰ تک رسائی ممکن نہیں، پس بعض تو سیدھے رستہ پر چلتے ہیں اور بعض ٹیڑھے پر، جو خدا تک نہیں پہنچتے، وہ وہ ہیں جو دین اسلام کے سوا ہیں، مطلب یہ ہے کہ راہ توحید کے سوا کوئی راستہ ایسا نہیں کہ جس پر چل کر بندہ خدا تک پہنچ سکے۔ اسلام کے سوا جو

راستے ہیں جیسے یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، نیچریت اور بت پرستی وغیرہ وغیرہ یہ سب راستے ٹیڑھے ہیں، ان پر چل کر خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا۔

(اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو) منزل (مقصود پر پہنچا دیتا) یعنی اگر اللہ تعالی چاہتے کہ سب کو سیدھے راستہ پر مجبور کر کے ڈال دیں، تو ان کے اختیار میں تھا، مگر حکمت ومصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ جبر نہ کیا جائے، دونوں راستے سامنے کر دیئے جائیں، چلنے والا جس راستہ پر چلنا چاہے چلا جائے۔ صراط مستقیم اللہ تعالی اور جنت تک پہنچائے گا اور ٹیڑھے راستے جہنم پر پہنچائیں گے، انسان کو اختیار دے دیا کہ جس کو چاہے انتخاب کر لے۔

قسم پنجم: پھر اپنی نعمتوں کے بیان کو شروع کرتے ہیں، جو اس کی توحید اور خالقیت پر دلالت کرتی ہیں اور عجائب حیوانات کے بعد عجائب نباتات سے اپنی قدرت وحکمت پر استدلال فرماتے ہیں ''هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمۡ . . . اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾'' (وہی ہے) رب تمہارا (جس نے آسمان سے پانی اتارا) تمہارا اسی سے پینا ہے (اور اسی سے تمہارے لیے درخت اور گھاس اُگتے ہیں، جس میں تم اپنے مویشی چراتے ہو) اسی پانی سے (اللہ تعالی تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اُگاتا ہے، بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے ہماری قدرت اور وحدانیت کی نشانی ہے) جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور تری سے پھول کر پھٹا اور اس سے سوئیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف، حالاں کہ زمین اور پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب وعلل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے، جو اس میں غور وفکر کرلے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی کاری گری اور کرشمہ سازی ہے۔

الحاصل یہ قسم قسم کی نباتات اس کی قدرت کاملہ کی واضح اور روشن دلیلیں ہیں، جن کی ماہیت وحقیقت اور ان کی خاصیت وکیفیت دریافت کرنے سے بڑے بڑے حکماء

کی عقلیں عاجز ہیں۔

قسم ششم: احوال نباتات کے بعد اب شمس وقمر، کواکب وسیارات کے احوال سے استدلال کرتے ہیں کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ جائے کہ کھیتوں اور پھلوں کا پکنا شمس وقمر اور کواکب وسیارات کی تاثیر سے ہے، بلکہ اللہ تعالی کے قدرت اور ارادہ سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ . . . لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝'' (اور رات اور دن کو، سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا) یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دن اور رات کی آمد ورفت اور چاند وسورج کے طلوع وغروب، اور اوقات کے بدلنے سے کارخانۂ عالم چل رہا ہے اور (سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں) اور اللہ تعالی کے حکم سے ایسی چال پر چلتے ہیں جو خدا تعالی نے ان کے لیے مقرر کردی ہے، اور انسان ان سے اوقات وفصول کو معلوم کرتا ہے۔ پس فلاسفہ اور منجمین کا یہ قول کہ عالم سفلی کا کارخانہ، کواکب اور نجوم کی تاثیر اور تصرف سے چل رہا ہے، غلط ہے، سب اللہ تعالی کے حکم کے سامنے مقہور اور مسخر ہیں، سب اس کے بیگاری ہیں، جس کام میں لگا دیا اس میں لگے ہوئے ہیں (بے شک اس میں عقل والوں کے لیے) ہماری قدرت ویکتائی کی (نشانیاں ہیں) کہ آفتاب وماہتاب اور کواکب ونجوم سب اجسام ہیں، مگر سب مختلف اور متفاوت ہیں، حالاں کہ من حیث الجسم ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ تفاوت جسمیت کی وجہ سے نہیں، بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ستارے کسی کے حکم کے تابع نہیں، بذات خود عالم سفلی میں مدبّر اور متصرف ہیں، یہ لوگ بے عقل ہیں۔ جس کو اللہ تعالی نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی وہ سمجھتا ہے کہ چاند، سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے ہیں، پس جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی خدا تعالی ہے اور چوں کہ آثار علویہ کی دلالت قدرت قاہرہ پر ظاہر وباہر ہے، اس لیے اس آیت کو عقل پر ختم فرمایا۔

قسم ہفتم: اس کے بعد اشجار ونباتات کے اختلافِ الوان سے استدلال فرمایا کہ نباتات کے الوان (رنگتوں) کا مختلف ہونا طبیعت کا اقتضاء نہیں، بلکہ کسی علیم وقدیر کی

قدرت وحکمت کا کرشمہ ہے۔ارشاد ہے:''وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ ''(اور مسخر کر دیا اللہ تعالی نے جو کچھ اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا، حالاں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں) جتنی چیزیں اللہ تعالی نے زمین میں پیدا کیں، انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ چیزیں صورت وشکل اور رنگ وبو کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔اس سے بھی اللہ تعالی کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے، اگر کواکب اور نجوم کی تاثیر ہوتی تو سب نباتات ایک رنگ کے ہوتے، ان مخلوقات میں (اللہ تعالی کی قدرت اور الوہیت کی نشانی ہیں لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں اور غافل نہیں)۔ذرا غفلت کا پردہ اٹھا تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کا پتہ چلا لیا، اس لیے اس آیت کو تذکر پر ختم فرمایا، کیوں کہ ان کی دلالت اس قدر واضح ہے کہ اس میں دقیق نظر وفکر کی حاجت نہیں، محض تذکر اور یاددہانی کافی ہے۔

قسم ہشتم: استدلال باحوال کائنات بحریہ کہ اللہ تعالی نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا کہ تم اس سے دریائی جانوروں کو پکڑتے ہو، قسم قسم کے جواہر نکالتے ہو اور کشتیوں کے ذریعے اس میں سفر کرتے ہو۔چنانچہ فرماتے ہیں:''وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴ ''(اور وہ وہ ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کیا، تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ) یعنی مچھلی نکال کر کھاؤ، سمندر کا پانی شور ہے، مگر مچھلی جو اس سے نکلتی ہے اس کا گوشت شور نہیں، یہ بھی اللہ تعالی کی کمال قدرت کی دلیل ہے کہ شور میں سے ایک لذیذ چیز تمہارے کھانے کے لیے نکال دی (اور تا کہ تم اس سمندر سے زیور نکالو) یعنی موتی اور مرجان نکالو (جس کو تم پہنتے ہو) یعنی تمہاری عورتیں، چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے لیے ہوتی ہے، اس لیے حق تعالی نے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی (اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو کہ چیرتی چلی جاتی ہیں) کشتی کا ایک ہی ہوا سے ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا یہ اللہ تعالی کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لیے ہے (تا کہ اس کے فضل سے

روزی تلاش کرو) یعنی تم کشتیوں پر سوار ہو کر تجارت کرو اور فضل الٰہی سے نفع کماؤ (اور تا کہ تم اللہ عزّوجل کی شکر گزاری کرو) کہ یہ دریا کی تسخیر اور کشتی کی ترکیب اور تمہارا اس سے سفر یہ سب اللہ تعالی کی نعمت ہے، جس کا شکر واجب ہے۔

قسم نہم: استدلال باحوال کائنات ارضیہ جیسے پہاڑ اور نہریں۔ ارشاد ہے ''وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ'' (اور اسی نے تمہارے لیے زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے، کہ وہ زمین تم کو لے کر حرکت نہ کرے) ابتداء میں زمین جنبش کرتی تھی، اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے اس پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا اور پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا دیا، تا کہ زمین حرکت نہ کر سکے، چنانچہ اس کی جنبش اور اضطراب میں سکون آ گیا۔ یہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ اس نے ایک جسم کو خفیف بنایا اور ایک جسم (پہاڑ) کو ثقیل بنایا۔ (اور اللہ تعالی نے زمین میں نہریں پیدا کیں) جیسے نیل وفرات، جیحون وسیحون اور اکثر دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں (اور پیدا کی زمین میں راہیں) اور راستے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو، ان دلائل میں غور کرو (کہ شاید تم اپنی منزلِ) مقصود (کی راہ پالو) اور راستوں کی شناخت کے لیے اللہ نے (اور بھی نشانیاں رکھی ہیں) جن سے چلنے والے راستہ معلوم کرتے ہیں، اگر زمین کی ساری سطح یکساں ہوتی، کہیں درخت اور پہاڑ اور یہ نشان نہ ہوتے تو مسافر کو راستہ چلنا اور منزل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

قسم دہم: استدلال باحوال نجوم فلکیہ ''وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾'' (اور علاوہ ازیں (ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کر لیتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ صرف زمین ہی کی چیزیں راستوں کی علامتیں نہیں، بلکہ لق ودق میدانوں میں ستارے بھی راستوں کی علامتیں ہیں کہ قافلے ان کی سیدھ میں چلتے ہیں، سمت اور رخ اور راستوں کا پتہ ستاروں کے ذریعے چلتا ہے، اگر یہ علامتیں نہ ہوتیں تو بہت مشکل پڑ جاتی۔

اس عنوان میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کی تخلیق کا اصل مقصد تو کچھ اور ہے، اس کے ساتھ ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ ان سے راستے بھی پہچانے جاتے ہیں۔

تہدید براعراض از دلائل واضحہ :اب ان دس دلائل کے بعد مشرکین کی مذمت فرماتے ہیں کہ جب ان دلائل اور براہین سے یہ واضح ہو گیا کہ اس کائنات اور اس میں موجود تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالی ہے اور شمس وقمر، شجر وحجر اور حیوانات وغیرہ میں کوئی شان ربوبیت والوہیت نہیں، یہ کسی چیز کے خالق نہیں بل کہ سب اللہ تعالی کی مخلوق ومربوب ہیں، انسان ہی کے نفع وخدمت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں، نہ کہ الٹا انسان کے مخدوم ودیوتا بننے کے لیے۔تو ان مشرکین کو کیا ہوا کہ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے۔کیا ان نادانوں کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھیں کہ لائق عبادت وہ ذات پاک بابرکات ہے، جو ان عجائب وغرائب کا خالق ہے اور جو چیز کسی شئ کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو بلکہ خود پیدا کی ہوئی ہے، وہ کیسے لائق عبادت ہو سکتی ہے۔

چناں چہ فرماتے ہیں: ''اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱۷﴾ ''(پس کیا جو) خدا ان اجرام علویہ سفلیہ، حیوانات عجیبہ، نباتات غریبہ اور مصنوعات عظیمہ کو (پیدا کرتا ہے، مثل ان بتوں کے ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے، پس کیا تم سوچتے نہیں) کہ خالق اور غیر خالق کا برابر ہونا عقلاً محال ہے۔

(ملخص از معارف القرآن مولانا ادریس صاحب ومفتی شفیع صاحب، بیان القرآن، تفسیر ماجدی)

۱۴۔۔۔وَ اللّٰہُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ
اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَ اِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ
نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
لِّلشّٰرِبِیۡنَ ﴿۶۶﴾ وَ مِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡہُ سَکَرًا وَّ
رِزۡقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی
النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾
ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ
بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً
لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ (النحل:۶۵-۶۹)

(اور اللہ تعالی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا، اس میں ایسے لوگوں کے لیے بڑی دلیل ہے جو سنتے ہیں۔ اور تمہارے لیے مواشی میں بھی غور درکار ہے، ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اس کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی دلیل ہے جو عقل رکھتے ہیں۔ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنائے اور درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے چوستی پھر، پھر اپنے رب کے رستوں میں چل جو آسان ہیں، اس کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے، جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں۔)

تشریح وتفسیر

ان آیات میں، اور آگے آنے والی اسی سورت کی مزید چند آیتوں میں بہ پیرایۂ انعامات دلائل توحید کو بیان فرماتے ہیں، یہ دلائل دلائل معاد بھی ہیں، دلائل قدرت، دلائل ہدایت اور دلائل رحمت بھی ہیں، ان آیات میں اللہ تعالی نے قسم قسم کے انعامات کو ذکر فرمایا ہے، جو علاوہ نعمت ہونے کے اس کے کمال علم، کمال قدرت اور کمال حکمت کے بھی دلائل ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۠﴿۶۵﴾'' (اور اللہ تعالی نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس پانی سے زمین کو بعد خشک اور مردہ ہوجانے کے زندہ فرمایا) زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی برسا کر اس میں قوت نمو پیدا کی اور اس سے کھیتی اور سبزہ اُگایا (بے شک اس میں) یعنی آسمان سے بارش نازل کرنے میں اور پھر بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے میں ہماری کمال قدرت کی (نشانی ہے، ان لوگوں کے لیے جو) دل کے کانوں سے ہمارے قرآن کی آیتیں (سنتے ہیں) اور جو لوگ صرف کانوں سے سنتے ہیں اور دل سے متوجہ نہیں

ہوتے، ان کو آیات قرآنی سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔ بلاشبہ اوپر سے پانی برسانا اور اس سے خشک زمین وغیرہ کو از سرِ نو سرسبز وشاداب کر دینا جو روز مرہ کا مشاہدہ ہے، یہ کام سب حق تعالیٰ ہی کا ہے، اور اس کے وجود، کمال قدرت اور یکتائی پر دلیل ہے۔ نباتات کی حیاتِ تازہ ونو سے حشر وبعثِ اجساد کی طرف ہر فطرت سلیم والے کا ذہن آسانی سے منتقل ہوسکتا ہے۔

''وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶ ''(اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے) اگر تم ان میں غور وفکر کرو تو جہالت سے گزر کر علم اور معرفت کے مقام تک پہنچ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو معلوم کرلو (پلاتے ہیں ہم تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے) یعنی ہم ان چوپایوں کے پیٹ میں سے تمہارے لیے غذا پیدا کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پیٹ میں سوائے گوبر اور خون کے کیا ہے ، اور ہم اپنی کمال قدرت سے (گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں ، جو پینے والوں کے لیے نہایت لذیذ اور خوش گوار ہوتا ہے) یعنی باوجودے کہ دودھ، گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے، مگر بایں ہمہ خالص سفید ہوتا ہے اور خون اور گوبر کی آمیزش سے بالکلیہ پاک وصاف ہوتا ہے، اس کی بو اور مزہ میں ذرہ برابر خون اور گوبر کا اثر نہیں ہوتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ دونا پاک اور گندی وبدبودار چیزوں کے درمیان سے کیسی عمدہ غذا پیدا فرمادی۔

مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت میں غور کرو ہم تم کو دودھ جیسی عمدہ غذا پلاتے ہیں جو خون اور گوبر کی نجاست وکدورت کے شائبہ سے خالص اور پاک ہوتی ہے، نیز وہ دودھ آسانی سے حلق میں اتر جاتا ہے، لذیذ اور خوش گوار ہے، ہضم بھی خوب ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ جب جانوروں کے شکم میں گھاس وغیرہ پہنچتی ہے تو ہضم اور طبخ کے بعد کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ پیشاب بن جاتا ہے، خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آجاتا ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے مخرج سے نکلتی ہے دوسری چیز کے

ساتھ نہیں ملتی۔ یہ سب اللہ تعالی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ شکم حیوان سے جوخون اور گوبر کا منبع ہے، اس سے خالص دودھ نکالتا ہے اور اس عمدہ غذا سے تم کو سیراب کرتا ہے، جس میں نہ خون کی رنگت ہے اور نہ گوبر کی بدبو ہے، جیسا کہ ماں کے پستان میں خون ہوتا ہے ،اللہ تعالی نے اپنی لطیف حکمت سے سر پستان میں ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا فرما دیا اور مسامات تنگ کر دیئے ،اس میں سے دودھ چھن کر اور صاف ہو کر نکلتا ہے، جو بچہ کے لیے بہترین لطیف غذا ہے، یہ صنعت سوائے خداوند قدیر کے کون کر سکتا ہے، پس جس نے تمہارے لیے یہ نعمت پیدا کی اسی کی پرستش کرو۔

''وَ مِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡہُ سَکَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ ''من جملہ دلائل قدرت والوہیت یہ ہے کہ (تم کھجور اور انگور کے پھلوں سے مست کرنے والی شراب بناتے ہو اور اچھی روزی بناتے ہو) جیسے خرمائے خشک، کشمش، کھجور، انگور کا شیرہ اور سرکہ، بے شک (ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں، اللہ کی قدرت کی نشانی ہے) آخر یہ چیزیں کس نے بنائیں اور کس نے اس میں شیرینی ولذت پیدا کی۔

نوٹ: یہ آیت کریمہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی، مگر اس میں شراب کی حرمت کی طرف اشارہ موجود ہے، کیوں کہ ''سکراً'' کو ''رزق حسن'' (اچھی روزی) کے مقابلہ میں ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی روزی نہیں اور یہی معنی حرام کے ہیں۔ اللہ تعالی نے اس امت پر خاص عنایت فرمائی کہ ان کی عقلوں کی حفاظت کے لیے شراب کو حرام کر دیا۔

''وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿ۙ۶۸﴾ ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ '' گزشتہ آیت میں حیوانات چرند سے خالص دودھ نکالنے کو بیان فرمایا، اب حیوانات پرند میں سے شہد کی مکھی کے منافع بیان فرماتے ہیں (اور الہام کیا تیرے

پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف) یعنی ان کے دل میں ڈالا کہ (تم پہاڑوں میں اور درختوں میں اور جہاں چھتریاں ڈالتے ہیں اپنا گھر بناؤ) یعنی ایسی بلند اور اونچی جگہ پر اپنا چھتہ بناؤ جہاں ہر ایک کا ہاتھ نہ پہنچے (پھر) اس کو یہ القاء ہوا کہ (تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا) یعنی ان کو چوس (پھر) تیسری بات اس کو یہ القاء ہوئی ہے کہ (تو اپنے پروردگار کی ان راہوں پر چل، جو اس نے تیرے لیے مسخر اور آسان کی ہیں) تجھے ان راہوں پر چلنا دشوار نہیں۔ اب آگے اس کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ (ان مکھیوں کے پیٹوں سے) یعنی مونہوں سے (ایک پینے کی چیز نکلتی ہے) یعنی شہد (جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں) یعنی سفید، سرخ، زرد اور سبز نیز (اس شہد میں لوگوں کی مختلف بیماریوں کے لیے شفا ہے، بے شک شہد کی مکھی میں قدرت ربانی کی کھلی نشانی ہے، اس گروہ کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں)۔

اسی ایک شہد کی مکھی میں اللہ تعالی کی قدرت والوہیت کے بہت سے دلائل ہیں، بشرطے کہ غور کریں، جو شخص شہد کی مکھی کے عجیب وغریب احوال میں ذرا بھی غور کرے گا، وہ ایک فاعل مختار اور قادر کردگار کے وجود سے انکار نہیں کرسکتا۔

(۱) شہد کی مکھی سے اللہ تعالی کی کمال قدرت کا اظہار ہوتا ہے کہ حقیر وذلیل مکھی سے کیسی عمدہ، لذیذ اور صحت بخش چیز اللہ تعالی نے نکالی۔

(۲) اس کے چھتوں کے خانوں سے بھی حیرت ہوتی ہے، ہر ایک خانہ مسدس مساوی الاضلاع ہوتا ہے اور آپس میں سب برابر ہوتے ہیں، گویا کہ پرکار سے بنائے گئے ہیں، یہ بات بدون الہام خداوندی ممکن نہیں۔

(۳) نیز شہد کی مکھیوں پر ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے، جس کا حکم سب مکھیاں مانتی ہیں، یہ ملکہ جثہ اور خلقت میں دوسری مکھیوں سے بڑی ہوتی ہے اور چھتے کی تمام مکھیاں اس کی فرماں بردار ہوتی ہیں، چھتوں کے دروازوں پر دربان اور چوکیدار ہوتے ہیں جو مکھیوں اور کیڑوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔

(۴) قسم قسم کے پھلوں کا رس چوسنے کے لیے دور دور جاتی ہیں اور اپنے مکان

اور راستے کو نہیں بھولتیں، نیز ایک چھتے کی مکھیاں دوسرے چھتے پر نہیں جاتیں۔

(۵) یہ وہ عجیب وغریب خواص ہیں، جن کا حصول بغیر الہامِ الٰہی ممکن نہیں، پھر اس میں سے شہد نکلتا ہے، جس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شہد کی مکھی قدرت خداوندی کا ایک عجیب کرشمہ ہے اگر کسی کے کاٹ لے تو بلبلا اٹھے، یہ تو اس کی سمیت ہوئی اور اس کا شہد تریاق اور شفاء عظیم ہے۔(معارف: د، ماجدی)

۱۵... وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۟ۙ (النحل:۷۲)

(اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے بی بیاں بنائیں اور ان بیبیوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں کیا پھر بھی بے بنیاد خبر پر ایمان رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے رہیں گے۔)

تشریح وتفسیر

(اور) من جملۂ دلائلِ قدرت ووجوہ نعمت یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے) تمہاری جنس سے (تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں اور پھر تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کئے) تاکہ تمہاری نوع اور نسل باقی رہے (اور پاکیزہ اور لذیذ چیزوں میں سے تمہیں رزق دیا) تاکہ تمہارا وجود شخصی باقی رہ سکے۔ تمہاری راحت وآرام کے لیے بیبیاں پیدا کیں اور خدمت کے لیے اولاد دی کہ تمہاری خدمت کرے اور تمہارے بعد تمہاری نسل باقی رہے اور بقا اور زندگی کے لیے پاکیزہ چیزیں تم کو عطا کیں، کیوں کہ بقا اور زندگی رزق پر موقوف ہے (کیا) توحید کے ان دلائل واضحہ کے بعد بھی (یہ لوگ بے حقیقت اور بے بنیاد چیز پر اعتقاد اور ایمان رکھتے ہیں) باطل سے مراد شرک اور بت پرستی ہے (اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں) کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں: یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا، یا بیٹا دیا، یا روزی دی اور یہ سب جھوٹ ہے وہ جو سچ دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں۔ (معارف: د)

۱۶... اَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۞ وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُیُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَہَا یَوۡمَ ظَعۡنِکُمۡ وَ یَوۡمَ اِقَامَتِکُمۡ ۙ وَ مِنۡ اَصۡوَافِہَا وَ اَوۡبَارِہَا وَ اَشۡعَارِہَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ۞ وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡجِبَالِ اَکۡنَانًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمُ الۡحَرَّ وَ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمۡ بَاۡسَکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ۞

(النحل:۷۹-۸۱)

(کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے میدان میں مسخر ہو رہے ہیں ان کو کوئی نہیں تھامتا بجز اللہ کے، اس میں ایمان والے لوگوں کے لیے چند دلیلیں ہیں۔ اور اللہ تعالی نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے، جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پاتے ہو، اور ان کے اون اور ان کے رووں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت تک کے لیے بنائیں۔ اور اللہ تعالی نے تمہارے لیے اپنی بعضے مخلوقات کے سایے بنائے اور تمہارے لیے پہاڑ میں پناہ کی جگہیں بنائیں، اور تمہارے لیے ایسے کُرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کریں اور ایسے کُرتے بنائے جو تمہاری لڑائی سے تمہاری حفاظت کریں، اللہ تعالی تم پر اسی طرح اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تا کہ تم فرماں بردار ہو۔)

تشریح و تفسیر

"اَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ ... یُّؤۡمِنُوۡنَ ۞" اور من جملہ دلائل قدرت کے خلا میں اڑنے والے پرند بھی ہیں (کیا لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کی جو بحکم خداوندی

آسمان کے خلاء) یعنی ہوا (میں معلق ہیں، اللہ تعالی کے سوا ان کو اور کوئی اس خلا میں تھامے ہوئے نہیں، بیشک اس تسخیر میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں) وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ تعالی کی قدرت اور وحدانیت کو سمجھ جاتے ہیں اور جو مؤمن نہیں وہ ان نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔ حق تعالی نے اپنی قدرت سے پرندوں کو عجیب طور سے پیدا کیا کہ ان کے دو بازو ہیں، ان کو پھیلا کر ہوا میں اڑتے ہیں اور ان میں اڑنے کی قوت پیدا کی، وہ پر پھیلا کر ہوا میں اس طرح اڑتے ہیں جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہے اور سوائے اللہ تعالی کے کوئی چیز ان کو ہوا میں روکنے اور تھامنے والی نہیں، نہ اوپر سے کوئی چیز پکڑے ہوئے ہے اور نہ نیچے سے ان کو کوئی چیز تھامے اور سہارا دیئے ہوئے ہے، ورنہ ان کے ثقل جسمانی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اوپر سے نیچے گر پڑتے۔ ان کا جسم ثقیل ہوائے لطیف کو چیرتے ہوئے اوپر چڑھتا ہے اور اڑتا ہے، پھر ہوا کو چیرتا ہوا نیچے اترتا ہے۔ اس عجیب وغریب تسخیر میں اللہ تعالی کی قدرت وحدانیت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ غرض یہ کہ پرندوں کا ہوا میں معلق رکنا اس کی قدرت کا کرشمہ ہے، شیفتگان اسباب وعلل ودلدادگان فلسفہ ان چیزوں کے جو اسباب طبعی بیان کرتے ہیں وہ سب بادر ہوا ہیں اور ان کی کوتاہ نظری وکج عقلی کی نشانیاں ہیں۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں کہ: آیت میں ضمناً طیور پرستی کی بھی تردید آ گئی، یعنی پرند غریب معبود ہونے کی صلاحیت تو کیا رکھتے، اپنے کو ہوا میں سنبھال بھی نہیں سکتے بغیر اذن خداوندی کے۔ مشرک قوموں نے پرندوں تک کو بھی بغیر معبود بنائے نہیں چھوڑا، باز، شکرہ، الّو اور بہت سے پرندوں کی پرستش ہو چکی ہے۔ بھجنگا، راج ہنس، نیل کنٹھ وغیرہ کا تقدس تو آج بھی ہندوستان میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا... وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝'' (اور) من جملہ دلائل قدرت والوہیت یہ ہے کہ (اللہ تعالی نے تمہارے لیے حالت حضر میں تمہارے گھروں میں سے جائے سکونت بنائی) جہاں تم آرام کر سکو، انسان معاش کے لیے حرکت کرتا ہے اور حرکت کے بعد اس کو سکون کی حاجت ہوتی ہے، تو اس نے

تمہارے لیے بیوت اور مساکن بنا دیئے (اور) حالت سفر میں (چوپایوں کی کھالوں سے اس نے تمہارے لیے گھر بنا دیئے) یعنی خیمے (تم ان کو اپنے سفر کے دن اور حالت حضر میں ہلکا پاتے ہو) اور بے تکلف اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو، مٹی اور پتھر کے گھروں میں یہ بات حاصل نہیں۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں: یہ خیمے اور ڈیرے محض تعیش کا سامان نہیں اور صرف شکار وغیرہ تکلفات ہی کے کام نہیں آتے، بلکہ دنیا کی ایک خاصی بڑی آبادی کا مستقل مسکن بھی ہیں۔ عرب اہل بادیہ نے جس طرح نسلوں پہ نسلیں خیموں، ڈیڑوں ہی میں گزار دیں، اہل تاریخ پر مخفی نہیں، یہود کی بھی قدیم عربی نسل مدتوں خیمہ بدوش ہی رہی، آج بھی دنیا کی نیم وحشی ''خانہ بدوش'' قوموں میں سے اکثر کا اور بڑی سے بڑی متمدن قوموں کے ایک خاصے حصہ کا گزر خیموں ہی پر رہا کرتا ہے، توریت میں بھی خیموں ڈیروں کے حوالے کثرت سے آئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی نے اپنے فضل واحسان سے ہماری آسائش کے لیے ہمیں رہنے کو دو گھر دیئے، ایک تو وہ جو مٹی اور پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے، دوسرے وہ گھر جنھیں جہاں چاہیں لے جائیں جیسے خیمے، جو سفر اور حضر دونوں حال میں آسان اور ہلکے ہیں، یہ سب اللہ تعالی کا فضل اور احسان ہے (اور اللہ نے تمہاری آسائش کے لیے بھیڑوں کے بالوں اور اونٹوں کے بالوں سے اثاثہ اور سامان منفعت بنایا، جس سے تم ایک وقت اور مدت تک نفع اٹھاؤ) یعنی ان کے کہنہ ہو نے تک یا وقت موت تک اس سامان سے نفع اٹھاؤ۔

''وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا'' (اور) من جملہ دلائل قدرت والوہیت یہ امر ہے (اللہ تعالی نے تمہاری راحت اور محافظت کی چیزوں کو پیدا کیا، چنانچہ (تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے بعض سے تمہارے لیے سایہ بنا دیا) جس سے تم گرمی اور سردی اور برف و باراں وغیرہ کی تکلیف سے بچتے ہو۔ سایہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے سایہ میں آدمی رہتا ہے، جیسے مکان، دیوار اور درخت وغیرہ، اگر وہ اپنی

رحمت سے سایہ دار چیزیں نہ پیدا کرتا تو سردی اور گرمی سے حفاظت مشکل ہوجاتی۔

''وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا'' (اور) من جملہ دلائل قدرت والوہیت یہ امر ہے کہ (اللہ تعالی نے تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپ رہنے کو جگہیں بنائیں) یعنی غار وغیرہ بنائے، جہاں سردی، گرمی، بارش اور دشمن وموذی جانور سے محفوظ رہ سکے اور جس میں گھر بنانے کی استطاعت نہ ہو وہ وہاں پناہ لے سکے، یہ سامان حفاظت بھی اسی کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ ہے۔

''وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ'' (اور) من جملہ دلائل قدرت وو جوہ نعمت یہ ہے کہ (اس نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں) سرابیل سے مطلق لباس مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تم کو گرمی سے بچاتا ہے اور سردی سے بھی بچاتا ہے۔ مگر آیت میں ایک شق کو بیان کردیا تو دوسری شق کو اس پر قیاس کرلیا جائے۔ چوں کہ عرب میں گرمی کی شدت تھی، اس لیے آیت میں صرف ''حر'' کا ذکر فرمایا اور ''برد'' کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز اللہ تعالی نے مختلف مواضع میں اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کسی جگہ گرمی سے حفاظت کا ذکر فرمایا اور کسی جگہ سردی کے سامانِ حفاظت کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ اسی سورت کے شروع میں ارشاد ہے ''وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝'' (اور اسی نے چوپایوں کو بنایا، ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو) یہاں لباس کے ذریعہ سردی سے بچنے اور گرمی حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ نیز گرمی سے حفاظت اور بچاؤ کا سامان برودت ہی حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے، اس لیے ''تَقِيْكُمُ الْحَرَّ'' میں ''حر'' کے ذکر پر اکتفاء کیا اور اس طرح نہیں فرمایا ''تَقِيْكُمُ الْحَرَّ و البَرْدَ''۔

(اور) اللہ تعالی نے تمہارے لیے (ایسے کرتے بھی بنائے جو تم کو آپس میں لڑائی کی زد سے بچائیں) جیسے زرہیں اور جو ہتھیار جنگ میں بچاؤ کے لیے پہنے جاتے ہیں۔

''كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝'' اب ان دلائل قدرت

ووجوہ نعمت کے بیان کے بعد فرماتے ہیں (اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے، تاکہ تم اس منعمِ حقیقی کے سامنے گردن جھکادو) اور ہر بن مُو سے زبانِ شکر بن جاؤ۔ (معارف: د، ماجدی)

۱۷۔۔۔ وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝۱۲ (بنی اسرائیل: ۱۲)

(اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا کہ اپنے رب کی روزی تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرلو۔ اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔)

تشریح وتفسیر

رات اور دن کا پیدا کرنا انسان کے لیے آسائش کا باعث ہے، ہر ایک سے جدا جدا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور قسم قسم کے یہ فوائد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے بھی ہیں، اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بھی ہیں، اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان کا کبھی ہدایت کی طرف اور کبھی ضلالت کی طرف منتقل ہونا ایسا ہے جیسا کہ یہ عالم کبھی نور کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کبھی ظلمت کی طرف، نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان جلد بازی نہ کرے لیل ونہار سے عبرت پکڑے، زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا کبھی راحت ہے اور کبھی مصیبت۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(اور ہم نے رات کو اور دن کو اپنی قدرت کی دو نشانیاں بنایا) یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ہر ایک دوسرے کے پیچھے لگا چلا آرہا ہے، آخر یہ چکر کس نے چلایا۔ اور دین ودنیا کی مصلحتیں ان دونوں سے وابستہ ہیں۔ اول تو لیل ونہار کا بنانا ہی خدا کی قدرت کی نشانی ہے، پھر قدرت کی دوسری نشانی یہ ہے کہ (ہم نے رات کی نشانی کو) یعنی چاند کو (مدھم اور دھندلا بنایا اور دن کی روشنی) یعنی سورج کو (ہم نے درخشاں اور روشن بنایا) چاند رات کی نشانی ہے اور سورج دن کی ہے۔ اگر

چانداورسورج نہ ہوتے تو دن رات یکساں ہوتے اورایک دوسرے کی شناخت نہ ہوسکتی۔
بعض علماء یہ تفسیر کرتے ہیں کہ:''آیَۃَ اللَّیۡلِ''اور''آیَۃَ النَّھَارِ''سے چانداور سورج مرادنہیں بلکہ خودرات اوردن مراد ہے،اور''آیَۃَ اللَّیۡلِ''و''آیَۃَ النَّھَارِ'' کی اضافت بیانیہ ہے،مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کے دونمونے بنائے،قدرت کی ایک نشانی یعنی رات مٹی ہوئی ہے یعنی اندھیری اور بے نور ہے،جس میں کوئی چیزنظرنہیں آتی۔قدرت کی دوسری نشانی یعنی دن وہ روشن ہے،سب چیزیں اس میں بے تکلف دکھائی دیتی ہیں،تا کہ تم دن کی روشنی میں (اپنے پروردگار کا فضل)یعنی روزی (تلاش کرواور) تا کہ تم دن رات کی آمدورفت،اختلاف الوان،اختلاف مقداراوراختلاف مبداء ومنتہی سے (برسوں کا شماراوردیگرامور کا حساب کتاب معلوم کرو)اگردن رات نہ ہوتے تو اوقات کا حساب ناممکن ہوجاتا،نہ ساعات،نہ دن،نہ مہینے،نہ سال اورلوگوں کے تمام کام درہم برہم ہوجاتے۔یہ دونوں یعنی لیل ونہاراللہ تعالی کی قدرت کی دلیل ہیں،خودبخودوجودنہیں ہوگئے،ان دونوں کا ایک خاص صفت،خاص کیفیت،خاص مقداراورخاص کمیت کے ساتھ موجودہوناایک خاص طریقے پر یکے بعددیگرے اِن کی آمدورفت،ان کی یہ صفت اوریہ کیفیت نہ کوئی امرعقلی ہے،نہ امرطبعی اورنہ امراتفاقی۔ معلوم ہواکہ کسی ایسے قادرحکیم کی کاری گری ہے جوہماری نظروں سے پوشیدہ ہےاورخود چانداورسورج بھی خدائے قدیر کی قدرت کی نشانی ہیں(اورہرچیزکوہم نے کھول کربیان کردیاہے)اوربندوں پرحجت پوری کردی ہے۔(معارف:د)

۱۸... وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا ﴿۷۰﴾

(بنی اسرئیل:۷۰)

(اورہم نے آدم کی اولادکوعزت دی اورہم نے ان کوخشکی اوردریامیں سوارکیا اورنفیس نفیس چیزیں ان کوعطافرمائیں اورہم نے ان کواپنی بہت سی مخلوقات پرفوقیت دی۔)

تشریح وتفسیر

بیانِ توحید کے ذیل میں بنی آدم کی کرامت اور فضیلت کو بیان فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو میں نے ہی اپنی دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے اور کائنات کی تمام چیزوں کو اس کا خادم بنایا، اس لیے اسے چاہئے کہ منعمِ حقیقی کو پہچانے اس کا شکر گزار بندہ بنے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے، چنانچہ فرماتے ہیں:

(اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت اور کرامت بخشی) اور تمام مخلوقات پر اس کو بزرگی دی۔ انسان کی دوسری مخلوقات پر کرامت اور عزت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو عقل، فہم، فراست، نطق اور گویائی عطا کی، لکھنا پڑھنا سکھایا، زبان اور قلم سے اظہار مافی الضمیر کی قدرت عطا کی، اس کا قد معتدل اور سیدھا بنایا، اور بہتر سے بہتر صورت اس کو عطا کی۔ جس میں کمال حسن پایا جاتا ہے، ارشاد باری ہے: ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾'' (ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا)۔ (معارف:د)

۱۹... اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۴﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ (طٰہٰ:۵۳-۵۵)

(وہ ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے واسطے رستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا کیے۔ خود کھاؤ اور اپنے مواشی کو چراؤ، ان سب چیزوں میں اہل عقل کے واسطے نشانیاں ہیں۔ ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو لے جاویں گے اور پھر دوبارہ اسی سے تم کو نکال لیں گے۔)

تشریح وتفسیر

اللہ وہ ہے (جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا) تاکہ تم اس پر آرام کر سکو اور مزے کے ساتھ اس پر چل پھر سکو۔ زمین عجیب فرش ہے کہ جو نہ لوہے کی مانند

بہت سخت ہے کہ جس پر لیٹنے سے جسم کو تکلیف ہو اور نہ روئی اور گارے کی طرح نرم ہے جس میں پاؤں دھنسنے لگیں۔ (اور) اسی رب نے (تمہارے چلنے کے لیے اس زمین میں راستے بنا دیئے) تا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو۔ (اور) اسی رب نے (آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا) تا کہ تم اس سے زندہ رہ سکو (پھر ہم نے) اس پانی کے ذریعے (قسم قسم کے نباتات اُگائے) باوجودے کہ زمین ایک ہے، پانی ایک ہے اور ہوا ایک ہے، مگر ہر ایک کا مزہ، رنگ اور بو مختلف ہے۔

نیز نباتات کی اتنی بے شمار قسمیں پیدا فرمائیں کہ ان کی قسموں کا احاطہ بھی انسان نہیں کر سکتا۔ پھر ہر نبات، جڑی، بوٹی، پھول، پھل اور درخت کی چھال میں اللہ تعالی نے ایسی ایسی خاصیتیں رکھی ہیں کہ علم طب اور ڈاکٹری کے ماہرین حیران ہیں اور ہزاروں سال سے اس کی تحقیقات کا سلسلہ جاری ہونے کے باوجود یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے متعلق جو کچھ لکھ دیا گیا، حرف آخر ہے اور یا ساری نباتات کی مختلف قسمیں انسان اور اس کے پالتو جانوروں اور جنگلی جانوروں کی غذا یا دوا ہوتی ہیں، ان کی لکڑی سے انسان مکانوں کی تعمیر میں کام لیتا ہے اور گھریلو سامان استعمال کی ہزاروں قسمیں بناتا ہے۔

تم کو اجازت دی کہ ان میں سے (خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ)۔ یہ سب تمہاری حیات اور زندگی کا سامان ہوا (بیشک ان چیزوں میں عقلمندوں کے لیے) ہماری قدرت، الوہیت اور ربوبیت کی (کتنی ہی نشانیاں ہیں) البتہ جو عقلیں نفسانی خواہشوں کی پیرو بن گئی ہیں، وہ ان روشن دلائل سے اندھی اور بہری بنی ہوئی ہیں۔

دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد مبداء اور معاد کو بیان فرماتے ہیں کہ تم سب مٹی سے پیدا ہوئے، جو تمہارا مبداء ہے، پھر مر کر اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اسی میں رل مِل جاؤ گے، پھر قیامت کے دن ہم تم کو اسی مٹی سے نکالیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے لوگو! جس طرح زمین سے ہم نے نباتات کو پیدا کیا، اسی طرح (ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا) انسان کے زمین سے پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے، نطفہ خلاصہ ہے غذا کا اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے، نیز ہمارے باپ آدم

علیہ السلام مٹی ہی سے پیدا ہوئے تھے اور تمام افراد بشر آدم علیہ السلام کی پشت میں مضمر اور مستتر تھے۔ بہر حال انسان کی اصلیت مٹی ہے۔

پھر مَرے پیچھے (ہم تم کو زمین میں لوٹا دیں گے) یعنی تم زمین میں دفن کر دیئے جاؤ گے اور اگر جلا دیئے گئے تو تمہاری راکھ مٹی میں ملا دی جائے گی (اور اسی زمین میں سے ہم تم کو دوبارہ) قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے (نکالیں گے)۔ لہذا تم کو چاہئے کہ زمین کا مراقبہ کیا کرو، زمین ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے، اس میں غور کیا کرو کہ وہ تمہارا مبداء اور منشاء ہے۔ تم اسی زمین سے پیدا ہوئے، پھر مرنے کے بعد اسی زمین میں لوٹا دیئے جاؤ گے اور پھر قیامت کے دن اسی زمین سے نکالے جاؤ گے اور تم کو تمہارے اعمال کی جزاء ملے گی۔ لہذا سوچ لو اور اس دن کے لیے کچھ ذخیرہ جمع کر لو، اس زمین میں دلائل ربوبیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی، جس خدا نے پہلی بار تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر مٹی ہی میں دفن کرا کے امانت رکھا، وہی خدا پھر تم کو مٹی سے نکال سکتا ہے۔ اس لیے اسے پہچانو اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلو۔ (معارف: د)

۲۱... اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ (الانبیاء: ۲۱-۲۴)

(کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں زمین کی چیزوں میں سے جو کسی کو زندہ کرتے ہیں، زمین آسمان میں اگر اللہ تعالی کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے، سو اللہ تعالی جو کہ مالک ہے عرش کا ان امور سے پاک ہے، جو کچھ یہ لوگ بیان کر رہے ہیں، وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔ کیا خدا کو چھوڑ کر انھوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں، کہیئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود ہیں، بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امر حق کا یقین نہیں کرتے، سو وہ اعراض کر رہے ہیں۔)

تشریح وتفسیر

(کیاان بت پرستوں نے زمین کی چیزوں میں سے) یعنی اینٹ اور پتھر میں سے (معبود بنالئے ہیں، کیایہ بت مردوں کوزندہ کرسکتے ہیں ۔) یعنی معبودتو وہ ہے کہ جو جِلانے اور پیدا کرنے پرقادرہواور ایسا توصرف اللہ ہی ہے، لہٰذا بتوں کومعبودٹھہرانا کمال حماقت ہے کہ ان نادانوں نے سفلیات اور ایسی چیزوں کو جو پیدا کرنے پر ذرہ برابر قادرنہیں ان کوخدا کا ہمسرٹھہرالیا اور جب تمہارے یہ خودساختہ بت تمہارے اعتقاد میں بھی مردوں کوزندہ کرنے پرقادرنہیں، توان کومعبودٹھہرانا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔غرض یہ کہ اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور حماقت بیان فرمائی۔

اب آئندہ آیت میں متعدد معبود ہونے کے بطلان پر ایک دلیل عقلی اور برہان قطعی قائم کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تعدد الٰہ قطعاباطل ہے اور دلیل یہ ہے کہ (اگر آسمان اور زمین میں چندخدا) ان کے مدبر اوران میں (متصرف ہوتے) اورسب کے سب فی الحقیقت صفات الوہیت کے ساتھ باوجہ الکمال والتمام موصوف ہوتے اور کمال قدرت واختیار کے ساتھ ان کے مدبر اوران میں متصرف ہوتے (تو بلاشبہ دونوں خراب اور برباد ہوجاتے) یعنی عالم کا جونظام دکھائی دیتا ہے وہ سب درہم برہم ہوجاتا اور طلوع وغروب اوردن اوررات اور گرمی اور سردی اور بادلوں کابرسنا اور زمین سے پیداوار کا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سارانظام ۔لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اورزمین اپنی اپنی جگہ قائم ہیں اور چانداورسورج اپنے اپنے وقت پرنکلتے اورڈوبتے ہیں اوردن رات آرہے ہیں اورجا رہے ہیں اورآسمان سے پانی کا برسنا اورزمین سے روئید گی حسب دستور جاری ہے۔ غرض یہ ساراخانۂ عالم ایک ہی طریقہ اورایک ہی وتیرہ پرچل رہاہے۔معلوم ہوا کے تمام عالم کامدبر اور متصرف صرف ایک ہی خدا ہے، جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے، کسی دوسرے کے ارادہ اورتصرف کوذرہ برابراس میں دخل نہیں۔پس اگر اللہ کے سوا آسمان وزمین کی تخلیق اورتدبیر میں اور چندخداشریک ہوتے تو باہمی اختلاف اور کشمکش کی وجہ سے آسمان وزمین کانظام درہم برہم ہوجاتا، کیوں کہ جس وقت حاکم متعدد ہوں تو

لامحالہ رایوں میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف پیش آئے گا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نظام مملکت تباہ اور خراب ہوگا۔ اسی طرح اگر عالم کے خالق اور مدبر دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا تمام نظام درہم برہم ہوجاتا ولیکن آسمان وزمین کا قیام اور ان کا نظام باحسن وجوہ سب کے سامنے ہے، تو نتیجہ یہ نکلا کہ دوالٰہ (دوخدا) کا وجود باطل ہے۔ پس اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے نظم ونسق کو دیکھ کر اس کی وحدانیت کے قائل ہوجائیں۔

اور عقلا یہ بات محال ہے کہ دوخدا ایک ہی تدبیر پر بالکلیہ اور بہمہ وجوہ متفق ہوجائیں اور ایک دوسرے خدا کی کسی وقت کسی امر میں ذرہ برابر بھی مخالفت نہ کرے، اس لیے کہ جب دوخدا ہوں گے اور دونوں مستقل خدا ہوں گے، تو لامحالہ ہر ایک کی صفات اور ہر ایک کا علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار بھی دوسرے خدا کی صفات اور اسکے علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار سے مختلف اور جدا ہوگا، اس لیے کہ صفات، ذوات کے تابع ہوتی ہیں، جب ذوات متعدد اور مختلف ہیں، تو لامحالہ صفات بھی مختلف ہوں گی۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ ذوات تو مختلف ہوں اور صفات خداوندی چونکہ لازم ذات ہیں اور ازلی اور ابدی اور قدیم ہیں، جن میں کسی قسم کے تغیر اور تبدل کا امکان نہیں، تو لامحالہ جب دوخدا ہوں گے اور ان کے علم اور ارادے بھی ضرور مختلف ہوں گے اور ان کا اختلاف بھی ذاتی ہوگا، جس میں تغیر وتبدل کا کوئی امکان نہ ہوگا، تو لامحالہ ان کے افعال بھی مختلف ہونگے اور نظام عالم بھی مختلف ہوگا، ہر جزئی دوسری جزئی سے مختلف ہوگی، پس جب ہر خدا کی تدبیر اور اس کا تصرف دوسرے خدا کی تدبیر اور تصرف سے مختلف ہوگا، تو کارخانۂ عالم ضرور درہم برہم ہوگا۔

پس ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا جنس خدا کا موجود ہونا محال ہے، یعنی کسی اور خدا کا ہونا محال ہے، کہ جس کے ماننے سے یہ محال اور یہ خرابی لازم آتی ہے۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ یہ کہا جائے کہ دو درزیوں میں سے ہر ایک درزی نے بعینہٖ اس ایک کرتا کو سیا ہے، یا بعینہٖ ایک ہی طعام کو دو شخصوں میں سے ہر ایک نے بعینہٖ یہ طعام کھایا ہے۔ دو مؤثر تامّ القدرۃ اور مستقل الاختیار کے دو مستقل قدرتوں سے ایک ہی کا اثر نمودار ہونا عقلا محال ہے۔

یہ آیت حق جل شانہ کی توحید کی ایک دلیل عقلی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کئی خدا ہوتے تو جس طرح مختلف بادشاہوں کے ایوان میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کا نفاذ چاہتا ہے، تو اسی طرح اگر آسمان وزمین کے چند خدا ہوتے تو ان چند خداؤں کی خدائی میں بھی ضرور اختلاف اور تزاحم ہوتا۔ اور ہر ایک اپنا ہتھیار اور حکم چلانا چاہتا، اس لئے کہ خدائی کے لئے انتہائی کبریائی اور قہر اور غلبہ اور فوقیت لازم ہے، جس میں برابری اور ہمسری کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ دو خداؤں میں صلح واتفاق کا کوئی امکان نہیں، دنیا ہی دیکھ لو کہ برابر کے دو مستقل اور بااختیار حاکموں میں تنازع اور تمانع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم کا واقع ہونا ایک لازمی امر ہے اور تخالف اور تزاحم کے لئے فساد اور خرابی لازم ہے، خاص کر جبکہ ہر ایک صاحب قدرت ہو۔ پس اگر خدا تعالیٰ کے سوا چند خدا ہوں جو اس عالم کے کاموں کی تدبیر کریں، تو ہر خدا اپنی اپنی رائے اور اختیار کو پورا پورا جاری اور نافذ کرنا چاہے گا، اس لئے کہ قدرت کاملہ اور اختیار کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہے نافذ کر سکے اور سب پر قاہر اور غالب رہے اور کسی کو مجال دم زدنی نہ ہو۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خدائی میں رسہ کشی ہونے لگے، تو لامحالہ آسمان وزمین تباہ وبرباد ہو جائیں گے اور اگر ایجاد عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو، تو پھر سرے سے عالم پیدا ہی نہ ہوتا۔ عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں ٹکراور رسہ کشی ہوگی، تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی اور گر موجودہ چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائیگی۔

خلاصۂ کلام یہ کی آسمان وزمین تباہ اور برباد ہو جاتے، یا سرے سے وجود ہی میں

نہ آتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان وزمین دونوں موجود ہیں اوراپنے نظام پر قائم ہیں اورآسمان اورزمین کے نظام میں کوئی فساداورکوئی خلل نظرنہیں آتا، آفتاب اور ماہتاب کا طلوع اورغروب اورلیل ونہار کی آمد ورفت اورآسمان سے بارشوں کا برسنا اورزمین سے پھلوں اورغلوں کا پیدا ہونا، ابتدائے آفرینش عالم سے بدستور ایک ہی طریقہ پر جاری ہے، سرمواس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانۂ عالم ایک ہی خدا کی تدبیر اورتصرف سے چل رہا ہے، کوئی دوسرا خدانہیں جوتدبیر عالم میں اس کا شریک اورسہیم ہو اوروہ صرف ایک ہے۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں اثبات توحیداورتعدد الٰہ کے ابطال پر جودلیل ذکر فرمائی ہے وہ دلیل عقلی بھی ہے، منطقی پیرایہ میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اثبات مدعیٰ کے لئے ایک صغریٰ چاہئے اورایک کبریٰ چاہئے کہ دونوں مقدموں کے ملانے سے نتیجہ نکل سکے۔ سواس دلیل کا صغریٰ یہ ہے کہ تعدد الٰہ مستلزم فسادِ عالم ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ فسادِ عالم منتفی ہے، پس نتیجہ یہ نکلا کہ تعدد الٰہ باطل اور منتفی ہے اور جب خدا کا متعدد ہونا باطل ٹھہرا تو خدا کی وحدانیت ثابت ہوگئی۔

حق جل شانہ نے گزشتہ آیت میں توحید کی ایک عقلی اورقطعی دلیل بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں اپنی تسبیح وتنزیہ کو بیان فرماتے ہیں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ تو شرک کے شائبہ اورواہمہ سے بھی پاک اورمنزہ ہے۔ (پس اللہ جوعرش کا مالک ہے وہ ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے، جومشرک اس کی شان میں کہتے ہیں) یعنی نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ اولاد رکھتا ہے، اس کی عظمت وجلال اور کبریائی کی تو یہ شان ہے کہ (اس کے کسی کام کے متعلق) بطور باز پرس یا بطور احتجاج (سوال بھی نہیں کیا جاسکتا) کہ یہ کام کیوں نہیں کیا، وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے، وہ جوکرے حق ہے اس سے پوچھا نہیں جاسکتا۔ غلام کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مالک سے باز پرس کرسکے (اور بندے سب پوچھے جاتے ہیں۔) سب اسکے مخلوق اور مملوک بندے ہیں، قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا کہ یہ کیوں کیا اور وہ کیوں کیا، اور ہرایک کو اس کے عمل کے

مطابق جزا سزا ملے گی۔ کیوں کے سب اسکے مملوک اور بندے ہیں سب پر مالک اور آقا کے حکم کی بجا آوری فرض اور لازم ہے اور جس سے سوال اور باز پرس ہوسکے وہ خدا نہیں ہوسکتا، قال اللہ تعالی: ''فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ''۔

پس جب کوئی اس کی عظمت میں شریک نہیں، تو پھر الوہیت اور معبودیت میں کون اس کا شریک ہوسکتا ہے، کیا خدا کی اس بے مثال عظمت وجلال معلوم کر لینے کے بعد بھی (ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں) جو اس کی مخلوق ہیں اور اس سے کمتر ہیں۔ یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اگر بالفرض ہوتا تو یہ عالم کبھی کا تباہ اور برباد ہوجاتا اور اس کا نظام درہم برہم ہوجاتا۔

(آپ) ان منکرین توحید سے (کہہ دیجئے) کہ اچھا تم (اپنی دلیل لاؤ) کہ خدا کے سوا اور بھی خدا ہوسکتے ہیں۔ ہم نے توحید کو دلیل عقلی سے تو پہلی آیت ''لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'' میں ثابت کردیا، رہی دلیل نقلی تو وہ یہ ہے کہ (یہی بات) یعنی توحید (میرے ساتھ والوں کی ہے اور یہی بات ہے مجھ سے پچھلے والوں کی) کہ اس رب العرش کے سوا کوئی رب نہیں، یعنی قرآن اور توریت اور انجیل اور دیگر صحف انبیاء سب اس پر شاہد ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، کسی کتاب میں اللہ کا شریک ہونا نہیں ملتا، ہر کتاب میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت موجود ہے۔ (معارف: د)

۲۱... اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۳۰ وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝۳۱ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳ (الانبیاء: ۳۰-۳۳)

(کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا، کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

اور ہم نے زمین میں اس لیے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لیکر نہ ہلنے لگے، اور ہم نے اس میں کشادہ کشادہ رستے بنائے تاکہ وہ لوگ منزل کو پہنچ جاویں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک چھت بنایا جو محفوظ ہے اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے، ہر ایک، ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔)

تشریح وتفسیر

ان آیات میں دلائل قدرت وحکمت بیان فرماتے ہیں، جو وجود صانع پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر بھی، کہ تمام کائنات اس کے دست قدرت میں مقہور، مجبور اور مسخر ہیں، عرش سے فرش تک سارا کارخانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اسی کے ارادے ومشیت سے چل رہا ہے۔ مشرکین کو چاہئیے کہ خدا کی ان نشانیوں میں غور وفکر کریں اور دیکھیں کہ ان کی تخلیق وتدبیر میں کوئی شریک وساجھی نہیں۔ پھر عقلاً یہ کیسے روا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کو پوجا جاوے اور اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیا جائے۔ اس ذیل میں حق تعالی نے چھ قسم کے دلائل ذکر فرمائے:

قسم اول: ''اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ'' (کیا ان کافروں نے جو اللہ تعالی کی وحدانیت کے منکر ہیں) اور غیروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہیں، چشم بصیرت ونظر عبرت سے یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں سمجھا کہ (تحقیق آسمان وزمین) ابتداء میں (دونوں باہم متصل اور متلاصق تھے) یعنی ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے اور چپکے ہوئے ایک ہی بند چیز تھے (پھر ہم نے ان کو کھولا) اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا، جس سے آسمان الگ ہو گیا اور زمین الگ ہو گئی۔ آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پست کیا، اور ہوا کے ذریعے دونوں میں فصل کر دیا، پھر آسمان کو سات اور زمین کو سات کر دیا۔ دونوں کے منہ بند تھے، اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے، آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے نباتات اُگائے، نہریں اور چشمے جاری کیے۔ ابتداء میں آسمان اور زمین کے منہ بند تھے، نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی، اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے

بندوں کے فائدے کے لیے دونوں کے منہ کھول دیئے۔ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے قسم قسم کی غذائیں اور پھل اُگنے اور نہریں و چشمے جاری ہو گئے۔ کیا کافروں نے اللہ تعالی کے اس کرشمۂ قدرت میں غور نہیں کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں، پھر اس کی عبادت و بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے اور اسی کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو! تفسیر کبیر: ۶/ ۱۱۴)

ابو مسلم اصفہانیؒ سے منقول ہے کہ ''رَتق'' سے حالت عدم مراد ہے اور ''فَتق'' سے حالت ایجاد مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا مشرکین کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان و زمین ایک وقت میں معدوم تھے، جن میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا، پھر ہم نے ان کو پیدا کر کے ان میں امتیاز قائم کیا، جب سب حالت عدم میں تھے، اس وقت ان میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا اور جب اللہ تعالی نے ان کو وجود عطا کر دیا، تب ایک چیز دوسری چیز سے متمیز ہوئی۔ (دیکھو! تفسیر کبیر: ۶/ ۱۱۴، روح المعانی: ۱۷/ ۳۲)

اب اس قول کی بناء پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ کیا ان کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین پہلے معدوم تھے، ہم نے اپنی قدرت سے ان کو وجود عطا کیا، تو جب مشرکین خدا کو خالق اور موجد مانتے ہیں، تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں کیوں شریک کرتے ہیں۔

مگر محققین اور جمہور علمائے تفسیر کے نزدیک صحیح قول وہی ہے، جو ہم نے حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے نقل کیا۔

سوال: رہا یہ سوال کہ مشرکین نے آسمان و زمین کی رتق اور فتق کو کب دیکھا، جس پر ان کو ملامت کی گئی اور کہا گیا ''أَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ'' (کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں) اور خود حق تعالی کا ارشاد ہے ''مَآ أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ''۔

جواب: یہ ہے کہ آیت میں چشم سر سے دیکھنا مراد نہیں، بلکہ چشم بصیرت اور نظر عبرت سے دیکھنا مراد ہے کہ اگر یہ لوگ غور و فکر کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ آسمان

وزمین کے منہ پہلے بند تھے، بعد میں کھولے گئے، کیوں کہ بہ دلالت عقل یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام اجسام علویہ اور سفلیہ سب حادث ہیں اور ان کے احوال اور کیفیات بھی سب حادث ہیں۔آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً قسم قسم کے نباتات کا اُگنا یہ بھی حادث ہے، ان چیزوں کا حدوث آنکھوں کے مشاہدہ سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حادث کے لیے کوئی مبداء اور منتہاء چاہیے، جس پر تمام اسباب وعلل کی انتہاء ہوتی ہے اور ہر حادث کی منتہا واجب الوجود ہے، جو ان محدثات کا محدث اور موجد ہے۔(دیکھو!تفسیر کبیر:۶/ ۱۱۴، وحاشیہ تقوی علی التفسیر البیضاوی:۵/ ۲۱۷)

یہ ناچیز (حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ) عرض کرتا ہے کہ آسمان وزمین کا جسم متصل ہونا ظاہر ہے، اور وقتاً فوقتاً آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً روئیدگی کا ہونا یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے اور عقل وفطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کسی جسم متصل سے کوئی چیز کبھی کبھی نکلتی دکھائی دے تو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس جسم متصل کا منہ اب تک بند تھا، جب منہ کھلا تو مشک میں سے یا ٹنکی میں سے پانی نکلنے لگا اور صندوق کا منہ بند تھا جب منہ کھلا تو اس میں سے قسم قسم کے کپڑے نکلنے لگے۔یہی حال آسمان اور زمین کا سمجھو، کفار نے اگرچہ آسمان وزمین کے رتق اور فتق کو نہیں دیکھا مگر آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اُگنا تو دیکھا ہے، اسی کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اُگنا خود بخود نہیں بلکہ در پردہ کوئی دست قدرت کارفرما ہے کہ وہ جب، جتنا اور جس وقت چاہتا ہے، اس وقت اتنا ہی پانی آسمان سے برستا ہے اور یہی حال روئیدگی کا ہے، بلکہ ہر سال موسم سرما وگرما میں جب بارش کے آنے میں دیر ہوتی ہے تو یہ کافر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ آسمان کا منہ بند ہے، جب اللہ تعالی اپنی قدرت سے آسمان کا منہ کھولتا اور بارش برساتا ہے، تو زمین کا بھی منہ کھل جاتا ہے اور قسم قسم کا سبزہ اُگنے لگتا ہے، ہر سال اس منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے، پھر بھی یہ کافر اللہ تعالی کی قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

قسم دوم: ''وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝'' (اور) کیا

ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس رتق اور فتق کے بعد (ہر زندہ چیز ہم نے پانی سے پیدا کی) ہر جاندار چیز بلا واسطہ پانی سے پیدا ہوئی اور زندگی اور حیات کے لیے پانی کی محتاج ہے، گویا کہ ہر چیز کا مادۂ حیات پانی ہی ہے، جیسا کہ دوسری آیات میں ہے ''وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ'' اور ''وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ''۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کل شیٔ خلق من ماء'' ہر شئ پانی سے پیدا ہوئی ہے۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے اگر چہ نور سے پیدا ہوئے اور جن نار سے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے لیکن اصل مادۂ حیات سب کا پانی ہے، اور ''کَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ'' سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا (واللہ اعلم)۔

(تو کیا یہ لوگ) ہماری اس قدرت کو دیکھ کر (ایمان نہیں لاتے) اور قادر مختار کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

قسم سوم: ''وَجَعَلْنَا فِی الْأَرْضِ رَوَاسِیَ أَن تَمِیْدَ بِھِمْ'' (اور بنائے ہم نے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑ، بھاری بوجھ والے، جو زمین پر خوب جمے ہوئے ہیں، تا کہ زمین لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے) یعنی ہم نے اپنی قدرت سے زمین پر مضبوط پہاڑ قائم کر دیئے تا کہ زمین جم جائے اور ٹھہر جائے اور لوگ اس پر قرار پکڑ سکیں۔

قسم چہارم: ''وَجَعَلْنَا فِیْھَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ'' (اور ہم نے) اپنی قدرت سے (زمین میں) یا پہاڑوں میں (کشادہ راستے بنائے، تا کہ لوگ) اپنی معاشی ضروریات کے لیے منزل مقصود تک (راہ پا سکیں) اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں، جیسا کہ سورۂ نوح میں ہے: ''لِتَسْلُکُوْا مِنْھَا سُبُلًا فِجَاجًا'' یا یہ معنی ہے کہ نظر و فکر کر کے اللہ تعالی کی وحدانیت تک پہنچ سکیں اور ہدایت حاصل کر سکیں۔

قسم پنجم: ''وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّھُمْ عَنْ آیٰتِھَا مُعْرِضُوْنَ'' (اور ہم نے) اپنی قدرت سے زمین کو اس عالم کے لیے فرش بنایا اور پھر (آسمان کو اس

زمین پر ایک محفوظ چھت بنایا) جو باوجود بے ستون ہونے کے گرنے سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہے، کما قال تعالیٰ ''وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ'' (الحج) وقال تعالیٰ ''إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا'' (فاطر)۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چھت ٹوٹنے، پھوٹنے اور گرنے سے محفوظ اور شیاطین کے استراق سے بھی محفوظ ہے، وہاں تک شیاطین کی رسائی نہیں، کما قال تعالیٰ :''وَحِفْظاً مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ (صافات) وقال تعالیٰ :وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ (الحجر)'' (اور یہ) مشرکین (اس) آسمانی چھت (کی نشانیوں سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں) جیسے شمس وقمر، کواکب اور نجوم، ان کی حرکات اور ان کے طلوع وغروب میں یہ لوگ نظر نہیں کرتے۔

قسم ششم: ''وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ . . . يَسْبَحُوْنَ'' (اور اسی خدا نے پیدا کیا رات کو اور دن کو) تاکہ رات میں سکون وراحت پاویں اور دن میں روزی کماویں (اور پیدا کیا آفتاب کو) جو دن کی نشانی ہے (اور پیدا کیا چاند کو) جو رات کی نشانی ہے (ہر ایک ان میں اپنے فلک میں تیرتے اور سیر کرتے ہیں) اور ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اس کی ہیئت، اس کی حرکت اور سکون سب خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی وحدانیت کی چھ دلیلیں ذکر کی ہیں اور ہر دلیل کے تحت صدہا دلیلیں مستور ہیں، کفار اگر ذرا غور کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت روز روشن کی طرح روشن ہو جائے۔ (معارف: د)

۲۲ . . . يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى

الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ (الحج:۵-۶)

(اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہوتو ہم نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر بوٹی سے کہ پوری ہوتی ہے اور ادھوری بھی، تاکہ تمہارے سامنے ظاہر کردیں، اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں، پھر تاکہ تم اپنی بھری جوانی تک پہنچ جاؤ، اور بعضے تم میں وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں اور بعضے تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچا دیئے جاتے ہیں، جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہوکر بے خبر ہوجاتے ہیں۔ اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالی ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔)

تشریح وتفسیر

حشر ونشر کا اثبات اور منکرین قیامت کے شبہات کا ابطال فرماتے ہوئے قدرت باری تعالی کو دو دلیلوں سے واضح کیا جارہا ہے۔

دلیل اوّل: (اے لوگو! اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں تم شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہو) اور دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے ہو تو حق تعالی کی دلیل قدرت میں ذرا غور کرلو اور پہلے اپنے حال پر نظر کرو (تحقیق ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا) یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ہے، اس لیے کہ آدم علیہ السلام جو سب کی اصل ہیں، وہ مٹی سے پیدا ہوئے (پھر) پیدائش آدم علیہ السلام کے بعد جب سلسلۂ توالد وتناسل جاری ہوا تو مرتبۂ دوم میں ہم نے (نطفہ سے، پھر) مرتبۂ سوم میں (جمے ہوئے خون سے، پھر) مرتبۂ چہارم میں (ایسے پارۂ گوشت سے کہ کبھی اس کی پوری صورت بن جاتی ہے) جس میں کوئی عیب اور نقصان نہیں رہتا (اور کبھی پوری صورت

نہیں بنتی) جو ایام پورا ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے۔ پس ہم نے تم کو اس ترتیب وتدریج کے ساتھ پیدا کیا (تاکہ ہم تم پر اپنی کمال قدرت ظاہر کریں) کہ تم پہلی بار کی خلقت سے دوسری بار کی خلقت کو سمجھ سکو، کہ جو چیز پہلی بار تغیر اور تکون کو قبول کر سکتی ہے وہ دوسری بار بھی اسے قبول کر سکتی ہے اور جان لو کہ یہ سب قادر مطلق کی صنعت اور کاری گری ہے، کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں (اور پھر ایک مدت مقررہ تک جس کو چاہتے ہیں رحم مادر میں ٹھہرائے رکھتے ہیں) اس وقت سے پہلے گرنے نہیں دیتے اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے اس کو گرا دیتے ہیں۔ (پھر) اس مدت معینہ کے بعد (تم کو بچہ بنا کر) ماں کے پیٹ سے (نکالتے ہیں، پھر) ہم تم کو پالتے ہیں (تاکہ اپنی کمال قدرت کو پہنچ جاؤ) یعنی جوانی کو پہنچ جاؤ (اور تم میں سے بعض وہ ہے جو) بڑا ہونے سے پہلے ہی (مرجاتا ہے، اور کوئی تم میں سے نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے) تاکہ جاننے پہچاننے کے بعد انجان اور بے خبر بن جائے، یعنی ہوش وحواس میں فتور آجائے اور جیسا بچپن میں قلیل العلم اور قلیل الفہم تھا ویسا ہی پھر ہو جائے (اور جاننے کے بعد کچھ نہ جانے) پس جو خدا ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کر سکتا ہے اور اخیر میں انتہاء کے بعد پھر ابتداء کی طرف لوٹا سکتا ہے، تو کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ بعث بعد الموت کی ایک دلیل ہوئی۔

اب آئندہ آیت میں دوسری دلیل بیان کرتے ہیں، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تروتازہ کرنے پر قادر ہے، اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اور اگر ان منکرین قیامت کا یہ گمان ہے کہ انسان کی پیدائش میں جس قدر تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں، وہ سب شکم مادر میں ہیں، شکم قبر میں یہ تغیرات اور انقلابات نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ (اے مخاطب! تو زمین کو) مردہ کی طرح (خشک) اور بے رونق (دیکھتا ہے) کہ عرصہ تک بجھی ہوئی آگ کی طرح خشک پڑی رہتی ہے، جس میں سبزہ کا کہیں نام ونشان نہیں ہوتا، اسی طرح قبر میں مردہ بھی خشک پڑا رہتا ہے۔

(پھر جب) کچھ عرصہ بعد ہم (ہم اس پر پانی برساتے ہیں) تو اس خشک زمین کی قوت نامیہ جوش میں آجاتی ہے (اور سبزہ سے لہلہانے لگتی ہے اور پھولنے لگتی ہے) اور ولادت حمل کی طرح خروج نباتات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، گویا کہ زمانۂ ولادت قریب آگیا (اور پھر) باذن الٰہی (ہر قسم کے تروتازہ اور خوش نما چیز اُگاتی ہے) جس طرح بطن مادر سے ایک خوشنما بچہ نمودار ہوتا ہے۔ پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے، تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے اجزائے متفرقہ کو جمع کر کے پھر اسی حال پر لے آئے، جس پر وہ پہلے تھا، کیا یہ تخمِ شجر نطفہ کے مشابہ نہیں کہ جب یہ تخم زمین میں ڈال دیا جاتا ہے تو گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر بعد چندے خوشنما ہو کر زمین سے نکل آتا ہے، جس طرح نطفہ سے بچہ پیدا ہونے کے لیے وقت مقرر ہے، اسی طرح تخم ریزی کے بعد روئیدگی کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔

یہاں تک دونوں دلیلیں ختم ہوئیں، اب دونوں دلیلوں کے نتیجے کے طور پر ذکر فرماتے ہیں: یہ سب جو ابتداء خلقت انسان سے احیاء زمین تک ہوا (اس کی وجہ اور سبب یہ ہے کہ) تم جان لو کہ (اللہ جو ہے وہی حق ہے) یعنی خدائے برحق وہ ہے کہ جس کی قدرت کاملہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ (اور یہ کہ تحقیق وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے) جیسا کہ نطفہ کو اور مردہ زمین کو زندہ کرنا تمہاری نظروں کے سامنے ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور حیات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے (اور یہ کہ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے) اس کی قدرت مردہ زمین کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ تمام ممکنات پر قادر ہے۔ (معارف:د)

۲۳... ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ

اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ (الحج:۶۱-۶۵)

(یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہستی میں کامل ہے، اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں وہ باکل ہی لچر ہیں۔ اور اللہ ہی عالیشان اور بڑا ہے۔ کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالی نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہوگئی۔ بیشک اللہ تعالی بہت مہر بان سب باتوں کی خبر رکھنے والا ہے۔ سب اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بیشک اللہ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے۔ کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالی نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو کہ وہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے۔ اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، ہاں مگر اسی کا حکم ہو جاوے تو خیر۔ بالیقین اللہ تعالی لوگوں پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے۔

تشریح وتفسیر

ان آیات میں باری تعالی کی قدرت کاملہ ومطلقہ کو بیان فرماتے ہیں کہ (یہ اس وجہ سے ہے کہ) اللہ تعالی ہر شئ پر قادر ہے اور من جملہ اس کی قدرت کے یہ ہے کہ (وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے) حالاں کہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس وہ اپنی قدرت سے کسی کو غلبہ دیتا ہے اور کسی کو پست کرتا ہے، اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بندوں میں سے جس کو چاہے زیر وزبر کرے (اور بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) وہ سب کی آوازیں سن سکتا ہے اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں، ظالم اور مظلوم سب اس کی نظروں کے سامنے ہیں۔ (یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالی تو خدائے برحق ہی ہے) کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت اور مشیت میں مزاحمت کر سکے (اور یہ) بے عقل (جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہیں) یعنی

جن بتوں کو یہ پکارتے ہیں وہ سب غلط ہے، وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع (اور اللہ وہی ہے جو بلند اور برتر ہے) اور سب اس کے سامنے ذلیل اور حقیر ہیں، وہ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے۔ یہ شان تو اللہ ہی کی ہے، بتوں میں یہ قدرت کہاں ہے اور اللہ تعالی اس پر قادر ہے کہ حق بلند کرے اور باطل کو پست کرے۔ (اے مخاطب تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالی نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے زمین سرسبز اور تر وتازہ ہوجاتی ہے) یعنی ہر قسم کے نباتات اُگاتی ہے (بیشک اللہ بڑا مہربان ہے) کہ اس نے بندوں کی زندگی کا سامان اُگایا (اور بے شک وہ خبردار ہے) بندوں کا حال اور ان کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے، یہ سب اللہ تعالی کی نعمت ہے اور اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ یہ سارا کارخانہ اس کی مشیت سے چل رہا ہے، جس میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ پس اس سے تم اس کی معرفت حاصل کرو۔

(اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) سب اسی کی ملک ہے اور سب اسی کے قبضۂ قدرت میں مقہور و مسخر ہیں، اس کے زندہ رکھنے سے زندہ ہیں اور اسی کے حرکت دینے سے متحرک ہیں اور اسی کے ساکن رکھنے سے ساکن ہیں (اور بے شک اللہ ہی سب سے بے نیاز ہے) اسے کسی کی حاجت نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں، اور ہر شان میں اور ہر آن میں وہی (مستحق حمد و ستائش ہے) اسے اپنے دوستوں کی مدد کرنا اور ان کو غلبہ دینا کیا مشکل ہے۔

اے منکر توحید (کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے تمہارے لیے مسخر کردیا جو کچھ زمین میں ہے) کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو اور اس سے منافع حاصل کرو۔ ایک ضعیف البنیان انسان کو اتنی بڑی زمین اور اس کی چیزوں میں تصرف کرنے کی قدرت آخر کس نے دی، پس جس ذات نے اس کرۂ ارضی کو تمہارے بس میں کردیا وہی تمہارا خدا ہے۔ (اور) اس خدا نے (کشتی کو) تمہارے لیے مسخر کردیا کہ (جو اسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہے) یہ بھی اس کی نعمت ہے اور اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ (اور) من جملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ (وہ آسمان) جیسے عظیم جسم کو (تھامے ہوئے

ہے اور زمین پر گرنے سے اس کو روکے ہوئے ہے) اسی کی مشیت سے وہ اپنے مقام پر قائم ہے، زمین پر گرتا نہیں (مگر یہ کہ اس کا حکم ہوجائے) تو فوراً گر پڑے اور بندے ہلاک ہوجائیں۔ دیکھو یہ اللہ تعالی کی کیسی رحمت وقدرت ہے (بیشک اللہ تعالی اپنے بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے)۔ (معارف:د)

۲۴... وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ (المؤمنون:۱۷-۲۲)

(اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے۔ اور ہم نے آسمان سے مقدار کے ساتھ پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا، اور ہم اس کے معدوم کردینے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے۔ تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔ اور ایک درخت بھی جو کہ طورسینا میں پیدا ہوتا ہے جو اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے۔ اور تمہارے لیے مواشی میں غور کرنے کا موقع ہے، کہ ہم تم کو ان کے جوف میں کی چیز پینے کو دیتے ہیں، اور تمہارے لیے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو۔

تشریح وتفسیر

ان آیات میں اللہ تعالی اپنی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان کرتے ہیں، جس سے عابد کو اپنے معبود کی معرفت کاملہ حاصل ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾"

(اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر راستوں والے سات طبق پیدا کیے) یعنی سات آسمان پیدا کیے، ایک طبقہ کے اوپر دوسرا طبقہ جس میں فرشتوں کی آمدورفت کی راہیں ہیں اور وہ راہیں اس قدر بلند ہیں کہ نگاہیں ان کے ادراک سے قاصر ہیں، اور چوں کہ آسمان زمین سے بہت بلند ہے، اس لیے دوربین بھی وہاں تک کام نہیں دیتے اور کسی چیز کا دوربین وغیرہ سے نظر نہ آنا یہ اس شئے کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ کسی چیز کا محض اس بنا پر انکار کردینا کہ یہ چیز ہمارے دائرہ ادراک واحساس سے خارج ہے، جہالت اور حماقت ہے۔

جن چیزوں کا انسان ادراک کرسکا وہ محدود اور قلیل مقدار میں ہیں اور جن چیزوں تک انسان کی رسائی نہیں ہوئی، وہ غیر محدود اور غیر متناہی ہیں، محدود تجربہ کی بنا پر غیر محدود چیزوں پر حکم لگانا یہ غیر محدود جہالت اور غیر متناہی حماقت کی دلیل ہے۔

(اور ہم اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر نہیں) آسمان اور زمین کا کوئی حال ہم سے پوشیدہ نہیں، یہ تمام کائنات اس کے علم اور قدرت سے قائم اور محفوظ ہیں، یہ سب ہماری مخلوق ہے، ہم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

''وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ... وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝'' (اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا) تاکہ وہ پانی تمہاری حیات اور زندگی کا سامان بنے اور جس طرح ہم اس پانی کے نازل کرنے پر قادر ہیں (بلا شبہ) اسی طرح ہم (اس پانی کے لے جانے پر بھی قادر ہیں) کہ زمین خشک اور بنجر بنادیں اور تم پیاسے مرجاؤ (پھر ہم نے) اپنے (اس) نازل کردہ پانی (سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ تمہارے لیے ان باغات میں) کھجوروں اور انگور کے علاوہ اور بھی (بہت سے میوے ہیں) جن سے تم لذت حاصل کرتے ہو (اور ان باغات میں سے کھاتے بھی ہو اور ہم نے) اسی پانی سے تمہارے لیے (زیتون کا درخت پیدا کیا، جو طور سیناء سے) بکثرت (اُگتا ہے، جو تیل کو اور کھانے والوں کے لیے سالن کو لے کر اُگتا ہے) وہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن نکلتا

ہے، جو سینہ کے امراض کے لیے غایت درجہ مفید ہے اور کھانے والوں کے لیے وہ سالن کا کام دیتا ہے، یہ بڑا مبارک درخت ہے، جس کے منافع کثیر ہیں، اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔

''وَ اِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ... وَعَلَی الْفُلْکِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾'' نباتات کے بعد حیوانات میں اپنی قدرت اور اپنی نعمت کا ذکر کرتے ہیں کہ تم ان کے گوشت و پوست اور ان کے دودھ سے اور ان کی سواری سے نفع اٹھاتے ہو، ان نعمتوں سے اپنے منعم حقیقی کو پہچانوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(اور) اے لوگو! (تحقیق ان چوپایوں میں تمہارے لیے بڑی عبرت) اور نصیحت کا سامان ہے، اگر تم ان میں غور وفکر کرو، تو خدا تعالی کی قدرت کو اور اس کی نعمت کو سمجھ سکتے ہو (ہم ان کے پیٹوں میں سے) جو خالص دودھ نکالتے ہیں (اس میں سے ہم تم کو پلاتے ہیں) خدا کی عجیب قدرت ہے کہ وہ خدا ''فَرث'' اور ''دَمْ'' یعنی گوبر اور خون کے درمیان سے تمہارے لیے ایک نہایت خوش ذائقہ اور خوش گوار اور لذیذ غذا نکالتا ہے، جس میں گوبر اور خون کی آمیزش نہیں ہوتی یعنی دودھ، جو تمہاری غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے، کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے، سوائے اللہ تعالی کے کون ایسا کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ (اور بھی تمہارے لیے ان چوپایوں میں بہت سے فوائد ہیں) ان کے گھی اور مکھن، صوف اور اون وغیرہ تمہارے کام آتے ہیں، اور یہ جانور تمہارے زراعت میں کام دیتے ہیں (اور ان میں سے بعض جانوروں کو تم کھاتے ہو) یعنی ان کا گوشت کھاتے ہو اور خشکی میں (تم ان جانوروں پر سوار ہوتے ہو) اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو اور تری میں (تم کشتیوں پر لدے لدے پھرتے ہو) اور ان پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہو، یہ سب اللہ تعالی کی نعمتیں ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ (معارف: د)

۲۵... وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَۃَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ هُوَ

الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ لَہُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾

(المؤمنون:۷۸-۸۰)

(اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔ اور وہ ایسا ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا، سو کیا تم نہیں سمجھتے۔)

تشریح وتفسیر

ان آیات میں اللہ رب العزت اپنی نعمتوں کو یاد دلاتے ہیں تاکہ ناشکرے یعنی کفار ومشرکین اس کا شکر کریں اور اپنی قدرت کاملہ کے آثار ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین حشر ونشر مردوں کو دوبارہ زندہ کیے جانے میں شک نہ کریں اور قیامت وجزاء سزا پر ایمان لے آئیں کہ جس خدا کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں، اس کے نزدیک مردوں کا زندہ کرنا کیا بڑی بات ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالی نے چار دلائل بیان فرمائے جو دلائل قدرت ووحدانیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دلیل اول: (اور وہ اللہ) وہ ہے (جس نے پیدا کیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل) اگر حق تعالی تمہارے لیے یہ اعضاء پیدا نہ کرتا تو تم نہ سن سکتے، نہ دیکھ سکتے اور نہ سمجھ سکتے، ان کے بغیر زندگی موت سے بدتر ہے تم کو یہ عجیب وغریب نعمتیں اس لیے عطا کیں کہ تم خدا کا خوب ہی شکر کرو (لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو) تو کیا ایسا ناشکرا اس کا مستحق نہیں کہ اس پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے۔

دلیل دوم: (اور وہ وہ ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور پھیلایا) اور تمہاری حاجتوں وضرورتوں کو زمین میں بکھیر دیا کہ ان کے لیے اِدھر سے اُدھر جار ہے ہو (اور) پھر قیامت کے دن (اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے) اور تم سے سوال ہوگا کہ تم نے ہماری نعمتوں کا کیا شکر کیا۔ یہ سب خدا کی رحمت ونعمت بھی ہے اور کرشمۂ قدرت بھی ہے۔

دلیل سوم: (اور وہ وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے) یعنی تمہاری موت وحیات

اور تمہارا وجود وعدم سب اس کے ہاتھ میں ہے۔

دلیل چہارم: (اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے دن رات کی آمدورفت) یعنی ان کا روشنی اور تاریکی میں مختلف ہونا اور ان کا گھٹنا و بڑھنا یہ سب اسی کے ارادہ اور اختیار سے ہے (سو کیا تم سمجھتے نہیں) کہ یہ کارخانہ کسی قادر مختار کے اختیار سے جاری ہے اور کیا ان دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی بعث اور حشر ونشر کا انکار کرتے ہو۔ (معارف: د)

۲۶... اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۞ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۞ وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ (النور: ۴۳-۴۵)

(کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالی بادل کو چلتا کرتا ہے، پھر اس بادل کو باہم ملا دیتا ہے، پھر اس کو تہہ بتہ کرتا ہے، پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے بیچ میں سے نکلتی ہے، اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے، اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے اب بینائی کو اچک لیا۔ اللہ تعالی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔ اس میں اہل دانش کے لیے استدلال ہے۔ اور اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا، پھر ان میں بعضے تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار پر چلتے ہیں، اللہ تعالی جو چاہتا ہے بناتا ہے۔ بیشک اللہ تعالی ہر چیز پر پورا قادر ہے۔)

تشریح وتفسیر

مذکورہ بالا آیات میں دلائل توحید وقدرت بیان کرتے ہیں جو اہل بصیرت کے

لیے معرفت الٰہی کا ذریعہ اور انوار ہدایت ہیں۔ پس اے لوگو! اگر ظلمتوں اور اندھیریوں سے نکل کر نور میں داخل ہونا چاہتے ہو تو اللہ تعالی کے دلائل قدرت وعظمت میں غور کرو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(اے انسان کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالی بادل کو ہنکاتا ہے) اور ابتداء میں اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں (پھر اللہ تعالی ان ٹکڑوں کو باہم ملا دیتا ہے) یعنی ان کے متفرق ٹکڑوں کو جوڑ دیتا ہے (پھر اس کو تہہ بہ تہہ گاڑھا بادل بنا دیتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس بادل کے بیچ میں سے نکلتی ہے) اور زمین پر گرتی ہے اور اس کو سیراب کرتی ہے (اور آسمان میں یا بادل میں جو اولے کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں، اللہ تعالی ان سے اولے برساتا ہے) آسمان میں اولوں کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں یا بادلوں میں اولوں کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہیں، جو پہاڑوں جیسے ہیں۔ اللہ تعالی اپنی قدرت سے آسمان سے یا ابر سے پانی یا اولے برساتا ہے (پھر جس پر چاہتا ہے وہ بارش یا اولا گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے روک لیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو اچک لے جائے) یعنی وہ بجلی اس قدر تیز ہے کہ قریب ہے (کہ بینائی جاتی رہے، اللہ تعالی اپنی قدرت سے رات اور دن کو پھیرتا ہے) اور بدلتا رہتا ہے، رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے، کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی، یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں (بیشک ان باتوں میں اہل بصیرت کے لیے عبرت ہے) ان سب امور سے اللہ تعالی کی قدرت اور وحدانیت ظاہر ہوتی ہے۔

(اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا) ہر حیوان کا اصل مادہ اور جوہر پانی ہے (سو ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں) جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں) جیسے آدمی اور بہت سے پرندے، جب کہ ہوا میں نہ ہوں (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں) بہائم اور درندے، اونٹ، گائے بکری وغیرہ۔ (اللہ تعالی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بیشک اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے) اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں، کسی کے لیے پیٹ کو چلنے

کا ذریعہ بنایا اور کسی کے لیے دو پیر اور کسی کے لیے چار بنائے۔تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشموں کو دیکھیں اور سمجھیں (اور ہم نے اپنی قدرت کے واضح دلائل بیان کر دیئے) تا کہ لوگ ان کو دیکھ کر راہ حق پر آ جائیں، لیکن ہدایت کی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے (وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگا تا ہے)۔(معارف:د)

۲۷... اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

(الفرقان:۴۵-۵۰)

(کیا تو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیوں کر پھیلایا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا۔ پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا، پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا، اور دن کو زندہ ہونے کا وقت بنایا۔ اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں، اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے، تا کہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چار پایوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں۔ اور ہم اس کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تا کہ لوگ غور کریں، سو اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہ رہے۔)

تشریح وتفسیر

منکرین وحدانیت کی تشنیع کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے آثار اور توحید کے چند دلائل بیان فرماتے ہیں کہ اللہ اشیائے متضادہ اور مختلفہ کے پیدا کرنے پر قدرتِ تامّہ رکھتا ہے، جو اس کے قادر مطلق اور واحدِ قہار ہونے کی دلیل ہے اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ کفار

دن رات مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، اگر ذرا غور کریں تو اللہ تعالیٰ قدرت اور وحدانیت ان پر واضح ہو جائے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ سایہ کی حالت میں غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سایہ کو دراز کیا، اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حال اور ایک انداز پر ٹھہرا دیتا۔ پھر اس نے آفتاب کو سایہ کے پہچاننے کے لیے دلیل بنایا کہ آفتاب کی شعاعوں سے سایہ پہچانا گیا اور پھر اس سایہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچا۔ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک سایہ کا دراز ہونا، پھر آفتاب کا طلوع ہونا، زمین پر اس کی شعاعوں کا پڑنا اور پھر بتدریج سایہ کا سمٹنا، یہ سب اس کی قدرت کے دلائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ .... قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝۴۶ '' (کیا تو نے اپنے پروردگار) کے اس کرشمۂ قدرت اور عجوبۂ صنعت (کی طرف نہیں دیکھا) کہ اس نے محض اپنی قدرت سے طلوع فجر یعنی صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک (کس طرح سایہ کو تان دیا اور لمبا اور دراز کر دیا) اور زمین پر اس کو پھیلا دیا، یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

ذرا نظر اٹھا کر تو دیکھ صبح صادق سے اور خاص کر اسفار کے بعد سے سورج نکلنے تک سایہ ہی سایہ رہتا ہے، نہ سورج کی شعاع ہوتی ہے اور نہ رات کی سی تاریکی ہوتی ہے، دھوپ اور تاریکی کے درمیان ایک بین بین حالت ہوتی ہے اور یہی ظل یعنی سایہ کی حقیقت ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں: ظل یعنی سایہ حقیقت میں ایک ایسی ہی درمیانی چیز کا نام ہے جو خالص روشنی اور خالص تاریکی کے درمیان میں ہو، یہ درمیانی کیفیت اور متوسط نہایت عمدہ وقت اور بہترین زمانہ ہے، اس لیے کہ خالص تاریکی طبعاً مکروہ اور ناگوار ہے۔ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور آنکھ کی بینائی اس سے معطل ہو جاتی ہے، کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ آفتاب کی شعاعوں سے نظر خیرہ ہو جاتی ہے، اس کی روشنی سے آنکھ پراگندہ ہو جاتی ہے اور ہوا گرم ہو جاتی ہے۔ صبح صادق اور اسفار سے

لے کر طلوع آفتاب تک جو وقت ہوتا ہے اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں، اسی وجہ سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ظل ممدود بھی ہے، جنت میں ایسا ہی سایہ ہوگا۔ غرض یہ کہ سایہ بندوں کے لیے اللہ تعالی کی رحمت اور اس کی قدرت کی عجیب وغریب صفت ہے، نہ خالص تاریکی ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو اور نہ تیز روشنی ہے جس سے نگاہ پراگندہ ہو۔

(اللہ تعالی چاہتا تو اس سایہ کو ٹھہرائے رکھتا) کہ وہ سایہ ایک ہی حال پر اور ایک ہی انداز پر ٹھہرا رہتا یعنی ظلّی کیفیت دائم و مستمر رہتی کہ آفتاب طلوع نہ ہوتا یا اگر طلوع بھی ہوتا تو اللہ تعالی کی قدرت اور مشیت سے آفتاب اس سایہ کو زائل نہ کرسکتا اور باوجود طلوع آفتاب کے، سایہ اپنے حال پر رہتا۔

سایہ ہو یا آفتاب ہو کسی کی بھی حرکت خود اس کے اختیار میں نہیں، اللہ جس کو چاہے متحرک کرے اور جس کو چاہے ساکن، اگر اللہ تعالی چاہتا تو اس سایہ کو ساکن کردیتا۔ جنت میں آفتاب کی دھوپ نہ ہوگی، یہی سایہ ہوگا......، اسی طرح اللہ تعالی کو قدرت ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا میں بھی اس سایہ کو قائم رکھتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا یا طلوع ہوتا تو تب بھی وہ اس سایہ کو قائم رکھتا۔

اندازہ کیجئے کہ اگر ہر وقت ہر جگہ دھوپ ہی دھوپ ہوجائے تو انسان اور ہر جاندار کے لیے کیسی مصیبت ہوجائے یہ تو ظاہر ہے، اور سایہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر ہر جگہ ہر وقت سایہ ہی رہے کبھی دھوپ نہ آوے تو انسان کی صحت وتندرستی نہیں رہ سکتی اور بھی ہزاروں کاموں میں خلل آجائے، اللہ تعالی نے یہ دونوں نعمتیں اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمائیں اور انسانوں کے لیے موجب راحت وسکون بنایا۔

(پھر ہم نے) اپنی قدرت کا ایک اور کرشمہ دکھلایا کہ سورج کو پیدا کیا اور مشرق سے اس کو نکالا، جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اس طرح ہم نے (سورج کو) اس سایہ کے پہچاننے کی (ایک دلیل) یعنی ایک علامت اور نشانی (بنایا) کہ سورج نکلنے سے سایہ پہچانا گیا۔ اس طرح آفتاب سایہ کے وجود کی دلیل بنا۔ اگر دھوپ نہ ہوتی تو کوئی شخص سایہ کو نہ

پہچان سکتا کہ سایہ کیا چیز ہے، جب آفتاب نکلا تب سایہ نظر آیا اور اس وقت سایہ کی شناخت ہوئی کہ سایہ ایسا ہوتا ہے اور دھوپ ایسی ہوتی ہے، اس لیے کہ ایک ضد کی شناخت دوسری ضد سے ہوتی ہے ’’**وبضدها تتبين الاشياء**‘‘ اچھے سے برے کی تمیز ہوتی ہے، سفید سے کالے کی اور نور سے ظلمت کی شناخت ہوتی ہے اور جس چیز سے کسی چیز کی حقیت واضح ہو وہی اس کی دلیل ہے......۔

(پھر) سورج نکلنے کے بعد (ہم نے اس سایہ کو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا اپنی طرف سمیٹا) اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے اصل ظِل کا ظہور ہوا تھا، پھر اس کی قدرت اور مشیت سے اس ظل کو آہستہ آہستہ قبض کر لیا گیا۔ جس قدر سورج بلند ہوتا جاتا ہے، سایہ رفتہ رفتہ گھٹتا جاتا ہے، اس رفتہ رفتہ گھٹنے کو اپنی طرف قبض کرنے سے تعبیر کیا۔ طلوع صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک سایہ تمام روئے زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، پھر جب سورج نکلتا ہے تو تھوڑا تھوڑا گھٹنا شروع ہوتا ہے، جس قدر سورج اوپر چڑھتا جاتا ہے، اسی قدر سایہ کم ہوتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ آفتاب کی روشنی اور اس کی شعاع سایہ کی جگہ قائم ہوتی جاتی ہے اور زمین چمک اٹھتی ہے۔ طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک یہی حال رہتا ہے اور اس طرح بتدریج سایہ کے سمٹنے میں بڑی حکمتیں اور منفعتیں ہیں۔ اوقات اور ساعات کی تعیین اسی طرح بتدریج سایہ کے گھٹنے اور بڑھنے سے ہوتی ہے، اگر صبح سے لے کر شام تک ایک ہی حالت رہتی تو ساعات اور اوقات کی تعیین ناممکن تھی۔

غرض یہ کہ سایوں اور دھوپ کا تغیر و تبدل، کمی وزیادتی اور ان کا فنا و زوال یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں حادث ہیں اور ان کے تغیرات اور انقلابات کی باگ کسی علیم و قدیر ذات کے ہاتھ میں ہے جو ان تغیرات سے اپنی قدرت کا تماشا دکھا رہا کہ دیکھ لو کہ وجود اور عدم کا تماشا اس طرح دکھلایا جاتا ہے، اس کو پہچانو اور اسی کی عبادت کرو، ان سب تغیرات میں کسی دیوی دیوتا کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، تو پھر کہاں بہکے جاتے ہو۔

''وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا۝ ''(اور وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا اور نیند کو) تمہارے لیے (آرام بنایا) چوں کہ رات کی تاریکی لباس کی طرح ہر شئے کو چھپا لیتی ہے اس لیے رات کو لباس فرمایا اور نیند کو تمہارے لیے راحت کا سامان بنایا، جس سے بدن کا تعب اور مشقت سب ختم ہو جاتی ہے۔

''سُباتاً، سَبْت'' سے مشتق ہے، جس کے اصل معنی ''قطع'' کرنے کے ہیں، ''سُبات'' وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز کو قطع کیا جائے، نیند کو اللہ تعالی نے ایسی چیز بنایا ہے کہ دن بھر کی محنتوں کی تکان اور کمزوری اس سے قطع ہو جاتی ہے افکار و خیالات منقطع ہو کر دماغ کو آرام ملتا ہے، اس لیے، ''سُبات'' کا ترجمہ آرام و راحت کیا جاتا ہے۔

(اور بنایا اس نے دن کو تمہارے منتشر ہونے کے لیے) رات جب آتی ہے تو لوگ سو جاتے ہیں اور مردہ کی طرح بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں، جب دن نکلتا ہے تو پھر زندہ ہو کر اٹھ جاتے ہیں اور اپنے کام کاج کے لیے اِدھر اُدھر پھیل جاتے ہیں، یہ اللہ تعالی کی قدرت بھی ہے اور اس کی نعمت بھی ہے۔ رات کی نیند بھی اللہ تعالی کی نعمت ہے اور صبح کی بیداری بھی اللہ کی نعمت ہے۔ اور سونے کے بعد صبح کی بیداری حشر و نشر کا نمونہ ہے، جس طرح انسان سو کر اٹھتا ہے اسی طرح پھر مَر کر جئے گا اور منتشر ہوگا۔

یہ بھی باری تعالی کی کتنی عظیم نعمت ہے کہ جس طرح اس نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اسی وقت نیند آتی ہے، ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور شور و شغب کا سبب بنے رہتے اور ہر ایک کی سکون کی نیند غارت رہتی، اسی طرح اس نے سو کر اٹھنے کے وقت کو بھی سارے انسانوں میں جبری طور پر ایک کر دیا ہے ورنہ کچھ کارخانے اور دوکانیں دن کو بند رہتیں، رات کو کھلتیں اور جب وہ کھلتیں تو دوسری بند ہو جاتیں اس لحاظ سے دونوں میں کاروباری مشکلات پیش آتیں۔

ایک بڑاانعام حق تعالی کا یہ بھی ہے کہ ضروریات زندگی جو باہم اشتراک چاہتی ہیں ان کے لیے بھی تقریبی طور پر ایسے ہی متحداور مشترک وقت مقرر کردیئے ،مثلا بھوک اور کھانے کی ضرورت صبح وشام ایک امر مشترک ہے،سب کو ان اوقات میں اس کی فکر ہوتی ہے،جس کے نتیجہ میں سب ضروریات کی فراہمی ہر ایک کے لیے آسان ہوجاتی ہے، کھانے کے ہوٹل ان وقتوں میں تیار کھانے سے بھرے اورضروریات کی دوکانیں کھلی نظر آتی ہیں۔یہ سب نعمتیں باری تعالی کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہیں۔

''وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ . . . اِلَّا كُفُوۡرًا۝'' (اوروہ خداوہ ہے جو باران رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے)بارش اللہ کی رحمت ہےاوراس سے پہلے ہواؤں کا چلنا یہ بشارت ہے کہ عنقریب بارش نازل ہونے والی ہے(اور ہم نے)اپنی رحمت سے(آسمان سے ایسا پانی نازل کیا جوخود بھی پاک ہےاوردوسرے کو بھی پاک کرنے والا ہے،تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ مردہ)یعنی خشک (زمین کوزندہ کریں)یعنی خشک زمین سے قسم قسم کی نباتات اُگاویں۔اسی طرح قیامت کے قریب ایک غیبی بارش نازل ہوگی جس سے مردے زندہ ہوجائیں گے،(اور) تاکہ اس پانی سے(اپنی مخلوقات میں سے چوپایوں کواور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں۔اس سے پہلے پانی سے زمین کی سیرابی کا ذکر تھا، یہاں پانی سے حیوان اورانسان کی سیرابی کا ذکر ہے، بہت سے آدمی تو آسمان کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور بہت سے زمین کے چشموں اور کنوؤں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔

(اورالبتہ ہم نے اس بارش کے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کردیا)کبھی کہیں برساتے ہیں اور کبھی کہیں،کہیں کم اور کہیں زیادہ (تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں)اور سمجھیں کہ بارش کی تقسیم اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا ہےاور جتنا چاہتا ہے برساتا ہے، ہر سال کی بارش کا پیمانہ اوروزن اسی کو معلوم ہے۔(سواکثر لوگ بے ناشکری کئے نہ رہے۔)اور بجائے اس کے کہ اس نعمت عظمی کا شکر کرتے کفرانِ نعمت میں جاپڑے۔مینہ تو اللہ تعالی نے برسایا،مگر یہ ناشکرا اس بارش کی ستاروں اور برجوں کی

طرف نسبت کرتا ہے، یہ شخص خدا کا کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے اور ان کا شکر کرتا ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ''وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ'' کی ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے نصیحت کی تا کہ وہ اس کو قبول کریں، مگر اکثر لوگوں نے ان نصیحتوں کو قبول نہیں کیا۔ (معارف: د-ش)

۲۸... وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ۝۵۴ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ۝۵۵ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝۵۶ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ۝۵۷ وَ تَوَكَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰی بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا ۝ۚۛ۵۸ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ۝۵۹ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝ؑ۶۰ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ۝۶۱ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝۶۲ (الفرقان: ۵۴-۶۲)

(اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا، پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا اور تیرا پرورد گار بڑی قدرت والا ہے۔ اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے۔ اور ہم نے آپ کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ خوش خبری سنائیں اور ڈرائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، ہاں جو شخص یوں چاہے کہ اپنے رب تک رستہ اختیار کرلے، اور اس حی لایموت پر توکل رکھیے اور اس کی تسبیح وتحمید میں لگے رہیئے، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبر دار ہے۔ وہ ایسا ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، سب چھ

روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ بڑا مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیئے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو، تو کہتے ہیں کہ رحمان کیا چیز ہے، کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں گے جس کو تم سجدہ کرنے کے لیے ہم کو کہو گے اور اس سے ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔ وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ اور نورانی چاند بنایا، اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اس شخص کے لیے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔)

تشریح و تفسیر

ان آیات میں بھی اس کی وحدانیت اور قدرت بالغہ ہی کا تذکرہ ہے، ملاحظہ ہو: ''وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ ... وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾'' (اور وہ وہ ہے جس نے پانی سے) یعنی نطفہ سے (انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو خاندان اور دامادی قرابت بنایا) یعنی اللہ کی کتنی بڑی قدرت ہے کہ ایک ہی قسم کے نطفہ سے وہ کبھی تو مرد پیدا کرتا اور کبھی عورت۔ نسب سے مراد مرد ہے کیوں کہ نسب مردوں سے یعنی باپ دادا سے چلتا ہے اور صہر سے مراد عورت ہے، کیوں کہ نکاح کا تعلق عورت سے قائم ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ باہمی محبت و مروت کے دو طریقے پیدا کیے: ایک نسب اور دوسرا مصاہرت یعنی دامادی۔ (اور تیرا پروردگار بڑی ہی قدرت والا ہے) ایک قطرۂ آب یعنی نطفہ سے مذکر اور مؤنث کا اور مختلف شکلوں اور مختلف عقلوں کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔

''وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ... وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾'' من جملہ دلائل قدرت کے یہ مشرکین اور منکرین نبوت کا ایک گروہ ہے کہ جو رب قدیر کے سامنے تو سر جھکانے کو تیار نہیں (اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی ایسی چیزوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں جو ان کو کچھ نہ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے اور یہ کافر اور منکر خدا کے مقابلہ اور مخالفت پر) اور شیطان کی اطاعت پر تلا ہوا ہے اور خدا کے مقابلہ میں شیطان کی پشت پناہ اور معین و مددگار بنا ہوا ہے، نبی برحق جو توحید اور مکارم اخلاق کے داعی ہیں، ان کا دشمن بنا ہوا ہے، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کی کوئی وجہ نہیں۔

اس لیے کہ اے نبی (نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر) نیکوں کو (بشارت دینے والا) اور بدوں کو عذاب الٰہی سے (ڈرانے والا)۔ جس میں سراسر انہی گمراہوں کا فائدہ تھا اور ایسے شخص کی محبت و اطاعت تو عقلا فرض اور لازم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ثواب دائم کی بشارت سنائے اور عقاب دائم سے ڈرائے۔ اے نبی (آپ) ان سے یہ (کہہ دیجئے کہ) میں دنیا میں تمہارا مزاحم نہیں، میں (اس دعوت و نصیحت پر تم سے کوئی اجرت اور مزدوری نہیں مانگتا) یعنی میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنے اموال میں مجھے کچھ دے دو، بلکہ خالص اللہ ہی کے لیے تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، لیکن تمہیں اختیار ہے (جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راہ پکڑے) میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے فائدے کے لیے کہہ رہا ہوں، میں تم سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں چاہتا اور اگر باوجود اس بات کے پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی کریں، تو (آپ اس زندہ خدا پر بھروسہ کیجئے کہ جسے کبھی موت نہیں) وہ تیرے لیے کافی ہے اور جب تیرا پروردگار ''حی لا یموت'' ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی، جس پر کبھی موت نہیں آئے گی، جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا، مگر خداوند ذوالجلال ''حی لا یموت'' ہے، آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے، اس لیے آپ ان دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ نہ کیجئے (اللہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے) وہ ان کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا۔ مجرمین کتنے ہی بے شمار کیوں نہ ہوں، مگر کوئی اس سے پوشیدہ نہیں، اس لیے کہ وہ خداوند وہ ہے کہ (جس نے چھ دن کی مقدار میں آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے) اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم اور اس کی خبر نہ ہو (پھر وہ عرش پر قائم ہوا) جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور وہی خدا (رحمن ہے) جس کی رحمت تمام مخلوقات کو محیط ہے۔ (پس اس کے متعلق کسی جاننے والے سے پوچھ لو) کہ خداوند مہربان کی کیا شان ہے، یہ جاہل مشرک کیا جانیں، ان کی جہالت کا حال تو یہ ہے کہ (جب ان سے یہ کہا جائے کہ رحمن کو سجدہ کرو) جو بڑا رحم کرنے والا ہے اور اس کی رحمت تمام عالم کو محیط

ہے، (تو) یہ نادان (کہتے ہیں کہ رحمن کیا ہے) جس کے سامنے آپ ﷺ ہم کو سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہ جاہل اللہ تعالی کی ذات وصفات سے بالکل بے خبر ہیں، بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ (کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کے سجدہ کرنے کا تو ہم کو حکم دیتا ہے) اور رحمن کا نام یا رحمن کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم (ان کی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے) یہ نام سن کر ایمان سے اور راہ حق سے اور بھاگنے لگتے ہیں۔

''تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا... اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝'' مزید عجائب قدرت ذکر فرماتے ہیں (بہت ہی بڑی برکت والی ہے وہ ذات پاک جس نے (اپنی قدرت سے) آسمان میں برج بنائے اور رکھا آسمان میں ایک چراغ) یعنی آفتاب جو تمام دنیا کے لیے چراغ ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو جہاں میں اندھیرا ہو جاتا (اور بنایا اس میں ایک چاند روشن یا روشن کرنے والا) جو روشنی میں آفتاب سے کم ہے، دونوں کا یہ تفاوت بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ ایک کو زیادہ روشن بنایا اور ایک کو کم، ایک دن میں نکلتا ہے اور ایک رات میں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے زمین سے لے کر آسمان تک اپنی مخلوق کے لیے ایک عالیشان مکان بنایا جس کو آفتاب اور ماہتاب، کوکب اور نجوم سے روشن ومزین کیا اور سامان معیشت مہیا کیا، یہ سب اسی رحمان کی رحمت کا کرشمہ اور جلوہ ہے، جس کے لیے سجدہ کرنے سے یہ نفرت کرتے ہیں، کیا اس کی قدرت نہیں کہ اس نے چاند اور سورج کو پیدا کیا اور ہر ایک کی نورانیت وحرارت میں فرق رکھا اور اس اختلاف سے دنیا کے فوائد مربوط کر دیا۔ اب اس کے بعد اپنی قدرت اور رحمت کا ایک اور کرشمہ ذکر کرتے ہیں کہ اس نے دن اور رات بنائے، چنانچہ فرماتے ہیں (اور وہ وہی ہے جس نے دن اور رات کو ایک دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا) کہ ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آ رہی ہے، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کا قائم مقام ہو سکتا ہے کہ آدمی رات کا کام دن میں اور دن کا کام رات میں کر سکتا ہے۔ بہر حال پے در پے آمد ورفت اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا تذکرہ اور نصیحت ہے (اس شخص کے لیے جو نصیحت پکڑنا چاہے) اگر غور کرے

توسمجھ سکتا ہے کہ لیل ونہار کی یہ آمد محض اس کی قدرت کا کرشمہ ہے (یا اس شخص کے لیے جو شکر گذاری کرنا چاہے) اگر ذرا غور کرے تو سمجھ لے کہ رات دن کا آگے پیچھے آنا رحمن کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے، جس کا شکر واجب ہے۔ (معارف: د)

۲۹. . . اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝۶۰ؕ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ؕ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ؕ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۳ؕ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶۴ (النمل: ۶۰-۶۴)

(یا وہ ذات جس نے آسمان اور زمین کو بنایا، اور اس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے ہم نے رونق دار باغ اُگائے، تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اُگا سکو۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ خدا کی برابر ٹھہراتے ہیں۔ یا وہ ذات جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں، اور اس کے لیے پہاڑ بنائے، اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، بلکہ ان میں زیادہ تو سمجھتے بھی نہیں۔ یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے، اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے، تم لوگ بہت کم یاد رکھتے ہو۔ یہ وہ ذات ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں رستہ سوجھاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے، جو خوش کر دیتی ہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود

ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے، یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو کہ آسمان اور زمین سے تم کو روزی دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، آپ کہیے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔)

تشریح وتفسیر

مشرکین کی توبیخ وتہدید کے لیے اللہ رب العزت اپنے آثار قدرت اور دلائل الوہیت ووحدانیت ذکر کرتے ہیں، کہ شاید یہ بدنصیب شرک سے باز آ جائیں، ان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں غور کریں جو اس کی توحید اور اس کی عظمت وجلال پر دلالت کرتی ہیں اور سمجھیں وجانیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب عاجز اور ذلیل ہیں، لہٰذا شرک سے توبہ کریں اور یقین کریں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو۔

ان آیات سے پہلے مجملاً یہ فرمایا تھا ''آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ ''(بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ بت بہتر ہیں جن کو مشرکین اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں) اس سے مقصود مشرکین کو سرزنش کرنا اور الزام دینا تھا کہ جو بت اپنے عابدوں کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کوئی بلا ٹال سکتے ہیں، وہ بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار بہتر ہے، اس کو کیوں نہیں پوجتے تاکہ اس کے قہر اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے چند دلائل بیان کرتے ہیں اور اجمال کے بعد قدرے کمالاتِ قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں، تاکہ مشرکین ان میں غور کریں اور بتلائیں کہ کون بہتر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ . . . بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ '' کیا یہ عاجز اور ان کے تراشیدہ بت بہتر ہیں (یا وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس پانی سے خوشنما اور بارونق باغ اُگائے، تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم درختوں کو اُگا ہی سکو) تمہاری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ زمین میں بیج ڈالو، باقی درختوں کے اُگانے اور ان کی نشوونما پر تم کو ذرہ برابر بھی قدرت نہیں اور درختوں، پھولوں اور پھلوں میں عجیب عجیب صنعتیں ہیں، ان کا تو تم تصور

بھی نہیں کر سکتے، آسمان اور زمین کے اختلاط سے یہ نعمتیں میسر آتی ہیں اور آسمان سے پانی برسنے میں اور زمین سے نباتات کے اُگنے میں ذرہ برابر کسی کو دخل نہیں، (کیا اللہ تعالی کے ساتھ) جس کی شان یہ ہے (کوئی اور معبود ہے) جو الوہیت میں اس کا شریک ہے جو ان چیزوں کے پیدا کرنے میں اس کا معین اور مددگار ہو، کوئی نہیں (پر مشرکین راہ حق سے عدول کرتے ہیں) اور بلا دلیل اللہ تعالی کا شریک اور اس کا برابر ٹھہراتے ہیں۔ غرض یہ کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور پھر آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے قسم قسم کی نباتات کا اگانا یہ سب اس کی قدرت کے دلائل ہیں، جن میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

''اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا... بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۱'' (بھلا بتلاؤ) یہ بت بہتر ہیں (یا وہ ذات بہتر ہے جس نے زمین کو) آدمیوں اور چوپایوں کے لیے (قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کیں اور اس نے) زمین کو ٹھہرانے کے لیے (پہاڑ بنائے) یعنی اس نے اپنی قدرت سے زمین کو جائے قرار بنایا کہ جو اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے اور جمی ہوئی ہے، نہ جھکتی ہے، نہ ہلتی ہے، اگر وہ ہلتی اور کانپتی رہتی تو کوئی ذی حیات اس پر زندگی نہ بسر کر سکتا اور نہ اس کی عیش خوش گوار ہوتی۔ اللہ تعالی نے اپنے فضل ورحمت سے ایسا جما ہوا فرش بنا دیا کہ ہلتا نہیں۔ (اور اس نے دو دریاؤں کے درمیان ایک پردہ بنا دیا) یعنی ایک حد فاصل بنا دی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہیں پاتا۔ (بھلا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے) جس میں یہ قدرت ہو، ہرگز نہیں (بلکہ ان میں سے اکثر لوگ کچھ جانتے) اور بوجھتے (نہیں) اس اس لیے شرک میں مبتلا ہیں۔

''اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ... قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲'' (بھلا بتلاؤ) کہ یہ بت بہتر ہیں (یا وہ ذات بہتر ہے کہ جو مصیبت زدہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے) بیماری اور تنگی کے دور کرنے پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی قادر نہیں۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالی نے زمین وآسمان اور بر وبحر کے عجائب قدرت سے استدلال کیا اب اس آیت میں انسان کی ذاتی حاجت سے اپنی الوہیت پر استدلال کرتے ہیں کہ مصیبت اور بیقراری کی حالت میں انسان کا خدا کو

پکارنا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کی طبیعت میں راسخ ہے، اسی لیے مصیبت میں صرف اللہ ہی کو پکارتا ہے کسی بت کو نہیں پکارتا ہے۔ مضطر اس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی شدت اور مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہے اور نہ اس پر صبر کرسکتا ہے، ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' کا مصداق ہے، پس خدائے برحق وہ ہے کہ جب اسباب ظاہری تم کو جواب دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز ہو جاتے ہو، اس وقت تم اپنی سختیوں میں اس کو پکارتے ہو اور وہ تمہاری پریشانی دور کرتا ہے، وہی تمہارا خدا ہے (اور وہی) خدا (تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے) کہ ان کو موت دیتا ہے، اور ان کے بعد زمین کو تمہارے تصرف میں لاتا ہے، اسی طرح ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک قرن کے بعد دوسرا قرن پیدا کرتا رہتا ہے، جیسی اس کی حکمت اور مشیت ہوتی ہے، اسی کے موافق پیدا کرتا ہے۔ (کیا اللہ کے ساتھ) جس کی شان یہ ہے (اور کوئی معبود ہے، مگر تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو) کہ ایسے دلائل حقہ اور واضحہ پر بھی دھیان نہیں کرتے۔

''اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ . . . تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾'' (بھلا بتلاؤ) کہ یہ بت بہتر ہیں (یا وہ ذات بہتر ہے جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے) یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لیے ستارے پیدا کیے تاکہ اندھیروں میں ان کے ذریعہ راستہ معلوم کرسکو۔ پس خدائے برحق تو وہ ہے جس کی شان یہ بیان ہوئی (اور) اس کی شان یہ ہے کہ (وہ اپنی باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے) کہ وہ ہوائیں تم کو باران رحمت کی آمد کی خوش خبری سناتی ہیں۔ باران رحمت کے نزول سے پہلے ہواؤں کا چلانا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی قدرت میں نہیں (کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے) ہرگز نہیں (اللہ بلند اور برتر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو) ایک عاجز محض قادر برتر کا کہاں شریک ہوسکتا ہے۔

''اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ . . . اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾'' (بھلا بتلاؤ) کہ یہ بت بہتر ہیں (یا وہ ذات بہتر ہے کہ جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے) جو تمہیں بھی مسلم ہے (پھر

وہی) اپنی قدرت سے موت کے بعد قیامت کے دن ان کو (دوبارہ پیدا کرے گا) پس خدا وہ ہے کہ جو وجود اور عدم کا مالک ہو اور جو لوگ قیامت کے منکر ہیں، وہ بلا دلیل کفر کرتے ہیں کیوں کہ جب پہلی مرتبہ کی پیدائش تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے تو دوبارہ پیدائش کو کیوں محال اور ناممکن بتلاتے ہو۔ اس خدا کی شان یہ ہے کہ (وہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے) آسمان سے بقدر معلوم پانی نازل کرتا ہے اور زمین سے قسم قسم کے نباتات اگاتا ہے (کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے) جو ان کاموں میں اس کا شریک ہے۔ اے نبی (آپ) ان مشرکین سے (کہہ دیجئے تم) اپنے شرک پر (کوئی دلیل لاؤ، اگر تم اس دعوے میں سچے ہو) (معارف: د)

۳۰... قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(القصص: ۷۱-۷۳)

(آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک رات ہی رہنے دے، تو خدا کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے روشنی کو لے آوے، تو کیا تم سنتے نہیں۔ آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک دن ہی رہنے دے، تو خدا کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آوے، جس میں تم آرام پاؤ، کیا تم نہیں دیکھتے۔ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنایا، تاکہ تم رات میں آرام کرو اور تاکہ اس کی روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو۔)

تشریح وتفسیر

ان آیات میں اللہ رب العزت اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں، جن میں سے ہر ایک اس کے کمال قدرت کی بھی دلیل ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لیل

ونہار کو مسخر کیا، جن کے بغیر تمہارے نظام حیات کا قیام اور قوام ناممکن ہے اور یہ دن رات اس کی کمال قدرت واختیار کی دلیل ہیں، جس کا ''مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ'' میں ذکر ہے۔ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کسی کی قدرت واختیار میں نہیں نہ کسی دیوی دیوتا کے اور نہ کسی بت وپتھر کے اور جس کو قدرت واختیار نہ ہو وہ لائق عبادت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اے نبی (آپ) ان لوگوں سے یہ (کہیئے ذرا بتلاؤ تو سہی اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو روز قیامت تک دائم اور مستمر کردے) کہ رات ہی رات رہے، اور آفتاب زمین کے نیچے ہی رہے، طلوع نہ کرے (تو اللہ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہارے لیے روشنی لے آئے) یعنی روز روشن لے آئے جس میں تم طلب معاش کرسکو، (کیا تم) ہماری اس روشن دلیل کو عقل کے کان سے (سنتے نہیں) اور اے نبی (آپ) ان سے یہ بھی (کہیئے کہ بھلا بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ) اس کے برعکس (دن کو روز قیامت تک ہمیشہ رہنے والا بنادے) کہ آفتاب اپنی جگہ قائم رہے اور غروب ہی نہ ہو (تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آئے، جس میں تم آرام کرسکو) اور دن کے کاموں کی تھکن سے راحت حاصل کرسکو۔ (کیا تم) اللہ کے ان آثار قدرت اور آثار رحمت کو اپنی (چشم بصر) اور چشم بصیرت (سے نہیں دیکھتے) یعنی کیا تم کو ایسی روشن دلیلیں دکھلائی نہیں دیتیں (اور اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا، تاکہ رات میں تم آرام کرو اور دن میں اس کی روزی تلاش کرو اور) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں یعنی رات اور دن کا (شکر کرو) رات اور دن یہ دو نعمتیں ہیں جو یکے بعد دیگرے تم کو پہنچتی رہتی ہیں، دن کسب معاش کے لیے ہے اور رات راحت و آرام کے لیے۔ غور تو کرو کہ یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں اور کیسی زبردست قدرت کی نشانیاں ہیں۔ انسان کو کام کی بھی ضرورت ہے اور کام کے بعد آرام کی بھی ضرورت ہے۔ تمہارے فرضی خداؤں میں یہ قدرت نہیں کہ وہ دن اور رات میں ذرہ برابر تغیر وتبدل کرسکیں۔ (معارف:د)

۳۱... یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ یُحْیِ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ
تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ
اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ
مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنَزِّلُ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ
دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ (الروم:۱۹-۲۵)

(وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے، اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے، اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے، اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تھوڑے ہی روز وں بعد تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں، تا کو تم کو ان کے پاس آرام ملے ، اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی، اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے، اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے، اس میں دانشمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے، اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے، جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے، اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب تم کو پکار کر زمین سے بلاوے گا تو تم یکبارگی نکل پڑو گے۔)

تشریح وتفسیر

ان آیات میں بھی منکرین حشر ونشر کے عقائد وخیالات کی تردید اور امکان قیامت ہی کے ذیل میں قدرت باری تعالی کو بیان فرمارہے ہیں کہ اس کی قدرت کے کیا کہنے ،اس کی قدرت کا حال تو یہ ہے کہ (وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے) جیسے نطفہ سے انسان کو اور بیضہ سے چوزہ کو (اور مردہ کو) یعنی بے جان کو (زندہ سے نکالتا ہے) جیسے انسان سے نطفہ اور مرغی سے بیضہ اور ہزاروں حشرات الارض کا یکلخت زمین سے وجود میں آتے رہنا اور پھر ان کا مٹی میں مل جانا اور خاک ہوجانا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ (اور زمین کو اس کے مردہ) یعنی خشک (ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے) یعنی وہ نباتات سے ہری بھری ہوجاتی ہے، پس قیامت میں یہی ہوگا (اور اسی طرح تم) زندہ کر کے زمین سے (نکالے جاؤگے)۔

(اور اللہ تعالی کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک امر یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اچانک تم آدمی ہوکر زمین میں پھیل پڑے) اور اسباب معاش کے مہیا کرنے کے لیے چلنے پھرنے لگے۔ انسان کی جسمانی صورت اور اس کی روحانی حقیقت جس سے وہ اشیاء کا ادراک کرتا ہے حکمت کاملہ کا مخزن ہے کہ یہ جسم خاکی کس طرح عناصر اربعہ سے مرکب ہوکر علم وحکمت کا چشمہ بن گیا، ظاہر ہے کہ نہ تو خود ایسا ہوگیا اور نہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے، بلکہ کسی قدیر وعلیم کے علم وقدرت کا کرشمہ ہے، اسی طرح قیامت کے دن اجزائے منتشرہ کو جمع کرکے دوبارہ زندگی بخشی جائے گی۔

فائدہ: بنی آدم کی اصل اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جو مٹی سے پیدا ہوئے اور انسان کی قریبی اصل (اصل ثانی) نطفہ ہے جو غذا سے بنتا ہے اور غذائیں سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں، اس لیے قرآن مجید میں کہیں ''خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ'' آیا ہے اور کہیں ''خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا'' اور ''مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ'' آیا ہے، سب درست ہے، کسی جگہ انسان کے مادۂ بعید کی طرف اشارہ ہے اور کسی جگہ مادۂ قریبہ کی طرف اشارہ ہے، انسان کی اصل اول مٹی اور اصل ثانی پانی ہے۔

(اور من جملہ اس کی آیات قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے)یعنی تمہاری جنس سے (جوڑے پیدا کیے)یعنی عورتیں (تاکہ) ہم جنس ہونے کی وجہ سے ان کی طرف میلان کرواور (ان سے مل کر سکون حاصل کرو)اور چین پکڑو، اس لیے کہ ہم جنس ہونا میلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا باعث نفرت ہے۔ (اور رکھ دیا تمہارے درمیان باہمی محبت والفت) عقد تزویج ہوتے ہی آپس میں محبت اور الفت ہوجاتی ہے، حالاں کہ بسا اوقات پہلے سے کوئی جان پہچان ہی نہیں ہوتی ہے (اور) تمہارے درمیان (مہربانی رکھ دی) کہ ایک دوسرے پر رحم کرتا ہے (بیشک ان باتوں میں)یعنی انسان کے مٹی سے پیدا کرنے میں اور پھر اس کی جنس سے ایک جوڑا پیدا کرنے میں اور باہم محبت والفت پیدا کرنے میں اللہ تعالی کی قدرت کی (بہت سی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں)اور صنائع الہیہ میں غور کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ زن وشوہر کی محبت صرف اللہ تعالی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ دو چیزوں کو جوڑ کر ایک بنادیا، اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن پراگندہ اجزاء کو جوڑ دے۔

(اور من جملہ اس کی) قدرت کی (نشانیوں کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے) کہ آسمان تو غایت درجہ بلند اور زمین غایت درجہ پست اور زمین کے قطعات باہم مختلف (اور)من جملہ دلائل قدرت کے (تمہاری زبانوں کا اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے)ہر خطہ کی زبان الگ، کوئی عربی، کوئی فارسی، کوئی ترکی اور کوئی ہندی وغیرہ وغیرہ اور ہر ایک کا لب ولہجہ مختلف اور کسی کا رنگ سرخ، کسی کا سفید اور کسی کا کالا وغیرہ وغیرہ، یہ سب کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ خداوند عالم کی کاری گری ہے۔ (بیشک اس میں)یعنی زبانوں، لہجوں اور رنگتوں کے مختلف ہونے میں اس کی قدرت وحکمت کی بہت سی (نشانیاں ہیں علم والوں کے لیے)اور جس کو یہ دلائل قدرت نظر نہ آئیں وہ قطعاً جاہل ہے۔ آسمان وزمین کی عظمت پر نظر ڈالو اور اپنی مختلف قسم کی بولی اور اپنی صورتوں اور شکلوں کی رنگا رنگی پر نظر ڈالو، کیا یہ چیزیں اللہ تعالی کی غیر متناہی قدرت پر دلالت نہیں کرتیں۔ پس جس طرح دنیا

میں صفات اور حالات مختلف ہیں، اسی طرح اگر آخرت میں بھی درجات مختلف ہوں تو کیا استبعاد ہے۔

(اور من جملہ اس کی آیات) قدرت (کے تمہارا رات میں اور دن میں سونا ہے) کہ سونے سے قوائے بدنیہ کو راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے (اور) من جملہ دلائل قدرت کے (تمہارا اللہ تعالی کے فضل کو) یعنی رزق کو (تلاش کرنا ہے) کہ اس کی تلاش میں محنت اور مشقت اٹھاتے ہو (اس میں) یعنی سونے میں اور طلب معاش میں (بہت سی آیات) قدرت (ہیں، ان لوگوں کے لیے جو) گوش ہوش سے (سنتے ہیں) اور جو بدبخت نیچر کے سامنے گونگے اور بہرے بنے ہوئے ہیں وہ کچھ نہیں سنتے۔ یہاں دلائل انفس کا ذکر تھا اب آگے دلائل آفاق کا ذکر ہے۔

(اور من جملہ) دلائل قدرت کے (نشانیوں کے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے ڈر کے لیے اور امید کے لیے) بجلی کے گرنے سے تم کو جان کا ڈر ہوتا ہے اور بارش کی طمع ہوتی ہے، اللہ تعالی کی قدرت کو دیکھو کہ اس نے ایک چیز میں بیک وقت دو متضاد صفتوں کو جمع کر دیا، برق ایک ہے کوئی اس سے ڈر رہا ہے اور کوئی اس سے امید لگا رہا ہے (آسمان کی طرف سے یا بادل سے پانی نازل کرتا ہے، پھر اس کے سبب سے زمین کو مردگی اور پژمردگی کے بعد زندہ کرتا ہے) یعنی اس کو سرسبز و شاداب کر دیتا ہے، (بیشک اس) برق اور باراں (میں) قدرت الٰہی کی (نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں) وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالی کی قدرت کے کرشمے ہیں، کسی نیچر اور ایتھر کا اثر نہیں، اگر کسی کا گمان یہ ہے کہ یہ سب ایتھر اور نیچر کا اثر ہے تو بتلائے اور سمجھائے کہ کس طرح سے ہے، محض زبان سے کہہ دینا کافی نہیں، ابر کو دیکھو کہ آب اور ہوا کا مجموعہ ہے، یا خالص پانی ہے جو آگ کا دشمن ہے، اللہ تعالی کی قدرت کو دیکھو کہ وہ آب خالص میں سے ہوا اور پانی میں سے آگ نکال رہا ہے، ضد میں سے ضد کا نکالنا اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

(اور من جملہ اس کی) قدرت کی (نشانیوں کے) یہ ہے کہ (آسمان) بدون ستون

کے (قائم ہے اور زمین) پانی پر (ٹھہری ہوئی ہے) اور یہ سب (اللہ تعالی کے حکم سے ہے) اس میں کسی دیوی دیوتا یا کسی ایتھر اور نیچر کو ذرہ برابر دخل نہیں۔

مذکورہ ان سب دلائل کا حاصل یہ ہے کہ یہ تمام نظام عالم جس کا ان آیاتِ قدرت میں ذکر ہوا وہ سب اللہ تعالی کے ارادہ اور مشیت سے چل رہا ہے اور ایک دن یہ سارا نظام درہم وبرہم ہو جائے گا (پھر) اس وقت یہ ہوگا کہ (وہ جب تم کو پکار کر زمین کے اندر سے بلاوے گا، تو تم سب ایک بارگی زمین سے) یعنی اپنی قبروں سے (نکل پڑو گے) تو اس وقت دوسرا نظام شروع ہو جائے گا اور یہ بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگی۔ (معارف:د)

۳۲... اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ (الروم:۴۸)

(اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالی اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے، پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے، تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔)

تشریح وتفسیر

یہاں بھی دلائل قدرت ہی کا بیان ہے، ارشاد ہے:

(خدائے برحق وہ ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں پھر اٹھاتی ہیں وہ ہوائیں ابر کو، پھر پھیلاتا ہے اللہ تعالی اس ابر کو آسمان کی جانب میں جس طرح چاہے) کہیں کم اور کہیں زیادہ، کہیں سفید اور کہیں سیاہ (پھر اس کو تہ برتہ کر دیتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس ابر کے درمیان سے نکلتی ہے) اور جہاں جتنی بارش چاہتا ہے اتنی ہی بارش ہوتی ہے (پھر جب اللہ تعالی اس بارش کو اپنے بندوں میں سے جس کو پہنچاتا ہے تو ناگاہ وہ خوش ہو جاتے ہیں) اور ان کو قحط کے دور ہونے کی امید ہو جاتی ہے۔ یہ سب اللہ تعالی کی قدرت و

مشیت کے اختیار میں ہے، اس کے علاوہ کسی کا کوئی دخل اس میں نہیں ہے۔ (معارف: د)

۳۳۔۔۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ (الروم: ۵۴)

(اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا، پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی، پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور وہ جا ننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔)

تشریح وتفسیر

اس سورت کی بہت سی آیات میں منکرین قیامت کے شبہات کا ازالہ فرمایا گیا ہے، جس کے لیے حق تعالی کی قدرت مطلقہ کاملہ اور حکمت بالغہ کی بہت سی آیات اور نشانیاں دکھلا کر غافل انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کا سامان کیا گیا ہے، مذکور الصدر آیت میں ایک نئے انداز سے اسی مضمون کا اثبات ہے، وہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت سے جلد باز واقع ہوا ہے اور سامنے کی چیزوں میں لگ کر ماضی و مستقبل کو بھلا دینے کا عادی ہے اور اس کی یہی عادت اس کو بہت سی مہلک غلطیوں میں مبتلا کرتی ہے، جس وقت انسان جوان ہوتا ہے اس کی قوت اپنے شباب پر ہوتی ہے، یہ اپنی قوت کے نشہ میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتا، حدود پر قائم رہنا اس کو دوبھر معلوم ہوتا ہے، اس کو متنبہ کرنے کے لیے اس آیت میں قوت وضعف کے اعتبار سے انسانی وجود کا ایک مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے، جس میں دکھلایا ہے کہ انسان کی ابتداء بھی کمزور ہے اور انتہاء بھی، درمیان میں بہت تھوڑے دنوں کے لیے اس کو ایک قوت ملتی ہے، عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ اس چندروزہ قوت کے زمانہ میں اپنی پہلی کمزوری کے مختلف درجات کو ہمیشہ سامنے رکھے، جن سے گذر کر یہ قوت وشباب تک پہنچا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ'' (خداوند مطلق اور معبود برحق وہ ہے، جس نے تم کو ناتوانی اور کمزوری سے پیدا کیا) مطلب یہ ہے کہ اے غافل! اپنی اصل بنیاد کو

دیکھ کہ کس قدر ضعیف، بلکہ عین ضعف ہے کہ ایک قطرۂ بے جان، بے شعور، ناپاک، گھناؤنی چیز ہے، اس میں غور کر کہ کس کی قدرت وحکمت نے اس گھناؤنے قطرہ کو ایک خون منجمد کی صورت میں، پھر خون کو گوشت کی صورت میں، پھر اس گوشت کے اندر ہڈیاں پیوست کرنے میں تبدیلیاں کیں، پھر اس کے اعضاء وجوارح کی نازک نازک مشینیں بنائیں کہ یہ ایک چھوٹا سا وجود ایک چلتی پھرتی فیکٹری بن گیا، جس میں سیکڑوں عجیب وغریب خودکار مشینیں لگی ہوئی ہیں اور زیادہ غور سے کام لو تو ایک فیکٹری نہیں، بلکہ ایک عالم اصغر ہے کہ پورے جہان کے نمونے اس کے وجود میں شامل ہیں، اس کی تخلیق وتکوین بھی کسی بڑے ورکشاپ میں نہیں، بلکہ بطن مادر کی تین اندھیریوں میں ہوئی اور نو مہینے اسی تنگ وتاریک جگہ میں بطن مادر کے خون اور آلائشوں سے غذا پاتے ہوئے حضرت انسان کا وجود تیار ہوا۔ ’’ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ‘‘ پھر اللہ تعالی نے ان کے ظہور کے لیے راستہ آسان فرمادیا، اس عالم میں آئے تو حالت یہ تھی ’’اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا‘‘ یعنی شکم مادر سے اللہ تعالی نے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، اب قدرت نے تعلیم وتلقین کا سلسلہ شروع کیا، سب سے پہلا ہنر رونے کا سکھلایا جس سے ماں باپ متوجہ ہوکر اس کی بھوک پیاس اور ہر تکلیف کو دور کرنے پر لگ جائیں، پھر ہونٹوں، مسوڑوں کو دباکر ماں کی چھاتیوں سے دودھ نکالنے کا ہنر سکھلایا، جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرلے، کس کی مجال تھی، جو اس لایعقل بچے کو یہ دونوں ہنر سکھادے، جو اس کی موجودہ ساری ضرورتوں کی کفالت کرتے ہیں، بجز اس قدرت کے جو اس کی تخلیق کی مالک ہے۔ اب ضعیف بچہ ہے، ذرا ہوا لگ جائے تو پژمردہ ہوجائے، ذرا سردی یا گرمی لگ جائے تو بیمار ہوجائے، نہ اپنی کسی ضرورت کو مانگ سکتا ہے، نہ کسی تکلیف کو دور کرسکتا ہے۔

یہاں سے چلئے اور جوانی کے عالم تک اس کی تدریجی منازل تک غور کرتے جائیے تو قدرت حق جل شانہ کا ایسا عظیم شاہ کار سامنے آئے گا کہ عقل حیران رہ جائے گی، ارشاد ہے: ’’ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً‘‘ (پھر کمزوری کے بعد اللہ تعالی نے تم کو

قوت دی) یعنی جوانی دی۔ جب قوت کی منزل میں پہنچے تو زمین آسمان کے قلابے ملانے لگے، چاند اور مریخ پر کمند پھینکنے لگے، بحر و بر پر اپنے قبضے جمانے لگے، اپنے ماضی و مستقبل سے غافل ہو کر ''مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً'' (ہم سے زیادہ کون قوی ہو سکتا ہے) کے نعرے لگانے لگے، یہاں تک کی اسی قوت کے نشہ میں اپنے پیدا کرنے والے کو بھی بھول گئے اور اس کے احکام کی پیروی کو بھی، مگر قدرت نے اس کو بیدار کرنے کے لیے فرمایا:

''ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّ شَيْبَةً'' (پھر قوت اور توانائی کے بعد تم کو کمزوری اور بڑھاپا دیا) کہ غافل! خوب سمجھ لے کہ یہ قوت تیری چندروزہ ہے، پھر اسی ضعف کے عالم کی طرف لوٹنا ہے، اور اسی تدریج سے ضعف بڑھنا شروع ہوگا، جس کا اثر ایک وقت کے بعد ''شَيْبَةً'' بالوں کی سفیدی کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور پھر سب ہی اعضاء و جوارح کی شکل و صورت میں تبدیلیاں لائے گا۔ دنیا کی تاریخ اور دوسری کتابیں نہیں خود اپنے وجود میں لکھی ہوئی اس مخفی تحریر کو بڑھ لو تو اس یقین کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے گا کہ ''يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾'' (جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ علم والا اور قدرت والا ہے) کبھی کمزوری اور کبھی توانائی، کبھی تندرستی اور کبھی بیماری، اس طرح قوت اور ضعف کے بیابانوں میں تمہیں پلٹیاں دے رہا ہے اور تمہیں اپنی قدرت اور تمہاری لاچارگی کا تماشا دکھا رہا ہے۔ یہ علم میں بھی سب سے بڑا ہے اور قدرت میں بھی، کیا اس کے بعد بھی اس میں کچھ شبہ کی گنجائش رہ گئی کہ وہ جب چاہے مردوں کو دوبارہ بھی زندہ کر سکتا۔ (معارف: ش-د)

۳۴... خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَا ذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ (لقمان: ۱۰-۱۱)

(اللہ تعالی نے آسمان کو بلا ستون کے بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو، اور زمین میں

پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانوا ڈول نہ ہونے لگے، اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اُگائے۔ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں، اب تم مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انھوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں، بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔)

تشریح وتفسیر

''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا'' دلائل قدرت ہی کا بیان کہ (اللہ تعالی نے آسمانوں کو بلاستون کے پیدا کیا، جیسا کہ تم دیکھتے ہو) کہ آسمان بلا عمود کے قائم ہیں، یہ اس کی کمال صنعت کی دلیل ہے کہ اس نے اتنا بلند اور طویل وعریض جسم بغیر عمود کے پیدا کر دیا اور بلاستون اور سہارے کے اسے قائم کر دیا، جس کو تم ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہو، دیکھ لو کہ یہ آسمان خود بخود با قتضاء طبیعت موجود نہیں ہو گئے، بلکہ اللہ تعالی کی قدرت سے وجود میں آئے ہیں اور فضاء وخلاء میں بغیر کسی ستون کے قائم ہیں اور ان آسمانوں کا کوئی مکان بھی نہیں کہ جہاں یہ سات آسمان مستقر اور متمکن ہیں، اگر ہر جسم اور ہر مکان کے لیے مکان لازم ہو تو تسلسل لازم آئے۔

فائدہ: ترکیب نحوی کے اعتبار سے آیت کریمہ ''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا'' کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ''تَرَوْنَهَا'' کو ''عَمَدٍ'' کی صفت قرار دیا جائے اور اس کی ضمیر ''عَمَدٍ'' کی طرف راجع کی جائے، تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالی نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے، جن کو تم دیکھتے ہو۔ یعنی اگر ستون ہوتے تو تم ان کو دیکھتے، جب ستون نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ یہ آسمان کی عظیم الشان چھت بغیر ستونوں کے بنائی گئی ہے۔ یہ تفسیر حضرت حسن اور حضرت قتادہ سے منقول ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ''تَرَوْنَهَا'' کی ضمیر ''السَّمٰوَاتِ'' کی طرف راجع ہو اور یہ جملہ مستقل قرار دیا جائے، معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالی نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ پہلی ترکیب کی صورت میں ایک معنی یہ بھی کئے جا سکتے ہیں کہ آسمان ستونوں پر قائم ہیں، ان کو تم دیکھ نہیں سکتے، وہ غیر مرئی ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن

عباس،ؓ حضرت عکرمہ اور حضرت مجاہد سے منقول ہے۔(ابن کثیر)

''وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ ''(اور اس نے زمین میں بڑے بھاری پہاڑ ڈال دیئے کہ زمین تم کو لے کر جنبش نہ کرے) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی پشت پر پہاڑوں کو اس لیے جما دیا تاکہ وہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے، زمین پانی کی پشت پر قائم ہے اور اوپر سے ہوائیں ہیں، اگر اس کے اوپر پہاڑوں کا ثقل اور بوجھ نہ ہوتا تو مخلوق ارضی اس کی جنبش اور اضطراب سے تہ و بالا ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ثقل سے زمین کو ثابت اور مستقر کر دیا۔

''وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ''(اور) اس نے اپنی قدرت سے (زمین میں ہر قسم کے جانور بکھیر دیئے) جن کی صورتیں اور شکلیں مختلف ہیں، اور ہر ایک کے اعضاء دوسرے سے متمیز ہوئے، کوئی جانور کسی زمین میں پیدا ہوتا ہے اور کوئی کسی زمین میں، زمین ساکن ہے اور جانور اس پر چلتے پھرتے ہیں، اگر زمین میں تزلزل اور اضطراب ہوتا تو اس پر ٹھہرنا اور چلنا مشکل ہو جاتا۔ بقول فلاسفۂ عصر اگر زمین متحرک ہوتی تو ہندوستان کی زمین حرکت کر کے امریکہ کی جگہ اور امریکہ حرکت کر کے ہندوستان کی جگہ آ جاتا اور ہندوستان کا طلوع وغروب اور موسم امریکہ جیسا ہو جاتا۔

''وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ ''(اور ہم نے) اپنی قدرت سے (آسمان سے پانی اتارا) جو تمہاری زندگی کا اور نجاستوں کے دور کرنے کا سامان ہے (اور ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ عمدہ نباتات اگائے) جن کے فوائد اور منافع کو کوئی شمار نہیں کر سکتا، زمین میں تخم ریزی ہوتی ہے اور آسمان سے پانی برستا ہے، اگر بارش نہ ہوتی تو زمین سے پیداوار کس طرح ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے زمین پر بارش ہوتی ہے اور اس علوی اور سفلی کے امتزاج سے قسم قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

''هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ''(دیکھ لو کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں) آسمان، زمین، پہاڑ، حیوانات اور نباتات یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوقات ہیں۔ (پس) اے مشرکین!

(مجھے دکھاؤ تو سہی کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود مانتے ہو، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کون سی چیز پیدا کی ہے۔) تاکہ معلوم ہو کہ یہ چیزیں تمہارے معبودوں کی پیدا کی ہوئی ہے، مگر یہ لوگ زینہار کوئی ایسی چیز پیش نہیں کر سکتے ہیں، جو ان کے مزعوم معبودوں نے بنائی ہو۔ جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے ان کو خدائی میں شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہ ہی ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو، یہاں ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔ (بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں) یعنی ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں، اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ (معارف: دیکھیں تفسیر عثمانی)

۳۵۔۔۔ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ (لقمان:۲۰)

(کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں۔ اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں بدون واقفیت اور بدون دلیل اور بدون کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔)

تشریح وتفسیر

الوہیت اور وحدانیت کی معرفت نبوت اور بعثت پر موقوف نہیں، انسان اگر ذرا غور کرے اور عقل سے کام لے تو اپنے خالق اور منعم کو پہچان سکتا ہے۔ اسی جانب اشارہ کیا جا رہا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

(کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مسخر کر دیا ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں) جیسے چاند، سورج، ستارے اور بادل کہ ان سے نفع اٹھاتے ہو (اور) مسخر کر دیا تمہارے لیے (ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں) جیسے حیوانات اور نباتات (اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی) ظاہری نعمت صورت ظاہرہ

کی درستی کا سبب ہے اور باطنی نعمت، سیرت کی درستی کا سبب ہے۔ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو حواس ظاہری سے محسوس اور مُدرَک ہیں، جیسے کھانا، پینا، پہننا اور باطنی نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو عقل سے دریافت ہوں، جیسے ایمان اور علم دین، اس طرح ظاہری اور باطنی اور آسمان اور زمین کی نعمتیں تم پر پوری کر دیں (اور) باوجود اس کے (بعضے آدمی ایسے ہیں کہ حق تعالی کی شان میں) یعنی توحید میں (جھگڑتے ہیں، بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے۔)علم سے مراد دلیل عقلی ہے اور ہدی سے دلیل کشفی اور الہامی مراد ہے، جو کسی ہادی نبی یا ولی کے ذریعہ سے بذریعہ وحی اور الہام معلوم ہوئی ہے اور کتاب منیر سے کتاب آسمانی مراد ہے۔مطلب یہ ہے کہ اس بارہ میں ان لوگوں کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی ہے، محض آباء واجداد کی تقلید کی بناء پر شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہیں۔(معارف:د)

۳۶۔۔۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ (لقمان:۳۱-۳۲)

(اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے، تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلاوے۔اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے شخص کے لیے جو صابر شاکر ہو۔اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں، تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں۔پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے سو بعضے ان میں اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکر ہیں۔

تشریح وتفسیر

قدرت باری تعالی ہی کا بیان ہے کہ اے مخاطب: (کیا نہیں دیکھا تو نے یا نہیں جانا تو نے کہ یہ کشتیاں دریا میں چلتی ہیں اللہ تعالی کے فضل اور احسان سے) کہ نیچے پانی ہے اور اوپر ہوا ہے، یا یہ معنی ہیں کہ یہ کشتیاں سامان نعمت کو لے کر چلتی ہیں، (تاکہ وہ تم

کو) اپنی قدرت اور نعمت کی (کچھ نشانیاں دکھاوے) کہ پانی میں اس نے یہ قوت رکھی کہ وہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکے کی طرح اٹھائے پھرتا ہے، (بے شک اس) کشتی اور دریا (میں) اس کمال قدرت، کمال حکمت اور کمال نعمت کی (نشانیاں ہیں، ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے) دریا کے سفر میں محنت اور مشقت بھی ہے اور بہت سے فوائد اور منافع بھی ہیں، مومن کے لیے یہ سفر باعث صبر بھی ہے اور موجب شکر بھی ہے، اور صبر اور شکر کے جمع ہو جانے سے ایمان کامل ہو جاتا ہے (اور) من جملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ (جب ان کشتی والوں کو دریا کی کوئی موج مثل سائبانوں کے ڈھانک لیتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں، ایسی حالت میں کہ خالص اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہوتے ہیں) یعنی ایسی حالت میں خالص اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو اس ہولناک موج کی غرقابی سے نجات دے اور سارا شرک بھول جاتے ہیں، جب موت سامنے آتی ہے تب توحید نظر آنے لگتی ہے (پھر حق تعالیٰ ان کو غرق سے نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے، تو بعض تو ان میں سے بیچ کی راہ پر چلتے ہیں اور اکثر منکر ہو جاتے ہیں اور نہیں منکر ہوتا ہماری آیتوں کا مگر ہر بدعہد اور ناشکرا)۔

''خَتَّار'' کے معنی غدار اور مکار کے ہیں، جو عہد کر کے توڑ دیتا ہے اور ''کَفُوْر'' اس کو کہتے ہیں کہ جو جان بوجھ کر ناشکری کرتا ہو۔ ''مُقْتَصِد'' کے معنی متوسط اور معتدل کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب طوفان سے نجات پا کر خشکی پر آ گئے تو جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا باقی نہ رہا، البتہ بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ اس حالت پر نہ رہے مگر بالکل بھول بھی نہیں جاتے۔ ایسے کم ہیں کہ نجات کے بعد ان کے شر میں ذرا کمی آ جاتی ہے اور اکثر تو ایسے ہوتے ہیں کہ دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ''مُقْتَصِد'' کے معنی یہ ہیں کہ نجات پانے کے بعد سیدھی راہ پر آ جاتا ہے اور کفر اور شرک کو چھوڑ دیتا ہے اور اس حالت میں جو دعا کی تھی اور اللہ سے جو توحید کا عہد کیا تھا، نجات پانے کے بعد اس پر قائم رہتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں اور اکثر

وہ ہیں جونجات پانے کے بعد پھر مشرک اور منکر ہوجاتے ہیں۔

غرض یہ کہ ''مُقْتَصِد'' کے دومعنی ہیں، ایک تو یہ کہ نجات پانے کے بعد اس کے کفر اور شرک میں کمی آ گئی اور ایک معنی یہ ہیں کہ نجات پانے کے بعد سیدھی راہ پر تو آ گیا مگر اخلاص اور اعمال صالحہ میں کچھ کمی رہی، ایسا شخص مقتصد ہے اور جو شخص ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ میں برق رفتار ہوجائے وہ سابق بالخیرات ہے اور جو شخص نجات پانے کے بعد حسب سابق پھر کفر وشرک پر اتر آئے وہ ظالم لنفسہ اور ختار اور کفور ہے۔(معارف:د)

۳۷... اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ (السجدۃ:۲۷)

(کیا انھوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں، پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں، جس سے ان کے مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا دیکھتے نہیں ہیں۔)

تشریح وتفسیر

منکرین قیامت کی تہدید فرماتے ہوئے قدرت باری کو بیان کیا جارہا ہے کہ (کیا یہ) منکرین حشر ونشر (دیکھتے نہیں کہ ہم پانی) یعنی بادل کو (بنجر اور خشک زمین کی طرف ہانکتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعہ کھیتی نکالتے ہیں، جس سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں، سو کیا یہ لوگ) اس نشان قدرت کو (نہیں دیکھتے) پس جو خدا خشک زمین سے گھاس اُگانے پر قادر ہے وہ انسانوں کو مٹی ہوجانے کے بعد بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، بوقت زراعت ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ دانہ زمین میں دفن ہوگیا، مگر اس کی باطنی کیفیت نہیں جانتے کہ وہ دانہ کس طرح غذا اور پھل کی شکل میں نمودار ہوا اور انسان خود اپنی پیدائش میں اصلی کیفیت کو نہیں جانتا کہ غذا جسم میں متحیل ہوکر کس طرح خون بنی اور کس طرح قطرۂ منی پیدا ہوا اور کس طرح رحم مادر میں پہنچ کر نو ماہ میں ولادت کی منزلیں طے ہوئیں اور پھر ولادت سے لے کر لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں کس طرح طے ہوئیں اور یہ سب باتیں نظروں کے سامنے ہیں مگر باطنی کیفیت اور

اندرونی حقیقت کسی فلسفی کو بھی معلوم نہیں، پس اگر کسی کو دوبارہ زندہ ہونے کی کیفیت اور حقیقت معلوم نہ ہو سکے تو اس سے دوبارہ زندہ ہونے کا محال ہونا لازم نہیں آتا، دنیا کی ہزار ہا چیزیں محسوس ہیں، مگر عقل ان کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے، تو فقط اتنی بات سے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جب احیاء موتی کے نمونے تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں تو پھر دوبارہ زندگی کا کیوں انکار کرتے ہو۔ (معارف:د)

۳۸۔۔۔ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۹﴾ (سبا:۹)

(تو کیا انھوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے اور ان کے پیچھے موجود ہیں، اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں۔ اس میں پوری دلیل ہے اس بندہ کے لیے جو متوجہ ہو۔)

تشریح وتفسیر

اس آیت میں بھی منکرین بعث کی تردید کرتے ہوئے امکان حشر کی دلیل، قدرتِ باری کے ذیل میں بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: (پس کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا جو ان کو سامنے سے اور پیچھے سے محیط ہے) اور یہ سب ان دونوں میں محبوس ہیں، چاروں طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں، بھاگنے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں، پھر بھی ہماری قدرت کے قائل نہیں ہوتے، (ہم) تو ان کی سزا پر ہر وقت قادر ہیں (چاہیں تو) قارون کی طرح (ان کو زمین میں دھنسا دیں یا) اگر چاہیں تو قوم لوط کی طرح ان پر (آسمان سے) پتھر کے (ٹکڑے گرا دیں) اور ان کو ہلاک کر دیں اور ابھی ان پر قیامت قائم کر کے سب کو تباہ اور برباد کر دیں، پھر بھی یہ لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں (بیشک اس میں) یعنی آسمان و زمین میں (عبرت ہے، ہر اس بندہ کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو) کہ جو خداوند قدیر

آسمان سے پتھر برسانے اور زمین میں دھنسانے پر قادر ہو، اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے، پورا عالم اس کی خدائی یعنی آسمان وزمین میں محصور اور محبوس ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قدرت کے دائرے سے باہر نکل سکے۔ عجیب بات ہے کہ یہ منکرین قیامت جس کے انگشت قدرت میں بند ہیں، اسی کی قدرت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔ (معارف:د)

۳۹...وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۱۱ وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖۗ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖؗ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ؕ (فاطر:۱۱-۱۳)

(اور اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پیدا کیا، پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا، اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے، مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے، اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے، مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کو آسان ہے۔ اور دونوں دریا برابر نہیں، ایک تو شیریں پیاس بجھانے والا ہے اور ایک شور تلخ ہے، اور تم ہر ایک سے تازہ گوشت کھاتے ہو۔ اور زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو۔ اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھتا ہے پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تا کہ تم اس کی روزی ڈھونڈھو، اور تا کہ تم شکر کرو۔ اور رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اسی کی سلطنت ہے، اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

تشریح وتفسیر

ان آیات میں مزید امکان حشر ونشر پر دلائل ذکر کئے جارہے ہیں، جو دلائل توحید و معرفت باری ہیں۔ارشاد ہے: (اور اللہ تعالی ہی نے پہلے تم کو) یعنی تمہارے باپ آدم کو (مٹی سے پیدا کیا، پھر) تم کو (نطفہ سے پیدا کیا، پھر تم کو جوڑا جوڑا بنایا) یعنی مرد و عورت بنایا، جس سے باہم جفت ہوتے ہو اور کسی کو مرد بنایا اور کسی کو عورت بنایا، حالاں کہ مادہ دونوں کا ایک ہے، یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے (اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ جنتی ہے مگر سب اللہ تعالی کے علم سے ہوتا ہے) پہلے ہی سے اس کو علم ہوتا ہے (اور نہیں زندگی پاتا کوئی بڑی عمر والا اور نہ کم کی جاتی ہے کسی کی عمر مگر یہ سب پہلے سے لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے) ہر ایک کی عمر اللہ تعالی کے علم میں مقرر اور مقدر ہے (اور یہ سب اللہ پر بہت آسان ہے۔مطلب یہ ہے کہ عمر کی کمی اور زیادتی سب اللہ تعالی کی قضاء وقدر سے ہے۔

(اور دو دریا برابر نہیں ایک نہایت شیریں پیاس بجھانے والا، جس کا پانی نہایت خوش گوار ہے اور دوسرا نہایت شور اور تلخ اور پھر تم ان دونوں میں سے ہر ایک سے تازہ گوشت) یعنی مچھلی کھاتے ہو۔یہ اللہ تعالی کی نعمت بھی ہے اور اس کی قدرت کی دلیل ہے کہ مادہ دونوں کا ایک ہے مگر مزہ مختلف ہے۔

(اور) پھر خاص کر تم دریائے شور سے (زیور) یعنی موتی اور مونگا (نکالتے ہو، جس کو تم پہنتے ہو۔) یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے کہ ایک دریاء سے مختلف قسم کے موتی نکل رہے ہیں، یہ کسی مادہ اور ایتھر کا اقتضاء نہیں، بلکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔یہ سب اللہ تعالی کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ کسی دریا کا پانی شیریں بنایا اور کسی کا تلخ اور پھر دریاؤں میں مختلف قسم کی مچھلیاں اور مختلف قسم کے موتی پیدا کئے۔

(اور) اے مخاطب (دیکھتا ہے تو دریا میں کشتیوں کو کہ پانی پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ) ان میں سفر کر کے (اللہ کے فضل کو) یعنی معاش کو (تلاش کرو) یعنی بحری تجارت کرسکو، اور تاکہ تم پھر اس نعمت پر (اللہ کا شکر کرو) کہ دریا جیسی ہولناک اور خطرناک چیز

کو تمہارے لیے ایک نعمت اور منفعت کا ذریعہ بنادیا۔ غرض یہ کہ سمندر سمندر ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں، لیکن ہم نے اپنی قدرت سے کسی کو میٹھا کردیا اور کسی کو کڑوا، مگر قابل انتفاع دونوں ہیں۔ دونوں میں مچھلیاں ہیں جن کو تم مزے سے کھاتے ہو اور موتی وغیرہ بھی دونوں سے نکلتے ہیں اور کشتیاں بھی دونوں میں چلتی ہیں اور تم طرح طرح سے فائدے اٹھاتے ہو، یہ سب کچھ ہم نے اس لیے کیا تاکہ تم ہماری قدرت پر ایمان لاؤ اور ہماری نعمتوں کا شکر کرو اور ایمان اور عمل صالح سے ہماری بارگاہ میں عزت حاصل کرو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں مؤمن اور کافر کی مثال ہے کہ ان دونوں میں برابری کی کوئی صورت نہیں، اس لیے کہ ایک حلاوتِ ایمان کی وجہ سے آبِ شیریں ہے اور دوسرا کفر اور معصیت کی تلخی کی بنا پر آبِ شور ہے۔

(اور) وہی خدائے برحق ہے کہ جو (رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے) سردی میں رات بڑھ جاتی ہے اور دن چھوٹا ہوجاتا ہے، گرمی میں دن بڑھ جاتا ہے اور رات چھوٹی ہوجاتی ہے۔ دن رات کا مجموعہ تو چوبیس گھنٹہ ہی رہا مگر سردی میں رات کی گھڑیوں میں زیادتی ہوگئی اور گرمی میں دن کی ساعت میں زیادتی ہوگئی۔ دن اور رات میں یہ کمی اور زیادتی یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے رات کے تاریک اجزاء کو دن میں داخل اور شامل کرکے ان کو روشن کردیتا اور بعض اوقات دن کے روشن اجزاء کو رات میں داخل اور شامل کرکے ان کو تاریک کردیتا ہے، یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے، جس طرح اَمْکِنَہ کا اختلاف اللہ تعالی کی قدرت کا کرشمہ ہے، اسی طرح اَزْمِنَہ کا اختلاف بھی اللہ تعالی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

(اور) اسی خدا نے (سورج اور چاند کو) اور تمام کواکب اور نجوم کو اپنے حکم کا (تابع بنایا) اسی کے حکم کے مطابق (ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا۔) یعنی قیامت تک اسی طرح حرکت کرتے رہیں گے اور اپنے مقرر وقت پر طلوع وغروب کرتے رہیں گے۔ طلوع اور غروب کا اختلاف اور دن ورات، سردی وگرمی کا اختلاف یہ سب کچھ شمس وقمر اور کواکب ونجوم کی طبیعت اور مادہ کا اقتضاء نہیں اور نہ ان کی ذاتی تاثیر ہے، بلکہ سب

خداوند قدیر کی تسخیر ہے۔

(یہی تمہارا خدائے پروردگار ہے) جس کی قدرت اور نعمت کے کرشمے تمہاری نظروں کے سامنے ہیں (اسی کے لیے بادشاہی ہے) اسی کی اطاعت میں اور اسی کے ذکر میں عزت ہے (اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ) اس قدر حقیر اور ذلیل ہیں کہ (ایک گٹھلی پر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں) ایک حقیر اور فقیر کو اپنا حاجت روا بنانا سراسر ذلت ہے۔ (معارف: د)

۴۰... اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

(فاطر: ۲۷-۲۸)

(کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالی نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے، اور پہاڑ کے بھی مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں۔ خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالی زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔)

تشریح وتفسیر

ان آیات میں منکرین توحید کی تہدید ہے کہ آثار قدرت ان کی نظروں کے سامنے ہیں، اگر ذرا نظر اٹھا کر دیکھیں تو فوراً سمجھ میں آ جائے کہ توحید حق ہے اور شرک باطل ہے، مخلوقات میں جو اختلاف اور تفاوت ہے وہ سب اسی کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے، کسی بے شعور مادہ ایتھر اور نیچر کا اثر نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی کی قدرت کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالی ایک ہی شئ سے مختلف قسم کی چیزیں پیدا کرتا ہے (کیا تو نے دیکھا نہیں کہ

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اسی ایک پانی سے) زمین سے (قسم قسم کے پھل نکالے جن کی رنگتیں مختلف ہیں) اور ہر ایک کا مزہ اور اس کی خوشبو دوسرے سے جدا ہے۔ باعتبار کمیت کے اور باعتبار کیفیت کے اور باعتبار صورت کے اور باعتبار لذت کے ہر پھل دوسرے پھل سے مختلف ہے، حالاں کہ مادہ سب کا ایک ہے (اور اسی طرح پہاڑوں میں مختلف قسم کی اور مختلف رنگتوں کی راہیں اور گھاٹیاں ہیں) بعضے (سفید) اور بعضے (سرخ) اور (طرح طرح ان کے رنگ ہیں) اور بعضے (بہت سخت سیاہ ہیں) اور ہر ٹکڑے کی تاثیر مختلف ہے، اسی طرح دلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، (اور) اسی طرح (لوگوں میں سے اور حیوانات میں سے اور چوپایوں میں سے مختلف رنگ والے ہیں) جس طرح لوگوں کی اَلسنہ اور اَلوان یعنی ان کی زبانیں اور رنگتیں مختلف ہیں، اسی طرح دواب اور انعام کی ایک جنس بلکہ ایک نوع کی رنگتیں مختلف ہیں، یہ سب اللہ تعالی کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ اصل مادہ سب کا ایک ہے، مگر صفات اور کیفیات مختلف ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف خود بخود تو پیدا نہیں ہو گئے، حالاں کہ مادہ سب کا ایک ہے تو بوقلمونی کہاں سے آئی اور علی ہذا زمین کے ٹکڑوں میں اختلاف کہ کسی زمین سے زعفران پیدا ہوتا ہے اور کسی سے انار اور انگور اور جھڑ بیر۔ یہ اختلاف بھی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے، ورنہ طبیعت اور مادہ میں سب یکساں ہیں اور علت فاعلیہ بھی سب کی ایک ہے، معلوم ہوا کہ یہ رنگ برنگ کا اختلاف اس کی قدرت کی گلکاری ہے۔

(اسی طرح) بندوں کے احوال مختلف ہیں، کوئی اللہ تعالی سے ڈرتا ہے اور کوئی نہیں ڈرتا (جز ایں نیست کہ اللہ کے بندوں میں سے) بن دیکھے (اللہ سے صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جو صاحب علم اور صاحب فہم ہیں) جو اللہ تعالی کی شان عظمت کو جانتے اور پہچانتے ہیں، وہی اللہ تعالی سے ڈرتے ہیں، جس درجہ کا علم اور معرفت ہے، اسی درجہ کی خشیت ہے۔

حق تعالی کا ارشاد ہے "اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ "پس عند اللہ کرامت اور فضیلت بقدر تقویٰ ہے اور تقویٰ بقدر علم ہوتا ہے نہ بقدر عمل۔ پس جس کا علم اور اس کی

معرفت زیادہ ہوگی اسی کو اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہوگا اور جس کا علم کمتر ہوگا اس کا خوف بھی کمتر ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا علم رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کا خوف رکھتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ علم تو ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب پر ڈال دیتا ہے۔ امام مالکؒ کی ''نور'' سے مراد نورِ فہم اور نورِ معرفت ہے ''کما قال تعالیٰ: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ ''معلوم ہوا کہ عالم وہ ہے جو عاقل اور فاہم ہو، بغیر عقل اور فہم کے محض الفاظ قرآنی اور الفاظ نبوی کو یاد کر لینے کا نام علم نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم وہ ہے جو اللہ کی عظمت شان اور جلالت قدر کو جانتا ہو اور اس سے ڈرتا ہو، اس کے احکام پر چلتا ہو، باقی جو شخص رسمی طور پر عالم اور فاضل کہلاتا ہو مگر اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرتا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔

آیت کریمہ میں ''خشیت'' سے خوف تعظیم مراد ہے یعنی دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا خوف اس قدر غالب ہو کہ ہر وقت اس بات سے ڈرتا رہتا ہو کہ حقوق ربوبیت میں کوئی تقصیر نہ ہو جائے اور کوئی بات خلاف ادب نہ سرزد ہو جائے اور حدود وفرائض سے قدم باہر نہ ہو جائے۔

(بے شک اللہ بڑی عزت والا ہے) جو اس سے نہ ڈرے اسے پکڑنے والا ہے اور جو بندہ اس سے ڈرے اور اپنی تقصیر پر توبہ کرے تو (اسے معاف کرنے والا ہے) پس جس ذات کی یہ شان ہے اس سے خوف اور خشیت فرض اور لازم ہے۔

ارشاد باری ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا'' میں لفظ ''اِنَّمَا'' آیا ہے جو قصر اور حصر کے لیے ہے، بظاہر اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خشیت الہیہ صرف علماء میں منحصر ہے، یعنی جہلا کو خشیت نہیں ہوتی۔ سو جاننا چاہیے کہ اس آیت میں کلمۂ ''اِنَّمَا'' ایسا ہے، جیسے ''اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ'' میں لفظ ''اِنَّمَا'' آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ''تَذَكُّر'' کے لیے عقل کا ہونا ضروری ہے، بغیر عقل کے تذکر ممکن نہیں، اسی طرح

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خشیت خداوندی کے حصول کے لیے خدا کی عظمت اور جلال کا علم ضروری ہے، خواہ وہ علم تعلم سے حاصل ہو جائے یا کسی کی فیض صحبت سے یا حق تعالیٰ کی توفیق سے یا اس کی عنایت سے یا کسی باطنی جذبہ سے۔ (معارف:د)

ابن عطیہ وغیرہ ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ حرف ''اِنَّمَا'' جیسے حصر کے لیے آتا ہے ایسے ہی کسی کی خصوصیت کے بیان کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے کہ خشیت اللہ علماء کا وصف خاص اور لازم ہے، یہ ضرور نہیں کہ غیر عالم میں خشیت نہ ہو۔ (معارف:ش)

۴۱۔ . . اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۱ (فاطر:۴۱)

(یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں، اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں، تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا، وہ حلیم غفور ہے۔)

تشریح وتفسیر

قدرت باری ہی کو بیان کیا جارہا ہے کہ اس کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ (اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو روکے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیم کا ایک کرشمہ ہے کہ آسمان وزمین باوجود بڑے بڑے اجسام ہونے کے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ ذرہ برابر اپنی جگہ سے جنبش کر سکے (اور اگر آسمان وزمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی مجال نہیں) کہ ان کو روک سکے اور (تھام سکے) ''کما قال تعالی: وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۵''۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شرک پر کوئی دلیل نہیں بلکہ شرک تو فساد عالم اور اس کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے، ان کے کفر کا مقتضی تو یہ تھا کہ غضب الٰہی جوش میں آتا اور ان پر قہر خداوندی نازل ہوتا، لیکن حلم الٰہی کی وجہ سے قہر خداوندی کا نزول رکا ہوا ہے، اس لیے

کہ (تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار ہے۔) مجرمین کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا (اور آمرزگار ہے) کفر اور معصیت کو دیکھتا ہے کہ مگر عذاب میں جلدی نہیں کرتا ورنہ اگر چاہتا تو ایک دم سے ان پر آسمان گرا دیتا یا زمین میں ان کو دھنسا دیتا۔ نافرمانوں کو چاہئے کہ عذاب نہ آنے کو اللہ کے حلم اور بردباری کی دلیل سمجھیں اس کے عفو کلی کی دلیل نہ سمجھیں۔ جب تک دنیا قائم ہے، اس وقت تک آسمان اور زمین اپنی جگہ قائم ہیں جب قیامت ہوگی تو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔

۴۲... وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖۚ اَحْيَيْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ (یٰس: ۳۳-۴۴)

(اور ایک نشانی ان لوگوں کے لیے مردہ زمین ہے، ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلے نکالے، سو ان میں سے لوگ کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے، اور اس میں چشمے جاری کئے۔ تا کہ لوگ باغ کے پھلوں میں سے کھائیں اور اس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، سو کیا شکر نہیں کرتے۔ وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا، نباتات زمین کے قبیل سے بھی، اور ان آدمیوں سے بھی، اور ان چیزوں میں بھی جن کو لوگ نہیں جانتے۔ اور ایک نشانی ان

لوگوں کے لیے رات ہے کہ ہم اس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں، سویکا یک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست علم والا ہے۔ اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں، یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے، جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔ اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری کشتی میں سوار کیا، اور ہم نے ان کے لیے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو کوئی ان کا فریادرس ہو اور نہ یہ خلاصی دئے جاویں، مگر یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا ہے۔)

تشریح وتفسیر

یہاں بھی دلائل قدرت باری ہی بیان کئے جارہے ہیں جن سے توحید کا ثبوت، شرک کا ابطال اور حشر ونشر کا امکان ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَاٰیَةٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ . . . وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۔ یہ مذکورہ دلائل قدرت میں سے پہلی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات قدرت میں سے ایک زمین ہے جو ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے، اس کے حالات میں غور کرلو کہ ہم خشک زمین کو تروتازہ کر کے اس میں قسم قسم کے پھل اور غلے پیدا کرتے ہیں، جو تمہاری زندگی کا سامان ہے، تاکہ تم لوگ اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو، مگر افسوس تم شکر نہیں کرتے، تمام عالم مل کر بھی ایک پھل پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ جو ذات زمین سے غلوں اور پھلوں کے نکالنے پر قادر ہے، وہ زمین سے مردوں کے نکالنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے (اور ان کافروں کے لیے) خدا کی قدرت کی (ایک عظیم نشانی مردہ زمین ہے۔) یعنی خشک اور بے گھاس زمین ہے، جس کو بارش کے ذریعہ (ہم نے زندہ اور سرسبز کیا اور اس میں سے دانہ نکالا) یعنی غلہ اور اناج نکالا، پس (اسی دانہ سے یہ لوگ کھاتے) اور زندہ رہتے ہیں (اور اسی زمین میں ہم نے قسم قسم کے باغات بنائے، کھجوروں کے اور انگوروں کے)

کسی زمین میں انگور پیدا ہوتا ہے، مگر خرما پیدا نہیں ہوتا، جیسے کابل کی زمین اور کسی زمین میں کھجور پیدا ہوتا ہے اور انگور پیدا نہیں ہوتا، جیسے مدینہ منورہ کی زمین، یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے، کسی مادہ اور ایتھر کا تقاضہ نہیں (اور زمین میں ہم نے چشمے جاری کئے) جن میں سے اکثر کا پانی شیریں اور خوش گوار ہے، جو نالوں اور نہروں اور ندیوں کی طرح جاری ہے (تا کہ لوگ ان باغات کے پھلوں سے کھائیں) جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا (اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا) اور نہ ان کے معبودوں نے۔ تخم ریزی اور آب پاشی بظاہر اگر چہ ان کے ہاتھوں نے کی ہے مگر غلہ اور پھلوں کا پیدا ہونا یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت کا کرشمہ ہے (پس کیا) یہ لوگ اللہ کی ان نعمتوں کا (شکر نہیں کرتے) جس نے یہ نعمتیں پیدا کیں اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے جو ان نعمتوں کا خالق ہے۔

(پاک ہے وہ ذات جس نے) اپنی قدرت کاملہ سے (تمام متقابل اور متضاد انواع واقسام کو پیدا کیا از قسم نباتات جن کو زمین اُگاتی ہے) کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا، کوئی شیریں اور کوئی تلخ (اور خود آدمیوں کی ذاتوں میں سے) کسی کو مرد اور کسی کو عورت، کسی کو عرب اور کسی کو عجم، کسی کو شامی اور کسی کو حبشی۔ (اور ان چیزوں سے جن کو یہ نہیں جانتے) مختلف اقسام پیدا کیں جیسے اس نے قسم قسم کے چرند، پرند اور حشرات الارض پیدا کئے، پس جو ذات تنہا ان بے شمار مخلوقات کی خالق ہے، اس کی عبادت کریں اور اسی کو خدائے وحدہ لاشریک مانیں، مخلوقات میں ایک دوسرے کا مقابل موجود ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا کوئی مقابل نہیں، ''کما قال تعالیٰ: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ'' پس جس ذات کا کوئی جوڑ اور مقابل نہیں وہی لائق پرستش ہے، زوجیت مخلوق کی صفت ہے اور فردیت خدائے وحدہ لاشریک لہ کی صفت ہے۔

''وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ . . . فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ'' یہ اس کی قدرت کی دوسری دلیل ہے کہ اس نے لیل ونہار کو اور شمس وقمر کو پیدا کیا، دن رات کا یکے بعد دیگرے آنا اور رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی اور آفتاب وماہتاب کا ایک خاص روشنی پر رہنا جس میں

نہ کبھی کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی، یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے، جس کی حقیقت کے ادراک سے دنیا کی عقلیں حیران ہیں، تمام عالم مل کر بھی اس پر قادر نہیں کہ لیل ونہار اور طلوع وغروب میں کوئی تغیر کر سکے۔

گذشتہ آیت میں زمین کی نشانی کا ذکر فرمایا جو باشندگان عالم کا مکان ہے، اس آیت میں لیل ونہار کی نشانی کو ذکر فرماتے ہیں جو لوگوں کے لیے زمان ہے اور مکان وزمان میں مناسبت ظاہر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اوران کے لیے ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے، جس کے اندر سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں) یعنی اس میں سے دن کی روشنی کو کھینچ لیتے ہیں (پس وہ اس وقت تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں)'' سَلَخ '' کے معنی لغت میں بدن سے پوست (کھال) اتار لینے کے ہیں، زمانہ اور وقت میں اصل ظلمت یعنی تاریکی ہے، آفتاب کی روشنی امر عارضی ہے، آفتاب اور دن کی روشنی رات کے وقت کو بمنزلہ پوست کے ساتر ہے، یعنی اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے۔ پس جب اللہ تعالی اس روشنی کو اس وقت اور زمانہ سے یا اس ہوا اور خلا سے یا روشنی کے مکان سے کھینچ لیتا ہے، تو لوگ اسی دن تاریکی میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان پر رات آجاتی ہے، دن کی روشنی رات کو کھال کی طرح اپنے اندر چھپائے ہوئے تھی، جب اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کھال کو اتار لیا تو رات نمودار ہو گئی، جس طرح جانور کی کھال کھینچ لینے سے اندر کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے، اسی طرح جب خلاء اور ہوا سے روشنی کھینچ لی گئی تو اندر سے ظلمت اور تاریکی اور اندھیرا ظاہر ہو گیا اور لوگ روشنی سے نکل کر تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو گئے۔ پس سمجھ لو کہ جس ذات کے ہاتھ میں ان تقلبات اور تصرفات کی باگ ہے وہی تمہارا معبود برحق ہے۔

(اور) اللہ تعالی کی قدرت کی ایک نشانی (آفتاب) ہے، جو بحکم خداوندی (اپنی قرارگاہ) یعنی اپنے ٹھکانے (کی طرف چلتا رہتا ہے، جو اس کے لیے مقرر ہے، یہ اندازہ مقرر کردہ ہے خدائے غالب اور باخبر کا) یعنی آفتاب کی یہ سیر خدائے عزیز کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا ہے اور علیم وحکیم کا مقرر کیا ہوا ہے، جس میں

غلطی اور خطا کا امکان نہیں، یہ سب خدائے عزیز وعلیم کی تسخیر ہے، آفتاب کی مجال نہیں کہ اللہ تعالی کی مقرر کردہ سیر سے ذرہ برابر انحراف کر سکے، اللہ تعالی نے جو اس کی چال مقرر کردی ہے ذرہ برابر اس سے علاحدہ نہیں ہوسکتا ہے، اللہ تعالی کے حکم کے مطابق طلوع وغروب کرتا ہے، حق جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آفتاب کے نور کی ایک خاص حد اور خاص مقدار مقرر فرمادی ہے، اسی طرح اس کی حرکت اور مسافت کی بھی ایک حد مقرر فرمادی ہے اور یہ سب کچھ اس علیم وقدیر کا مقرر کردہ اندازہ ہے، جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔ آفتاب باذن باری تعالی اسی طرح چلتا رہے گا اور مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اس کو حکم ہوگا کہ جہاں سے تو آیا ہے یعنی جدھر سے تو غروب ہوا ہے ادھر ہی لوٹ جا، پس اس وقت آفتاب مغرب سے طوع کرے گا۔

''مستقر'' کے معنی ''قرارگاہ'' یعنی منتہائے سیر کے ہیں، جہاں پہنچ کر اس کا دور ختم ہوجاتا ہے۔ اس آیت میں لفظ مستقر سے (۱) یا تو روزانہ کا منتہائے سیر مراد ہے۔ (۲) یا سال بھر کا منتہائے سیر مراد ہے، یعنی منازل بروج مراد ہے، جن کو آفتاب سال بھر میں قطع کرتا ہے، آفتاب برابر چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک سال میں اس کا دورۂ بروج ختم ہوتا ہے۔ (۳) یا مستقر سے دائرہ نصف النہار مراد ہے، جہاں پہنچ کر آفتاب کا ارتفاع اور بلند ہونا ختم ہوجاتا ہے اور انحطاط اور زوال شروع ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ غروب ہوجاتا ہے۔ (۴) یا مستقر سے منتہائے عمر دنیا یعنی روز قیامت مراد ہے جو آفتاب کی سیر وحرکت کا منتہیٰ ہے، قیامت تک آفتاب اسی طرح چلتا رہے گا جب قیامت آجائے گی اس وقت اس کا طلوع اور غروب ختم ہوجائے گا، اس وقت آفتاب کو قرار حاصل ہوجائے گا، جب قیامت آجائے گی تو آفتاب ٹھہر جائے گا اور اس کی حرکت باقی نہ رہے گی اور روزِ قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے کہ اس روز بساط عالم ہی لپیٹ دی جائے گی۔ (۵) یا مستقر شمس یعنی آفتاب کی قرارگاہ اور منتہائے سیر سے عرش الٰہی مراد ہے، جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آفتاب غروب کے بعد ہر رات

عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں جاکر سجدہ کرتا ہے اور طلوع کے لیے اذن مانگتا ہے، تو اس کو اذن دیا جاتا ہے تب وہ طلوع کرتا ہے......الی آخرالحدیث۔معلوم ہوا کہ آفتاب کا مستقر زیرعرش ہے اور یہ آفتاب کا مستقر مکانی ہے، جیسا کہ روز قیامت آفتاب کا مستقر مکانی ہے۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے عام معنی مراد لیے جائیں جو ان تمام امور کو شامل ہوں جو ماقبل میں ذکر کیے گئے، یعنی مستقر سے مطلق قرارگاہ اور ٹھکانہ مراد لیا جائے خواہ وہ حرکت یومیہ کے اعتبار سے ہو یا سالانہ دورہ کے اعتبار سے ہو یا منتہائے عمر دنیا کے اعتبار سے ہو۔مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آفتاب کی رفتار اور حرکت کے لیے جو نقطہ اور حد متعین کردی ہے، آفتاب قیامت تک اپنی حد معین پر باذن خداوندی اسی طرح برابر حرکت کرتا رہے گا، یہ سب عزیز وعلیم کی تقدیر اور تسخیر ہے، کوئی اس میں ذرہ برابر تغیر وتبدل نہیں کرسکتا۔البتہ جب اللہ تعالی خود چاہیں گے تو اس نظام کو درہم برہم کردیں گے ،طلوع وغروب کا یہ نظام اللہ تعالی کے کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

اس آیت میں آفتاب کے جریان اور استقرار کو بیان فرمایا، اب آئندہ آیت میں قمر کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ سورج کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا گھٹتا بڑھتا رہتا ہے ۔چنانچہ فرماتے ہیں (اور چاند کی سیر) اور رفتار (کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں) جن کو وہ برابر طے کرتا رہتا ہے، منازل قمر اٹھائیس ہیں، ہر رات قمر ایک منزل میں نزول کرتا ہے، نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے۔ابتداء میں ماہتاب کا نور شب بہ شب زیادہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ چودھویں رات میں اس کا نور پورا ہوجاتا ہے، پھر اس میں کمی شروع ہوجاتی ہے (یہاں تک کہ) اخیر ماہ میں چاند (کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک اور پتلا ہوجاتا ہے) ہر ماہ کے آخر میں اور ہر ماہ کے شروع میں چاند کمان کی طرح باریک ہوجاتا ہے، اخیر مہینہ میں جب چاند باریک اور پتلا ہوجاتا ہے تو دو رات کے لیے پوشیدہ ہوجاتا ہے، پھر شروع مہینہ میں بشکل ہلال ہوکر ظاہر ہوتا ہے، چاند کا اس طرح گھٹنا اور بڑھنا یہ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے۔غرض یہ کہ شمس وقمر

دونوں اللہ تعالی کی قدرت کی نشانیاں ہیں، ہر ایک کی سیر اور رفتار کے لیے اور طلوع و غروب کے لیے اللہ تعالی نے ایک حد مقرر کر دی ہے، جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے، لہٰذا (نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے) اور اس کی منزل میں نزول کر جائے اور اس کی حد میں داخل ہو جائے اور نہ چاند کی یہ مجال ہے کہ وہ سورج کو پکڑ سکے، حالاں کہ ماہتاب تیز رفتار ہے اور آفتاب سست رفتار ہے، سورج سال بھر میں اپنی منزلیں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں اپنی منزلیں قطع کر لیتا ہے۔ غرض یہ کہ دونوں کی سیر اور رفتار اللہ تعالی کی تسخیر اور تقدیر کے تابع ہے، دونوں کا ایک منزل میں جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور ایک دوسرے کے وقت میں ظہور اور طلوع ناممکن ہے، اللہ تعالی نے زمین کے جس خطہ اور حصہ میں طلوع و غروب کا جو نظام مقرر کر دیا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس میں ردوبدل کر سکے (اور نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے) یعنی یہ ممکن نہیں کہ دن پورا ہونے سے پہلے ہی رات آ جائے، دن ہو یا رات اپنے مقرر وقت سے پہلے نہیں آ سکتا۔

اور چانداور سورج (سب کے سب اپنے اپنے آسمان میں یا اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے) اور گھومتے اور چلتے (رہتے ہیں) کسی کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ یا مدار سے باہر قدم نکال سکے اور کسی سیارہ سے جا کر ٹکرا جائے، سب ستارے آفتاب، ماہتاب وغیرہ اپنے اپنے آسمان میں تیرتے رہتے ہیں، جیسے مچھلیاں پانی میں تیرتی رہتی ہیں۔

غرض یہ کہ چاند، سورج اور سیارات سب کے سب حسب تسخیر خداوندی اپنے اپنے چرخ اور اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں، جو اللہ تعالی نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے، کوئی سیارہ دوسرے سیارہ سے مزاحم نہیں ہو سکتا، ہر سیارہ اپنی جگہ اس طرح حرکت کرتا رہتا ہے گویا کہ مچھلیاں دریا میں تیرتی پھرتی ہیں۔

''وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ... وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ'' یہ اس کی قدرت کی تیسری دلیل ہے کہ اللہ تعالی اپنی قدرت سے گراں بار کشتیوں کو دریا میں چلاتا ہے جن میں تم لمبے لمبے سفر کرتے ہو، اگر وہ غرق کر دے تو کون ہے جو تمہاری فریادرسی کر سکے، یہ

اس کی رحمت ہے کہ وہ تمہیں غرق نہیں کرتا، یہ گراں بار کشتیاں اس کی قدرت کی بھی دلیل ہیں اور اس کی نعمت اور رحمت کی بھی دلیل ہیں۔ایک سمندر میں بڑے سے بڑے جہاز کی ایک تنکے کے برابر بھی حقیقت نہیں، اللہ تعالی کی رحمت سے سہولت کے ساتھ سفر طے ہوجاتا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

(اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا) کہ وہ بھری ہوئی کشتی گہرے پانی میں تخت کی طرح چلتی ہے، جس کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام سے ہوا (اور) اس کے علاوہ (ہم نے ان کے لیے کشتی کے مانند ایسی چیز پیدا کی جس پر وہ سواری کرسکیں) جیسے اونٹ، گھوڑے اور خچر وغیرہ۔بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ''خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ'' سے وہ تمام قسم کے جہاز اور کشتیاں مراد ہیں، جو کشتی اول کے بعد اس کی مماثلت اور مشابہت میں بنائی گئیں، یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصریؒ سے منقول ہیں۔(تفسیر قرطبی:۱۵/ ۳۵)

بہر حال لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالی کی ان نعمتوں کے شکر گذار ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے بر اور بحر میں تمہاری سواری اور بار برداری کا انتظام کردیا (اور اگر ہم چاہیں تو اہل کشتی کو) دریا میں (غرق کردیں، پس کوئی نہ ان کے لیے فریاد رس ہو) جو ان کو غرق سے بچالے (اور نہ یہ لوگ مصیبت اور آفت سے چھٹکارا پاسکتے ہیں، مگر یہ کہ رحمت کریں ہم اپنی طرف سے اور فائدہ پہنچاویں ان کو ایک وقت مقرر تک) دنیوی زندگی تک یعنی جب ہم ان کو ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو ان کو نہیں ڈبوتے۔یہ سب ہماری رحمت اور عنایت ہے، ورنہ وہ تو کفر اور شرک کی وجہ سے غرق ہی کے مستحق تھے۔(معارف:د)

۴۳۔۔۔ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ (یٰس:۷۱-۷۳)

(کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مواشی پیدا کیے، پھر یہ لوگ ان کے مالک بن رہے ہیں، اور ہم نے ان

مواشی کو ان کا تابع بنا دیا، سو ان میں بعضے تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں۔ اور ان میں ان لوگوں کے لیے اور بھی نفع ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں، سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے۔)

تشریح وتفسیر

دلائل قدرت ہی کا بیان چل رہا ہے اور مشرکین کو دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ اگر وہ اپنے آس پاس رہنے والے جانوروں میں غور فکر کریں تو یہ جانور بھی خدا تعالیٰ کی لامتناہی قدرت اور اس کے وجود پر شاہد نظر آئیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

(کیا انھوں نے دیکھا اور جانا نہیں کہ ہم نے ان کے نفع کے لیے ایسی چیزیں پیدا کیں کہ جن کو خاص ہمارے ہاتھوں نے بنایا) کوئی دوسرا آدمی اس میں شریک نہیں اور نہ معین و مددگار ہے، یعنی ہم نے ان کے لیے خاص اپنے (دست قدرت سے مویشی اور چوپائے پیدا کئے) پھر ہمارے مالک بنانے سے (یہ لوگ ان چوپایوں کے مالک ہو گئے) یعنی ان سے نفع اٹھاتے ہیں (اور پھر ان مویشیوں کو ہم نے ان کے لیے تابع بنا دیا) کہ جس طرح چاہیں ان سے کام لیں اور فائدہ اٹھائیں۔

اس میں ایک اور احسان وانعام کی طرف اشارہ فرمایا کہ اکثر جانور اونٹ، گھوڑا، ہاتھی، بیل وغیرہ اگر دیکھو تو طاقت میں انسان سے بہت زیادہ ہیں، انسان ان کے مقابلہ میں کمزور ہے، اس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان جانوروں پر قابو نہ پاسکتا، مگر حق تعالیٰ نے جیسا ان جانوروں کی تخلیق کا انعام انسان کو بخشا اسی طرح یہ بھی فطرت بنا دی کہ ان مست جانوروں کو انسان کے سامنے مسخر اور تابع بنا دیا، ایک لڑکا ایک قوی گھوڑے کے منہ میں لگام ڈال دیتا ہے اور پھر اس کی پشت پر سوار ہو کر جہاں چاہے لیے پھرتا ہے، یہ بات بھی انسان کا اپنا کمال نہیں، صرف حق تعالیٰ کی عطاء اور بخشش ہے۔

(پس بعض ان میں سے ان کی سواریاں ہیں) جن سے سواری کا کام لیتے ہیں (اور بعض مویشی ایسے ہیں جن کو کھاتے ہیں) یعنی جن کا گوشت کھاتے ہیں (اور) اس کے علاوہ بھی (ان لوگوں کے لیے ان میں فوائد ہیں) جیسے صوف، اُون اور

چربی (اور پینے کی چیزیں ہیں) یعنی دودھ (پھر بھی یہ لوگ) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا (شکر نہیں کرتے) جس نے ان کو یہ نعمتیں عطا کیں، بلکہ بجائے شکر کے کفر اور شرک میں مبتلا ہیں۔ (معارف: د،ش)

۴۴۔۔۔ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ (یٰس: ۸۰-۸۱)

(اور وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کر دیتا ہے، پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو، اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو پیدا کر دے۔ ضرور وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔)

تشریح وتفسیر

سابقہ آیتوں کی طرح آیت بالا میں بھی قدرت باری کا اثبات اور منکرین حشر ونشر کی تردید ہی کا مضمون ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اور خدائے قادر وہ خدا ہے کہ (جس نے تمہارے لیے سرسبز اور ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی، پس تم اس درخت سے آگ جلاتے ہو)۔ اس درخت سے ''مرخ'' اور ''عفار'' کا درخت مراد ہے، جو سرزمین حجاز میں پیدا ہوتا ہے، وہاں جب کسی کو آگ نہیں ملتی تو وہ ان درختوں کے پاس آ کر ان کی دو شاخیں لے کر آپس میں رگڑتا ہے، تو اس سے آگ پیدا ہوتی ہے، جیسے چقماق کے پتھر سے آگ نکالی جاتی ہے، اسی طرح اس سرسبز درخت سے آگ نکالی جاتی ہے۔ حالاں کہ آگ اور پانی ایک دوسرے کی ضد ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مرخ اور عفار کی دو سرسبز ٹہنیاں جن سے پانی ٹپکتا ہو، آپس میں رگڑنے سے ان میں سے آگ نکل پڑتی ہے۔ پس جو خدا ایک سرسبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے، تو جو چیز پہلے زندہ اور تر وتازہ تھی -یعنی زندہ انسان- اور پھر خشک ہوگئی -یعنی مردہ انسان- اس کو دوبارہ حسب سابق

طراوت اور تازگی پر لانے پر کیوں قادر نہیں۔

نیز (کیا وہ ذات جس نے آسمان وزمین) جیسے اجسام عظیمہ پیدا کئے (وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے) پانچ سات فٹ کے (انسان کو دوبارہ پیدا کردے)،جس خدا نے اتنے بڑے بڑے اجسام آسمان اور زمین بنائے کیا وہ مثل بشر کے دوبارہ بنانے پر قادر نہیں،حالاں کہ آسمان وزمین اتنے بڑے ہیں کہ روئے زمین کے ار بہاارب انسان اللہ تعالی کی پیدا کردہ زمین پر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے خوان میں چند دانے پڑے ہوں،اگر روئے زمین کے درختوں کے پتے اور کیڑے مکوڑے، حیوانات،سمندر کی مچھلیاں اور بیابانوں کے ذرات کو جمع کیا جائے تو روئے زمین کے ار بہاارب انسانوں کو ان سے وہ نسبت بھی نہ ہوگی جو ایک کو ایک ارب سے ہوتی ہے ۔پس جو خدا اس غیر محدود کائنات کا پیدا کرنے والا ہے،اسے روئے زمین کے انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔(ہاں کیوں نہیں وہ بلا شبہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے)اور کیوں نہ ہو(وہ تو) تمام کائنات کا(پیدا کرنے والا ہے)اور ہر چیز کی حقیقت اور کنہ کا(جاننے والا ہے)اسے انسان کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔(معارف:د)

۴۵... خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۞ (الزمر:۶)

(اس نے تم لوگوں کو تن واحد سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لیے آٹھ نر و مادہ چار پایوں کے پیدا کئے۔ وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے، تین تاریکیوں میں۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، اسی کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو تم کہاں پھرے جارہے ہو۔)

تشریح وتفسیر

قدرت باری تعالی ہی کو بیان کیا جارہا ہے کہ خود انسان کے وجود میں ایسے دلائل

ہیں کہ وہ ان سے اللہ تعالی کو پہچان سکتا ہے اور یہ کہ اس کی وحدانیت پر ایمان لانا عین فطرت کا تقاضا ہے، تو اے انسانو! (پیدا کیا اس نے تم کو ایک جان) یعنی آدم علیہ السلام (سے، پھر اسی سے بنایا اس کا جوڑا) یعنی حضرت حوا کو پیدا کیا، جس سے دنیا میں انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہوا (اور بنائے تمہارے نفع کے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ نر و مادہ) اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری۔ (وہ پروردگار پیدا کرتا ہے تم کو) اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے (تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک طرح کے بعد دوسری طرح پر تین اندھیروں میں) یعنی بتدریج تم کو نطفہ سے علقہ بناتا ہے اور پھر اس دم بستہ کو مضغۂ لحم، پھر اس پر ہڈیاں اور گوشت چڑھاتا ہے، پھر روح پھونک کر حیات و زندگی کے ساتھ ان تین اندھیروں سے تم کو باہر لاتا ہے، سن لو (یہ ہے اللہ، تمہارا رب) جس کی یہ عظیم قدرتیں اور بلند پایہ حکمتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک چیز اس کی ربوبیت و خالقیت اور وحدانیت کی ایسی دلیل ہے جو تمہارے وجود میں رچی ہوئی ہے۔ (اسی کی سلطنت و حکمرانی ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو) اے انسانو! ان دلائل و حقائق کے بعد (تم کہاں بھٹک رہے ہو) تم پر واجب ہے کہ اس کی خالقیت اور وحدانیت پر ایمان لاؤ۔ (معارف: د)

۴۶... اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ؀ (الزمر:۲۱)

(کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے، پھر اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے، جس کی مختلف قسمیں ہیں، پھر وہ کھیتی بالکل خشک ہو جاتی ہے، سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے، پھر اس کو چورا چورا کر دیتا ہے۔ اس میں اہل عقل کے لیے بڑی عبرت ہے۔)

تشریح و تفسیر

قدرت باری تعالی کی نشانیاں بیان کی جا رہی ہیں: (تو کیا) اے مخاطب

(تو نے نہیں دیکھا اللہ تعالی نے آسمان سے) کس طرح (پانی برسایا، پھر وہ) اپنی قدرت سے (اس پانی کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے) چنانچہ زمین کے ان ٹکڑوں سے پانی نکلتا ہے، کنویں اور چشمے اپنے قعر اور گہرائیوں سے پانی ابال کر اوپر پھنکتے ہیں، جس سے زمینیں سیراب ہوتی ہیں (پھر اس کے ذریعہ اللہ تعالی کھیتیاں پیدا کرتا ہے جن کے رنگ) اور اقسام (مختلف ہوتے ہیں، پھر وہ کھیتی پک جاتی ہے، تو اے مخاطب! اس کو تو دیکھے گا) خشک ہو جانے کے بعد (زرد رنگ کی، پھر اس کو چورا چورا کر دیتا ہے) جب کہ کھیتی کٹنے کے بعد روندی جائے (بے شک اس میں بڑا ہی نمونہ ہے عبرت کا عقل والوں کے لیے) کہ یہ سب چیزیں خود بخود نہیں ہیں، بلکہ کوئی ذات ہے جو اس پورے نظام کو چلا رہا ہے۔ (معارف: د)

۴۷... هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

(الغافر:۶۷)

(وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر تم کو بچہ کر کے نکالتا ہے، پھر تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تاکہ تم سب وقت مقرر تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم لوگ سمجھو۔)

تشریح وتفسیر

انسانی تخلیق کو ذکر کیا جا رہا ہے، جو باری تعالی کی بے پناہ قدرت پر بھی دال ہیں، تاکہ منکر خدا اگر اپنے وجود ہی میں غور وفکر کرے تو اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے: اے لوگو! عجیب بات ہے کیا تمہیں خبر نہیں (وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا) کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے۔ (پھر) آئندہ ان کا سلسلۂ نسل اس طرح قائم کیا کہ تم کو (نطفہ سے، پھر خون کے

لوتھڑے سے، پھرتم کو) بعد اس کے کہ بصورت حمل ماں کے رحم میں تخلیقی وتصویری مراحل مکمل ہو گئے ہوں (نکالتا ہے۔) ماں کے پیٹ سے (بچہ کی شکل میں) پھر تم کو زندگی دیتا ہے (تا آں کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ، پھر) اور بھی مزید حیات عطا کرتا ہے (یہاں تک کہ تم بوڑھے ہو جاؤ، اور بعض تم میں سے وہ ہوتا ہے جو اس سے پہلے مر جائے) جوانی یا بڑھاپے کی نوبت ہی نہ آئے۔ غرض یہ سب کا حال علاحدہ علاحدہ ہے، کوئی بوڑھا ہوا اور کوئی نہیں، کوئی جوان ہوا اور کوئی اس سے پہلے ہی مر گیا (اور) یہ سارا تقدیری نظام اس وجہ سے ہے کہ (تم پہنچ جاؤ اس وقت پر جو مقرر و متعین کر دیا گیا ہے) تو جو وقت جس انسان کا تقدیر خداوندی سے طے ہو چکا ہوتا ہے وہ اسی وقت تک پہنچتا ہے، کوئی طاقت اس وقت کو آگے پیچھے نہیں کر سکتی۔ (اور) یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے (تا کہ تم لوگ) ان احوال میں غور کر کے (سمجھ جاؤ) کہ دراصل وہی ایک ذات موت وحیات کی مالک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ (معارف: د)

۴۸... قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ (حم السجدة:۹-۱۲)

(آپ فرمایئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، یہی سارے جہاں کا رب ہے۔ اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں، اور اس میں اس کی غذائیں تجویز کیں، چار دن میں، یہ پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا، سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ سو دو

روز میں اس کے سات آسمان بنادیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم بھیجد یا
،اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اس کی حفاظت کی، یہ
تجویز ہے زبردست واقف الکل کی۔)

تشریح وتفسیر

ان آیات میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس امر پر اظہار تعجب کیا جارہا ہے کہ خالق کائنات جس کی قدرت وخالقیت اور الوہیت کے دلائل روز روشن سے زائد واضح ہیں کا انکار کوئی بھی صاحب عقل انسان کیوں کر کرتا ہے، جب بھی انسان عقل اور فطرت کے معیار پر اس بات کو پرکھے گا کبھی بھی انکار خدا اور شرک کے امکان کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس ذیل میں دلائل قدرت بیان فرمائے گئے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں سے کہہ دیجئے کیا تم انکار کرتے ہو، اس پروردگار کا جس نے زمین کو) باوجود اپنی عظیم وسعت کے (دوروز کے بقدر وقت میں پیدا کیا) اور تم اس پروردگار کی شان خالقیت اور قدرت عظیم کے مناظر وشواہد دیکھنے کے باوجود جن میں سے ہر ایک چیز اپنی دلالت اور زبان حال سے اللہ تعالی کی وحدانیت کو ظاہر کررہی ہے۔ (پھر بھی تم اس کے واسطے شریک قرار دے رہے ہو، حالاں کہ یہی) خدا جس کی قدرت کا تم مشاہدہ کررہے ہو (سارے جہانوں کا رب ہے اور اسی نے اس زمین میں پہاڑ بنائے) جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور ان پہاڑوں سے میخوں کی طرح زمین کو ٹھہرایا ہوا ہے (اور اس میں بڑی ہی برکتیں رکھیں) معدنیات وخزائن ہیں، اسی سے غلے اور پھل پھول اگتے ہیں، جن میں مخلوق کے واسطے فائدے رکھے ہیں۔ (اور اس زمین میں) اس پر رہنے والوں کی (غذائیں اندازے کے ساتھ رکھ دیں) اور جس طرح اور جس انداز ومقدار سے چاہا اپنی حکمت سے پیدا کیا، یہ سب کچھ (چار دن میں) ہوگیا، دو دن میں زمین اور دو دن میں پہاڑ، درخت، بہائم وجملہ مخلوقات ارضیہ (جو پورے ہیں) کمیت اور کیفیت خلق کو (دریافت کرنے والوں کے لیے، پھر) یہ سب کچھ پیدا کرنے کے بعد (متوجہ ہوا) وہ پروردگار (آسمان کی جانب، جب کہ دھواں تھا) جس کا

یہ مادہ دخانیہ اگرچہ زمین کے بچھانے سے قبل تھا، لیکن بحیثیت موجودہ زمین کے بچھانے کے بعد سات آسمانوں کی صورت میں پیدا کیا گیا۔ تو اس صورت میں (آسمان وزمین سے کہا تم دونوں آجاؤ) ہمارے حکم کے سامنے اطاعت وفرماں برداری کے ساتھ (خواہ خوشی سے یا زبردستی سے) یعنی ہم جو بھی حکم تکوینی طور پر تمہیں دیں، اس کی تعمیل کرنی ہوگی، خواہ رضا وخوشنودی یا مجبوری اور زبردستی سے، بہر حال تم کو مجال نہ ہوگی کہ ہمارے حکم کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ وتردد کر سکو۔ جب ہم چاہیں گے چاند، سورج، ستارے طلوع وغروب ہوں۔ جب ہم حکم دیں گے ہوائیں چلیں گی، اور جب حکم ہوگا رکیں گی۔ جب چاہیں گے بارشیں برسیں گی، جہاں چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے۔ جس قدر غلہ چاہیں گے اُگے گا، اسی طرح پھل پھول اور جملہ غذائیں۔ جب تک چاہیں زمین ٹھہری رہے گی، اور جب چاہیں گے زلزلہ برپا کر دیں گے۔ الغرض اس قسم کے ہمارے ہر حکم کی اطاعت کے لیے اور جملہ احوال وتغیرات کے لیے جو واقع کریں اے آسمان وزمین تیار رہو، جس میں تمہیں ذرہ برابر بھی خلاف ورزی کی مجال نہ ہو سکے گی۔ آسمان وزمین (دونوں نے عرض کیا: ہم دونوں حاضر ہیں خوشی سے) تیرے تمام احکام کی تعمیل کے لیے (سو دو روز) کے بقدر وقت (میں) آسمان کے (اس مادۂ دخانیہ کو پورے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اپنا حکم جاری فرما دیا) جو اس کے مناسب تھا۔ فرشتوں کے احکام تکوینیہ جاری فرما دیئے گئے اور فرشتوں کی جو جماعت نظام عالم کے جس شعبہ پر مامور فرمائی تھی اس کو اس پر مامور کر دیا گیا (اور مزین کر دیا ہم نے آسمان دنیا کو) یعنی قریب والے آسمان کو جو کرۂ ارضی پر بسنے والے انسانوں سے قریب ہے (روشن چراغوں) یعنی چمکنے والے ستاروں (سے اور) ان ہی ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کے ساتھ (ذریعۂ حفاظت بھی بنایا) تاکہ کوئی جن یا شیطان اگر آسمان کا رخ کرے اور یا چاہے کہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی امور میں سے کوئی چیز سن لے اور معلوم کرے تو یہ ستارے اس کو جلا کر خاک کر دیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ''إِلاَّ مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ'' الحجر: ۱۸۔ (یہ ہے کائنات کی تخلیق) وتقدیر اور اندازہ

کے موافق ہر شئے کا وجود (اس پروردگار کی، جوزبردست قوت) وعزت (اور علم والا ہے) کہ ہرمخلوق خدا کی عزت وقوت اوراس کے علم بے پایاں کی گواہی دے رہی ہے۔ ہرایک مخلوق اپنے خالق قادرمطلق کامل صفات کی وحدانیت کی شہادت دیتے ہوئے یہی کہہ رہی ہے کہ کوئی نہیں عبادت کے لائق سوائے ایک خدائے واحد کے۔

الغرض اے ہمارے پیغمبر! آپ خدائے واحد کی خالقیت اورقدرت کے یہ مناظر ان کودکھاتے ہوئے پوچھئے کہ کیا ایسے خالق عزیز وعلیم کاتم انکار کرتے ہو۔ان مشاہدات ودلائل سے انسانی فطرت اورعقل کا تو یہی تقاضہ ہے کہ وہ آپ کی بات کی طرف توجہ کریں اوراس پرایمان لائیں۔

۴۹۔۔۔وَ مِنۡ اٰیٰتِهِ الَّیۡلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ؕ لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَ لَا لِلۡقَمَرِ وَ اسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَهُنَّ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فَالَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوۡنَ لَهٗ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمۡ لَا یَسۡـَٔمُوۡنَ ﴿۳۸﴾ (حم السجدۃ:۳۷-۳۸)

(اورمن جملہ اس کی نشانیوں کے رات ہےاوردن ہےاورسورج ہےاورچاند ہے،تم لوگ نہ سورج کوسجدہ کرونہ چاندکو،اوراس خدا کوسجدہ کرو،جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا،اگرتم کوخدا کی عبادت کرنا ہے۔پھراگریہ لوگ تکبرکریں توجوفرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ شب وروزاس کی پاکی کرتے ہیں اوروہ نہیں اکتاتے۔)

تشریح وتفسیر

آیات بالا میں آیات قدرت کو بیان جارہا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: (اوراللہ کی نشانیوں سے تورات اوردن ہےاورسورج وچاندہیں) جواپنے انقلاب وتبدیلی سے ہر مشاہدہ کرنے والے انسان کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دنیامیں کوئی حالت ایسی نہیں کہ جوتبدیل نہ ہو،رات کی تاریکی کے بعددن کی روشنی نمودارہوکرزبان حال سے یہ بتاتی رہتی ہے کہ کسی بھی مغلوب وعاجزیاپریشان ومغموم شخص کوجوآلام وافکارکی تاریکیوں میں ڈوباہواہو مایوس نہ ہوناچاہئے۔اس کے افکاروپریشانیوں کی تاریکیاں عنقریب کامیابی اورغلبہ کی

صبح صادق کے نور سے مٹ جائیں گی۔قدرت خداوندی کے ان کرشموں کو دیکھ کرائے لوگو کارخانۂ عالم کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے رب کو پہچانو۔(ہرگز پرستش نہ کرو سورج کی اور نہ چاند کی اور صرف اسی خدا کے لیے سجدہ کرو،جس نے سورج و چاند کو پیدا کیا ہے،اگر تم کو اسی خدا کی عبادت کرنا ہے) کیوں کہ خدا کی خالقیت کے اقرار کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کی عبادت میں شریک کرنا درحقیقت اس کی عبادت ہی سے انکار ہے۔لہٰذا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کی عبادت و پرستش کرتے ہوئے یہ دعوی کریں کہ ہم تو اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

بہرحال یہ حقائق ہیں جن کا تسلیم کرنا ہر صاحب عقل پر ضروری ہے(پھر بھی اگر یہ لوگ)اللہ تعالی کی عبادت وتوحید سے(تکبر کریں)اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں یہ سمجھیں کہ ہماری ذلت ہوگی،تو پھر ایسے لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اے ہمارے پیغمبر (جو فرشتے آپ کے رب کے نزدیک ہیں)اور بارگاہ خداوندی کے مقرب ہیں(وہ تو تسبیح و پاکی بیان کرتے رہتے ہیں)اسی رب کے لیے رات اور دن(اور وہ اس سے تھکتے نہیں ہیں)تو جس خدا کی عظمت و برتری کا یہ مقام ہے کہ ملائکہ مقربین شب وروز اس کی حمد وثنا اور تسبیح میں مصروف ہیں،اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں اور نہ اس کو کسی کی نافرمانی سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے۔وہ پروردگار عالم تو تمام جہانوں سے مستغنی و بے نیاز ہے،جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اگر اولین وآخرین زندہ ومردہ جن وانس و بے جان چیزیں سب کی سب سراپا تقویٰ ہوجائیں تو خدا کی خدائی میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں کرسکتے اور اگر یہ سب خدا کی نافرمانی اور شقاوت کا پیکر بن جائیں تو خدا کی ملک میں مچھر کے پر برابر کمی نہیں کرسکتے۔(معارف:د)

آیت کریمہ:''لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ'' سے ثابت ہوا کہ سجدہ صرف خالق کائنات کا حق ہے،اس کے سوا کسی ستارے یا انسان وغیرہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہو یا محض تعظیم وتکریم کی نیت سے دونوں صورتیں باجماع امت حرام ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ جو عبادت کی نیت سے کسی

کو سجدہ کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے محض تعظیم و تکریم کے لیے سجدہ کیا اس کو کافر نہ کہیں گے، مگر ارتکاب حرام کا مجرم اور فاسق کہا جائے گا۔

سجدۂ عبادت تو اللہ تعالی کے سوا کسی کو کسی امت و شریعت میں حلال نہیں رہا، کیوں کہ وہ شرک میں داخل ہے اور شرک تمام شرائع انبیاء میں حرام رہا ہے۔ البتہ کسی کو تعظیماً سجدہ کرنا، یہ پچھلی شریعتوں میں جائز تھا، دنیا میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا، یوسف علیہ السلام کو ان کے والد اور بھائیوں نے سجدہ کیا، جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے، مگر باتفاق فقہائے امت یہ حکم ان شریعتوں میں تھا، اسلام میں منسوخ قرار دیا گیا اور غیر اللہ کو سجدہ مطلقاً حرام قرار دیا گیا۔ (معارف:ش)

۵۰... وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

(الزخرف:۹-۱۴)

(اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں اس نے تمہارے لیے رستے بنائے، تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا، پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو زندہ کیا، اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے تمام اقسام بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو۔ پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو، اور یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا، اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو

قابو میں کر لیتے۔اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

تشریح وتفسیر

''وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ... كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ'' اللہ تعالیٰ کی قدرت اوراس کی خالقیت کے دلائل بیان کئے جارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور الوہیت پر کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ومعترف ہے، یہاں تک کہ یہ منکرین خدا بھی اگر چہ اپنی زبانوں سے انکار کرتے ہیں، لیکن ان کے دل اقرار کرتے ہیں، چنانچہ (اگر تم ان سے سوال کرو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ضرور یہی کہیں گے کہ اس پروردگار نے جو بڑی ہی عزت، زبردست علم والا ہے) کیوں کہ ہر مخلوق اپنے خالق کی عظمت بھی بتارہی ہے اوراس کے علم وحکمت کی بھی واضح دلیل ہے، وہی پروردگار (جس نے) اے انسانو! (زمین کو تمہارے واسطے بچھونا بنایا اور بنائے اس) زمین (میں تمہارے واسطے راستے، تاکہ تم) اپنے منافع اور حوائج کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ (راستہ پاسکو) اور سہولت سے سفر کرسکو (اور وہ پروردگار) ایسا مہربان ہے (جس نے آسمان سے پانی اتارا، اندازے کے مطابق) کہ جہاں جتنا پانی چاہا برسایا (پھراس پانی کے ذریعے شاداب کردیا، ایک مردہ جگہ کو) جو بے آب وگیاہ بنجر علاقہ تھا، پانی نے برس کر اس کو سرسبز وشاداب بنادیا، تو جس طرح مردہ زمین سے سبزہ اور غلہ اُگ رہا ہے اور مردہ زمین کی تہوں کے اندر سے نباتات اور سبزے نمودار ہورہے ہیں، زمین کی تہہ میں دبے ہوئے تخم اور دانے زمین میں مل جانے اور مٹی مٹی ہوچکنے کے بعد پھر اسی طرح نباتات وسبزہ کی شکل میں رونما ہورہے ہیں، جو پہلے موجود تھی (اسی طرح) اے لوگو! (تم بھی) اپنی قبروں سے (نکالے جاؤ گے) اگر چہ تم زمین میں دفن ہونے کے بعد زمین کے اجزاء کے ساتھ خلط ملط ہوجاؤ، ریزہ ریزہ ہوجاؤ لیکن پھر تمہارا نکلنا اور اٹھنا ہر تخم سے دوبارہ درخت اور سبزہ کے نمودار ہونے کی طرح ہوگا۔

''وَالَّذِيْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ... لِتَسْتَوُا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ'' (اور وہ پروردگار جس نے جوڑے بنائے ہر چیز کے) مثلاً نرومادہ، نیک وبد، اچھا وبُرا سیاہ وسفید، خشک وتر، گرم

وسرداورنافع ومضر(اور بنادیا کشتیوں اور چوپایوں کو، ایسا کہ تم سوار ہوتے ہو)اوران پر بروبحر کا سفر کرتے ہو۔اورکشتیوں اور جانوروں کو اس طرح بنایا(کہ تم ان کشتیوں اور چوپایوں کی پشت پر برابر جم کر بیٹھ سکو۔)

انسان کی سواریاں دوقسم کی ہوتی ہیں،ایک وہ سواریاں جنھیں انسان اپنی صنعت وحرفت کے ذریعہ خود بناتا ہےاوردوسرے وہ حیوانات جن کی تخلیق میں انسانی صنعت کا کوئی دخل نہیں،''کشتیاں''بول کرسواریوں کی پہلی قسم مراد ہےاور''چوپائے'' سے دوسری قسم۔مقصد یہ ہے کہ انسانی استعمال کی تمام سواریاں خواہ ان کی تیاری میں انسانی صنعت کودخل ہو یا نہ ہو،اللہ تعالی کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔

چوپایوں کا نعمت ہونا تو بالکل ظاہر ہے کہ وہ انسان سے کئی گنا زائد طاقتور ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالی نے انھیں انسان کے آگے ایسا رام کردیا ہے کہ ایک بچہّ بھی ان کے منہ میں لگام یا ناک میں نکیل ڈال کر جہاں چاہتا ہے انھیں لے جاتا ہے۔اسی طرح وہ سواریاں بھی اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہیں جن کی تیاری میں انسانی صنعت کودخل ہے،ہوائی جہاز سے لے کر معمولی سائیکل تک یہ ساری سواریاں اگرچہ بظاہرانسان نے خود بنائی ہیں،لیکن ان کی صنعت کے طریقے سمجھانے والا اللہ تعالی کے سوا کون ہے؟ یہ وہ قادر مطلق ہی تو ہے جس نے انسانی دماغ کو وہ طاقت عطا کی ہے جولوہے کوموم بنا کر رکھ دیتی ہے،اس کے علاوہ ان کی صنعت میں جو خام مواد استعمال ہوتا ہے وہ اوراس کے خواص وآثار تو براہ راست اللہ تعالی ہی کی تخلیق ہیں۔

''ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ...وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ''(پھرتم اپنے رب کی نعمت کو یادکیا کرو، جب تم ان پرسوار ہوا کرواور کہا کرو)اپنے پروردگار کی نعمت کا شکرادا کرتے ہوئے (پاکی ہےاس ذات کی جس نے مسخر وتابع کردیا،ہمارے واسطےاس کواورہم تو نہ تھے ایسے کہ اس کوقابو لانے والے ہوتے)ظاہر ہے کہ یہ طاقتور حیوان اور وہ تمام مشینیں جو کائنات کی طاقتوں: ہوا، پانی اورآگ کی قوتوں سے چلتی ہوں،انسانِ ضعیف کی کیا مجال تھی کہ ان کواپنے قابو میں لاسکتا۔صرف ذات باری کا احسان عظیم ہے کہ اس نے

ان کو ہمارے تابع کر دیا۔

تابع داری مشینی سواریوں پر بھی اسی طرح صادق آتی ہے جس طرح جانوروں اور چوپایوں پر، کیوں کہ اگر اللہ تعالی ان کا خام مواد پیدا نہ کرتا، یا اس میں وہ خواص و آثار نہ رکھتا یا انسانی دماغ کو ان خواص کے دریافت کرنے کی طاقت نہ بخشتا تو ساری کائنات مل کر بھی ایسی سواریاں پیدا نہ کر سکتی تھی۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ ایک صاحبِ عقل و ہوش انسان کا کام یہ ہے کہ وہ منعم حقیقی کی نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے غفلت، بے پروائی اور استغناء کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اس بات پر دھیان دے کہ یہ مجھ پر اللہ تعالی کا انعام ہے، لہذا مجھ پر اس کے شکر کی ادائیگی اور عجز و نیاز کا اظہار واجب ہے ، ایک کافر اور مومن میں درحقیقت یہی فرق ہے کہ کائنات کی نعمتوں کو دونوں استعمال کرتے ہیں، لیکن کافر انھیں غفلت اور بے پروائی سے استعمال کرتا ہے اور مومن اللہ تعالی کے انعامات کو مستحضر کر کے اپنا سر نیاز اس کے حضور جھکا دیتا ہے۔ اسی مقصد سے قرآن و حدیث میں مختلف کاموں کی انجام دہی کے وقت صبر و شکر کے مضامین پر مشتمل دعائیں تلقین کی گئی ہیں، اگر انسان اپنی روزمرہ زندگی میں اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے ان دعاؤں کو اپنا معمول بنالے تو اس کا ہر مباح کام بھی عبادت بن جاتا ہے۔

''سُبْحَانَ الَّذِیْ ... مُقْرِنِیْن'' یہ سواری پر بیٹھ کر پڑھنے کی دعا ہے، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد روایات میں منقول ہے کہ سواری پر بیٹھتے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ سوار ہونے کا پورا مستحب طریقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ سواری پر پاؤں رکھتے وقت ''بِسْمِ اللّٰہِ'' کہے، پھر سوار ہو جانے کے بعد ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' اور اس کے بعد یہ کلمات پڑھے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

(اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا، اور ہم تو

ایسے نہ تھے جوان کو قابو میں کر لیتے۔اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

''وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ ''اور اے انسانو!تم اپنے اس دنیوی سفر کے وقت اصل منزل کی طرف واپسی کا تصور کرتے ہوئے یہ سوچا کرو کہ دنیا کی زندگی بھی ایک سفر ہے اور اس سفر سے اصل حقیقی منزل کی طرف ہی لوٹنا ہے اور کہا کرو(بے شک ہم تم اپنے رب ہی کی طرف یقیناواپس لوٹنے والے ہیں) یہ دلائل قدرت اور انعامات عظیمہ بلاشبہ اس بات کا موجب تھے کہ لوگ اللہ تعالی کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کو پہچانتے اور اس پر ایمان لاتے،لیکن افسوس بہت سے انسانوں نے اپنی بدنصیبی اور محرومی کا ثبوت دیا۔(معارف:د،ش)

☆☆☆

فضائل توحید

اللہ تعالیٰ کو یکتا اور تنہا قرار دیتے ہوئے عبادت کی تمام تر اقسام کو اسی کے لیے خاص کرنا قطعی طور پر سب سے افضل اور سب سے عظیم نعمت ہے، اس کے فضائل و ثمرات شمار وقطار سے باہر، غیر محدود، دنیا وآخرت کی بھلائی کو شامل ہیں، ان میں سے چند ایک ذیل میں ذکر کئے جار ہے ہیں۔

۱- توحید عظیم ترین نعمت ہے، جس کی ہدایت دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کیا ہے، جیسا کہ سورۂ نحل کی ابتداء ہی میں ارشاد باری ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (النحل:۲-۳)

''وہ (اللہ) اپنے حکم سے فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ اتارتا ہے کہ: لوگوں کو آگاہ کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا تم مجھ ہی سے ڈرو (کسی اور سے نہیں) اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد سے پیدا کیا ہے، جو شرک یہ لوگ کرتے ہیں، وہ اس سے بہت بالا وبرتر ہے''۔

۲- اللہ کی عبادت و بندگی ہی جن وانس کی پیدائش کا مقصد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۶)

(میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔)

۳-توحید ہی کی وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جملہ آسمانی کتابوں اور قرآن کریم کو نازل فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم کے بارے میں فرماتا ہے:

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۟ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ۟ (ہود:۱-۲)

(الٓر، یہ وہ کتاب ہے، جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے، پھر ایک ایسی ذات کی طرف سے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے۔ (یہ کتاب پیغمبر کو حکم دیتی ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہیں) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں اس کی طرف سے تمہیں آگاہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔)

۴-توحید کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دنیوی واخروی مصائب ومشکلات اور اللہ کی جانب سے نازل ہر عقاب کے ازالہ کا عظیم ترین ذریعہ ہے۔

۵-توحید کے عظیم ترین فوائد میں سے یہ ہے کہ اگر بندہ کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی توحید موجود ہو، اور اسی پر اس کا خاتمہ ہو جائے تو یہ ضرور بالضرور اس کو ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں داخل ہونے سے بچا لے گی۔

جب کہ جس کا دل اقرار توحید وایمان باللہ سے خالی ہوگا، تو کبھی بھی اس کی مغفرت نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۟ (النساء:۴۸)

(بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔)

۶-اگر بندہ کا دل مکمل طور پر توحید سے معمور ہو، اور اس کے مطابق عمل بھی ہو، تو یہ سرے سے اسے جہنم میں جانے سے بچا لے گی، جیسا کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ مومنین کاملین کو ابتداء ہی میں دخول جنت کی سعادت حاصل ہوگی۔

۷-توحید اللہ تعالیٰ کی رضاوخوشنودی اوراجروثواب حاصل کرنے کا عظیم ترین ذریعہ ہے۔

۸- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا سب سے زیادہ حق داروہ ہے جس نے سچے دل سے کلمہ ''**لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' پڑھا ہو۔

۹-توحید کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ بندے کے ظاہری وباطنی تمام تر اقوال وافعال کی قبولیت، ان کے درجہ کمال تک پہنچنے اوران پر ثواب مرتب ہونے کا دارومدار توحید ہی پر ہے، لہٰذا توحید جس قدر مضبوط ہوگی، اور عمل جس قدر اللہ کے لئے خالص ہوگا، اس قدر عمل درجہ کمال کو پہنچے گا، مقام قبولیت حاصل کرے گا اوراس پر عظیم ثواب مرتب ہوگا۔

۱۰-توحید کے ذریعہ بندۂ مسلم کے لئے نیکیوں پر عمل اور گناہوں سے اجتناب آسان ہوجاتا ہے اوراسے مشکلات ومصیبت پر صبر کی نعمت حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ وہ اپنے رب سے اجروثواب اوراس کی رضاوخوشنودی کی امید لگاتا ہے، اسی طرح ان گناہوں کا چھوڑنا بھی آسان ہوجاتا ہے جن کی نفس امارہ چاہت کرتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے رب کی ناراضگی اوراس کی سزاؤں کی دردناکی سے ڈرتا ہے۔

۱۱-توحید جب بندے کے دل میں کامل ہوجائے تو اللہ اس کے دل میں ایمان کو محبوب اورمزین کردیتا ہے، اور کفر، گناہ اورنافرمانی کواس کے نزدیک ناپسندیدہ بنادیتا اوراسے ہدایت یافتہ لوگوں میں کردیتا ہے۔

۱۲-توحید جب بندے کے دل میں جاگزیں ہوجاتی ہے تو اس کے لئے ہر قسم کے رنج وغم اورآلام ومصائب کا برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے، بندہ کے دل میں توحید وایمان جس قدر کامل ہوتے ہیں، اسی قدر خوشی اورصبر واطمینان کے ساتھ وہ آلام ومصائب قبول کرتا ہے، اوراللہ کے مقرر کردہ پریشان کن حالات کے آگے سر تسلیم خم کردیتا ہے۔

۱۳-توحید کی عظیم ترین فضیلت یہ ہے کہ توحید بندہ کو مخلوق کی غلامی، اللہ کے سوا ان

سے دل جوڑنے، ان سے ڈرنے، امیدیں وابستہ کرنے، اور ان کے لئے عمل کرنے سے آزاد کردیتی ہے، یہی حقیقی عزت اور بلند اعزاز ہے۔ چنانچہ وہ توحید کے ذریعہ بندوں کی غلامی سے آزاد ہوکر اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا عبادت گزار ہوجاتا ہے، پھر اس کے علاوہ نہ کسی سے امیدیں وابستہ کرتا ہے، اور نہ ہی کسی سے ڈرتا ہے، نہ ہی اس کے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ رکھتا ہے، اس طرح وہ مکمل کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

۱۴- نیز توحید کی فضیلت یہ ہے کہ توحید جب بندہ کے دل میں پورے اخلاص کے ساتھ راسخ ومضبوط ہوجائے، اور مکمل طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ تھوڑے عمل کو بھی زیادہ بنادیتی ہے، اور بندۂ مسلم کی ہر قولی وفعلی نیکی پر لامحدود طریقہ سے اجروثواب ملتا ہے۔

۱۵-توحید کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موحدین کے لئے دنیا میں فتح ونصرت کی ذمہ داری لی ہے، نیز توحید کے ذریعہ انہیں عزت وشرف حاصل ہوتا ہے، وہ ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، انہیں نیکی واطاعت کی توفیق ملتی ہے اور اس کی راہیں ان کے لئے آسان ہوجاتی ہیں، نیز حالات کی اصلاح ہوتی ہے اور ہر قول وفعل میں اللہ کی جانب راہ راست کی رہنمائی ملتی ہے۔

۱۶- اللہ تعالیٰ موحدین کو دنیا وآخرت کے شر سے محفوظ رکھتا ہے، اور اپنے فضل وکرم سے انہیں پاکیزہ زندگی عطا کرتا ہے اور ذکر الٰہی سے سکون واطمینان کی نعمت سے نوازتا ہے، قرآن وحدیث میں اس کے بہت ہی زیادہ دلائل موجود ہیں۔

چنانچہ جس نے توحید کو اس کے تقاضوں کے ساتھ ثابت وقائم کیا اسے مذکورہ بلکہ اس سے بھی زیادہ فضائل حاصل ہوں گے اور جس نے توحید سے انحراف کیا یا اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا تو عذاب سے دوچار ہوگا۔

ایمان وتوحید کی مثال ایک درخت کی سی ہے جو بندہ مومن کے دل میں پھلتا پھولتا اور پروان چڑھتا ہے چنانچہ جب بھی نیکی وفرمانبرداری کے کاموں میں اس کی آبیاری کی

جاتی ہے تو اس کی شاخوں میں بڑھوتری اور اس کی افزائش میں اضافہ ہوتا ہے، اس طرح اس کا حسن و جمال دوبالا ہوجاتا ہے، پھر جب ایمان وتوحید کا درخت پورے طور پر پروان چڑھ جاتا اور اس کی شاخیں ثمر بار ہوجاتی ہیں تو بندہ کے دل میں اللہ کی غایت درجہ محبت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا خوف اور اس کی رحمتوں کی امید میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اللہ پر مضبوط توکل کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے۔

دل میں ایمان کو راسخ کرنے اور اس کی جڑوں کو پیوست کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

۱- اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے نیکیوں کو انجام دیا جائے۔

۲- اللہ تعالیٰ کی سزا کے ڈر سے گناہ کے کاموں کو چھوڑ دیا جائے۔

۳- زمین وآسمان کی بادشاہی پر غور وفکر کیا جائے۔

۴- اللہ کے اسماء وصفات، اس کے تقاضوں، آثار اور جو اللہ کی عظمت وجلالت پر دلالت کرتے ہیں ان کی معرفت حاصل کی جائے۔

۵- نفع بخش علم اور اس پر عمل سے اپنے آپ کو سنوارا جائے۔

۶- غور وفکر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے اور اس کے معانی ومقتضی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

۷- فرائض کے اہتمام کے ساتھ نوافل کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے۔

۸- دل وزبان کو ہر حال میں اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رکھا جائے۔

۹- کئی محبوب چیزوں کے اکٹھا ہوجانے پر اللہ کی محبوب چیز کو ترجیح دی جائے۔

۱۰- اللہ تعالیٰ کی ظاہری وباطنی نعمتوں پر غور کیا جائے اور بندوں پر اس کی بھلائی، احسان اور انعام واکرام کا مشاہدہ کیا جائے۔

۱۱- رات کے آخری تہائی حصہ میں بیدار ہوکر نماز تہجد، تلاوت قرآن کریم اور توبہ واستغفار کیا جائے، کہ یہ وقت اللہ رب العزت سے قربت حاصل کرنے کا بہترین وقت ہے۔

۱۲- بزرگان دین، اولیائے امت، صالحین ومخلصین، اللہ عزوجل سے محبت رکھنے

والے بندوں کی ہم نشینی اختیار کی جائے، ان کی صحبت میں بیٹھا جائے، ان کی باتوں سے فائدہ اٹھایا جائے اور ان کے اخلاق وعادات کو اختیار کیا جائے۔

۱۳- ہر اس چیز سے دور رہا جائے جو دل کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں رکاوٹ ڈالنے والے ہوں۔

۱۴- ضرورت سے زائد گفتگو، زائد کھانا، زائد میل جول، اور بے جا نظر بازی سے گریز کیا جائے۔

۱۵- مسلمان بھائی کے لئے اسی چیز پسند کیا جائے جو اپنے لئے پسندیدہ ہو۔

۱۶- دل کو مومنوں کے خلاف کینہ، بغض، حسد تکبر، بڑائی اور خود پسندی سے محفوظ رکھا جائے۔

۱۷- نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، اور مصائب پر صبر کیا جائے۔

۱۸- گناہوں کے سرزد ہو جانے پر اللہ عزوجل کی جانب توبہ واستغفار کے ذریعہ رجوع کیا جائے اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کیا جائے۔

۱۹- بھلائی، حسن اخلاق، صلہ رحمی اور دیگر نیک اعمال کا اہتمام کیا جائے۔

۲۰- ہر چھوٹی بڑی چیز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیز آپ کے صحابہ واہل بیت سے محبت وعقیدت کو جز وایمان سمجھا جائے۔

اللہ ہم سب کو ایمان وتوحید پر قائم رکھے اور اسی پر خاتمہ بالخیر فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

باب دوم

کفر وشرک کا بیان

فصل اول

کفر وشرک

ایمان کی ضد کفر وشرک ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایک مومن اسی وقت تک صاحب ایمان رہتا ہے، جب تک کہ وہ کفر وشرک سے بچا رہتا ہے، لیکن اگر اعمال کفریہ وشرکیہ میں سے کوئی عمل اس نے کرلیا یا کفر وشرک کی کوئی بات زبان سے کہہ دی تو وہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ بدیہی مسلمات میں سے کسی ایک بات کا انکار کردیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود ہے تو بھی کفر عائد ہوجاتا ہے، پھر کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض افعال بھی موجب کفر ہوسکتے ہیں، چنانچہ فقہاء ایسے افعال پر بھی کفر کا حکم لگادیتے ہیں جو قلبی واعتقادی کفر کے صحیح ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔

ایمان کہتے ہیں کہ بندہ دل سے اس بات کی تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرے کہ اللہ رب العزت اپنی ذات وصفات میں ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی کے رسول ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تصدیق واقرار درحقیقت ایک عنوان ہے، جس کے ذریعہ بندہ اللہ رب العزت کی الوہیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تمام باتوں پر جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ آپ ہی نے یہ بات فرمائی ہے، مکمل طور پر ایمان رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یقینی طور پر بتلائی ہوتی باتوں میں سے اگر وہ کسی ایک بھی بات کا منکر ہوجائے، یا کسی بھی ایک بات میں آپ کی تصدیق نہ کرے تو ایمان سے خارج ہوجائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالی کی ذات وصفات میں اگر کسی کو شریک کرے گا تو مشرک ہوکر خارج اسلام ہوجائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ اصل ایمان یہ ہے کہ پورے دین اسلام کو مکمل طور پر تسلیم کرے اور اللہ تعالی کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرے اور نہ ہی ضروریات دین میں سے کسی بھی بات کا انکار کرے اور نہ ہی اسلام کے منافی کوئی عمل کرے ورنہ اسلام سے خارج ہوجائے گا، جتنی نیکیاں وعبادت اس نے کی تھیں سب اکارت ہوجائیں گی، نکاح ٹوٹ جائے گا، اگر فرض حج کر چکا تھا تو وہ بھی ختم ہوجائے گا اور اگر بغیر توبہ وتجدید ایمان موت ہوجائے گی تو ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں جلنا پڑے گا۔

واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد کفر وشرک کی گندگیوں سے انسانوں کو نکال کر خدائے واحد کی خالقیت وربوبیت کا اقرار کرانا اور اسی کی اطاعت وعبادت پر لگادینا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شریعتوں میں فروعاتی اختلاف کے باوجود اصل الاصول یعنی توحید اور شرک جلی وغیرہ میں رائی برابر بھی اختلاف نہ تھا۔ تمام آسمانی ادیان اور کتب ان کی حرمت پر متفق ہیں اور کسی بھی دین میں شرک وکفر کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ (الانبیاء:۲۵)

(اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں پس میری (ہی) عبادت کیا کرو۔)

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید پر گفتگو کے بعد مختصرا کفر وشرک کی بھی وضاحت کردی جائے، تاکہ ایمان کے مقتضیات پر عمل کے ساتھ ساتھ ایک مؤمن امور کفر وشرک سے اپنی حفاظت بھی کرتا رہے۔

❖ ❖ ❖

کفر اور اس کی اقسام

کفر کی تعریف

کفر کے لفظی معنی چھپانے اور انکار کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین اللہ رب العزت کی طرف سے لیکر آئے اور اس کا بدیہی و قطعی طور پر دین سے ہونا معلوم ہو، اس کو نہ ماننا خواہ یہ نہ ماننا انکار کے طور پر ہو یا شک و نفاق کے طور پر، یا کافروں کے عقیدوں میں سے کوئی عقیدہ رکھنا یا جن اعمال کو اعمال کفر کہا جاتا ہے ان میں سے کوئی کام کرنا، شریعت کے نزدیک کفر ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کفر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”الكفرعدم تصديق الرسول ﷺ فيما علم بالضرورة مجيئه به“ (تفسیر کبیر: ۱؍۱۵۹)

(یعنی کفر کے معنی یہ ہیں کہ رسول اور پیغمبر کی اس چیز میں تصدیق نہ کرنا جس کا بدیہی اور قطعی طور پر دین سے ہونا معلوم ہو چکا ہو۔)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کی تصدیق نہ کرنا ہی کفر ہے خواہ تکذیب کرے یا نہ کرے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ (الفتح: ۱۳)

(جو اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ کرے تو ہم نے ایسے کافروں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔)

اس آیت شریفہ میں تصدیق نہ کرنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ

(کافروں نے کہا ہم ہرگز اس قرآن کی تصدیق نہ کریں گے)

صورۂ صافات میں ہے کہ اہل جنت اہل نار سے کہیں گے:

بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾

(بلکہ تم تصدیق کرنے والے نہ تھے۔)

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾

(اس کافر نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

(تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا ان کے حق میں آپ کا ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے۔)

اقسامِ کفر

علماء نے کفر کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں:

کفر تکذیب

یعنی انبیاء و رسل کو جھٹلانا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾

(کافروں نے کہا یہ ساحر اور جھوٹا ہے)

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

(ان قوموں میں سے ہر ایک نے پیغمبروں کو جھٹلایا، پس میرا عذاب ان پر ثابت ہو گیا)

کفر استکبار

تکبر کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نہ ماننا اور اس کے قبول سے انکار کر دینا۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

(ابلیس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں سے)

کفر اعراض

یعنی پیغمبر کی نہ تصدیق کرے اور نہ تکذیب، بلکہ اعراض اور روگردانی کرے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③

(اور کافر جس چیز سے ان کو ڈرایا جاتا ہے اس سے اعراض کرتے ہیں۔)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲

(کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اگر روگردانی کریں تو کہہ دیجئے کہ اللہ کافروں کو محبوب نہیں رکھتا۔)

اس آیت میں روگردانی کرنے والوں کو کافر بتایا گیا ہے۔

کفر ارتیاب

یعنی پیغمبر کے نہ صادق ہونے کا یقین ہے نہ کاذب ہونے کا، بلکہ شک اور تردد ہے، یہ بھی کفر ہے۔ چنانچہ ''وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ'' کی علت حق تعالی نے یہ بیان فرمائی ہے ''اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ'' یعنی بیشک تھے وہ شک میں متردد۔

کفر نفاق

یعنی زبان سے اقرار اور قلب سے انکار کرے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ (البقرہ:۸)

(اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مومن نہیں)

یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے صرف زبان سے فریب دینے کے لئے اظہار ایمان کرتے ہیں۔) (ماخوذ از معارف ادریسی: ۱/ ۶۷ و تفسیر عثمانی)

❖ ❖ ❖

مذمت کفر

کافر عقل وخرد سے محروم ہیں

کفر اپنی تمام تر قسموں کے ساتھ انتہائی قبیح اور برا عمل ہے، اپنے پیدا کرنے والے اور روزی دینے والے خدا کے ساتھ آخری درجہ کی احسان فراموشی ہے۔ کافر اگر معمولی بھی غور وفکر سے کام لے اور اللہ رب العزت کی عطا کردہ نعمتوں میں غور وفکر کرے، تو اپنے اس عمل سے ضرور باز آجائے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کافروں کو بار بار اللہ رب العزت کی قدرت اور اس کے بے شمار عطا کردہ انعامات میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَ هُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ (البقرہ:۲۸۔۲۹)

(کس طرح کافر ہوتے ہو خدا تعالیٰ سے حالانکہ تم بے جان تھے پھر جلایا تم کو، پھر مارے گا تم کو، پھر جلائے گا تم کو، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا انکو سات آسمان اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے)

یعنی بے جان تھے اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا کی، پھر موت دے گا، پھر قیامت میں حساب وکتاب کے لئے زندہ کرے گا اور پھر یہی نہیں کہ پیدا کیا اور بے یار ومددگار چھوڑ دیا، بلکہ بقاء اور انتفاع کے لئے زمین میں ضرورت کی ہر چیز اور ہر سامان بھی بکثرت

پیدا فرمایا۔ اب خود انصاف کرو کہ جب تم اول سے آخر تک اللہ تعالی کے احسانات کے مرہون ہو اور ہر حالت اور حاجت میں اس کے محتاج ہو۔ پھر اس پر بھی کفر کرنا اور اس کی نافرمانی کرنا کس قدر تعجب خیز امر ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ کفر کا ارتکاب وہی شخص کرتا ہے، جس کی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہو، اور سوچنے وسمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ ان کی اسی بے سمجھی کی وجہ سے قرآن کریم ان کو گونگوں، بہروں اور جانوروں سے تشبیہ دیتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ (البقرہ:۱۷۱)

(اور ان کافروں کی کیفیت (نافہمی میں) اس (جانور کی) کیفیت کی مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے (جانور) کے پیچھے چلاّ رہا ہے جو بجز بلانے اور پکارنے کی کوئی بات نہیں سنتا (اسی طرح یہ کفار) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں۔)

یعنی یہ کفار گویا بہرے ہیں جو حق بات بالکل نہیں سنتے گونگے ہیں جو حق بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو راہِ مستقیم نہیں دیکھتے پس جب ان کے تمام قویٰ فاسد ہیں تو تحصیل علم وفہم کی اب کیا صورت رہی۔ اس لئے ان کو راہ ہدایت کی طرف بلانا ایسا ہے جیسا کوئی جنگل کے جانوروں کو بلائے کہ وہ سوائے آواز کے کچھ نہیں سمجھتے یہی حال ان لوگوں کا ہے جو خود علم نہ رکھیں اور نہ علم والوں کی بات قبول کریں۔

کافر بدترین مخلوق ہیں

جانور بہر حال اپنے نفع ونقصان کو کچھ نہ کچھ سمجھتا ہے، اسے چارہ دکھایا جائے تو اس کی طرف لپکتا ہے، اپنے مالک کو پہچانتا ہے، لیکن یہ کافر تو جانور سے بھی بدتر ہیں کہ نفع کی بات بھی نہیں سمجھتے، اسلام ان کو جنت کی طرف جہاں نعمتیں ہی نعمتیں ہیں بلا رہا ہے، اس کی طرف متوجہ ہونا تو دور کی بات، یہ بدبخت اس کے خلاف راستے پر چلتے ہیں، اور صرف یہی نہیں، بلکہ اس پر چلنے والوں کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں، اور انہیں

بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے اس مالک کو بھی نہیں پہچانتے جو صبح وشام ہزاروں قسم کی نعمتیں بلا کسی استحقاق کے عطا کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ کائنات کی سب سے بدترین مخلوق وہ ہیں جو کفر کرتے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

جیسا کہ خالق کائنات خود ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ (الانفال:۵۵)

(بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں تو یہ ایمان نہ لاویں گے۔)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ﴿۶﴾ (البینۃ:۶)

(بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔)

یعنی خدا کی مخلوقات میں ان سے بدتر کوئی مخلوق نہیں ہے حتی کہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں، کیونکہ جانور عقل اور اختیار نہیں رکھتے، اور یہ عقل اور اختیار رکھتے ہوئے حق سے منہ موڑتے ہیں۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ (الفرقان:۴۴)

(یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں یہ تو چوپایوں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے)

مذکورہ آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنایئے، یہ تو چوپائے جانور ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر، انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ، چوپائے تو بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں، نافع ومضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق ورازق کا حق پہچانا، نہ اس کے احسانات کو سمجھا۔ نہ بھلے

برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالی نے عطا کی تھیں ان کو معطل کئے رکھا، بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود تھیں، جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالی کی توحید وتنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں۔

کافروں کو شیطان نے اغوا کر رکھا ہے

درحقیقت شیطان نے کافروں کو اپنی ملمع سازی کے ذریعہ گمراہ کر رکھا ہے اور دل ودماغ کو مفلوج کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے کائنات میں یہ غور فکر کرتے ہی نہیں ہیں کہ اس کے ذریعہ خالق کائنات کو پہچانیں۔

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔہُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵۷﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

(اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نورِ (اسلام) سے نکال کر (یا بچا کر، کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔)

کافر ہدایت ومغفرت سے محروم ہیں

جو لوگ اللہ رب العزت کی ربوبیت پر ایمان ویقین رکھتے ہیں، اللہ تعالی ان پر اپنا خصوصی فضل نازل فرماتا ہے، انہیں ایمان پر ثابت قدم رکھنے والے اور جنت میں لے جانے والے اعمال کی توفیق دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل جو لوگ اس کے ساتھ کفر وشرک کرتے ہیں، حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اللہ کی ربوبیت کو تسلیم نہیں کرتے، تو پھر اللہ تعالی بھی انہیں اعمال خیر سے دور کر کے جہنم کے راستے پر ڈال دیتا ہے، ایمان کی توفیق نہیں دیتا، اور پھر بالآخر مرنے کے بعد جہنم میں دھکیل دے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ

طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ (النساء:۱۶۸۔۱۶۹)

(بلاشبہ جولوگ منکر ہیں اور دوسروں کا بھی نقصان کررہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کوکبھی نہ بخشیں گے اور نہ ان کوسوائے جہنم کی راہ کے اور کوئی راہ دکھلاوینگے۔اس طرح پر کہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اوراللہ تعالیٰ کےنزدیک یہ سزامعمولی بات ہے۔)

کافروں کا کوئی عمل مقبول نہیں

قبولیت اعمال کے لئے شرط اولی ایمان ہے،خواہ کتنے اچھے اعمال کئے جائیں ،لیکن اگرعمل کرنے والامومن نہیں ہے، جیسے کفاورمشرکین توان کے کسی بھی عمل کی اللہ تعالی کےنزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے۔واضح بات ہے جواللہ تعالی کو ماننا ہی نہیں،اللہ اس کےعمل کو کیوں قبول کرے۔عمل کرنے کےاعتبار سے کفار کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ جواپنے زعم اورعقیدہ کےموافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اورسمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔حالانکہ اگرکوئی کام بظاہر اچھا بھی ہوتوکفر کی شامت سے وہ عنداللہ مقبول ومعتبرنہیں۔ان فریب خوردہ کافروں کی مثال قرآن نے یوں بیان فرمائی ہے کہ ان کوایسے سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کودور سے پانی دکھائی دیا اوروہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہوکروہاں پہنچا ،دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا،ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنےتھی اوراللہ تعالی عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب وحسرت کے وقت اللہ نے اس کا سب حساب ایک دم میں چکادیا۔کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیرلگتی ہے۔ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اورغفلتوں کا بھگتان کردیا گیا۔

دوسرے وہ ہیں جوسر سے پاؤں تک دنیا کےمزوں میں غرق اورجہل وکفر،ظلم وعصیان کے اندھیروں میں پڑے غوطے کھارہے ہیں ان کی مثال یہ بیان فرمائی کہ ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پردھوکہ کھانے والے کونظرآتی تھی۔یہ لوگ خالص اندھیریوں اورتہ برتہ ظلمات میں بند ہیں،کسی طرف سے روشنی کی شعاع

اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری:

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـٴًـا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَ اللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَاؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ (النور: ۳۹۔۴۰)

(اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کا پیاسا (آدمی) اس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو (جو سمجھ رکھا تھا) کچھ بھی نہ پایا اور قضائے الٰہی کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس (کی عمر) کا حساب اس کو برابر سرابر چکا دیا (یعنی عمر کا خاتمہ کر دیا) اور اللہ دم بھر میں حساب کر دیتا ہے۔ یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو اس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل (ہے غرض اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں اگر (کوئی ایسی حالت میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں (میسر ہو سکتا)۔

یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک چڑھی آتی ہیں۔ پھر سب سے اوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیریوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ ایسی حالت میں اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے قریب کر کے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں پہچانتا۔ پس ایسی حالت میں جب کہ دریا کی تہ میں گر کر انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لئے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔

حالت کفر میں مرنے والے ملعون ہیں

جو شخص اپنے پیدا کرنے والے، زندگی صحت اور روزی دینے والے خدا کو نہ پہچانے، اسے اپنا رب نہ تسلیم کرے بلکہ اس کے بالمقابل اپنی جیسی لاچار خدا کی مخلوقات

میں سے کسی مخلوق کو خدا بنالے اور اس کی عبادت کرنے لگے، اس سے زیادہ بدبخت اور خدا کی رحمت سے دور کون ہوسکتا ہے؟۔ اور کسی انسان کے لئے اس سے بڑی اور کیا بدنصیبی ہوگی کہ اللہ تعالی، رسول اللہ، فرشتے اور نیک بندے اس پر لعنت بھیجیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ (البقرۃ:۱۶۱۔۱۶۲)

(البتہ جولوگ (ان میں سے) اسلام نہ لاویں اور اُسی حالت غیر اسلام پر مرجاویں ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر برسا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں رہیں گے۔ ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاوے گا اور نہ (داخل ہونے کے قبل) ان کو مہلت دی جاوے گی۔)

یعنی جس نے خود حق پوشی کی یا کسی دوسرے کی حق پوشی کے باعث گمراہ ہوا اور اخیر تک کافر ہی رہا اور توبہ نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ کو ملعون اور جہنمی ہوا، مرنے کے بعد توبہ مقبول نہیں۔

کافروں کے لئے دونوں جہاں میں تباہی ہے

جو شخص اللہ تعالی کی رحمت سے دور ہو، بھلا وہ دنیا وآخرت میں کیسے کامیابی پاسکتا ہے، بلاشبہ اس کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ واضح رہے کہ دنیا کی اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر اپنی آخرت کو سنوار لے، جہاں اسے ہمیشہ ہمیش رہنا ہے۔ دنیا آخرت کے لئے بمنزلہ کھیتی ہے، جیسا عمل یہاں کرے گا، اسی کے اعتبار سے وہاں بدلہ پائے گا۔

پس جس نے دنیا میں رہ کر، ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اپنی آخرت نہ سنوار لی، یہی نہیں کہ اس نے اپنی آخرت برباد کرلی، بلکہ اپنی دنیا بھی بایں طور برباد کرلی کہ جس مقصد کے لئے دنیا میں بھیجا گیا تھا، اس کو فراموش کردیا اور لایعنی وبے مقصد کاموں میں مشغول ہوکر جہنم کا ایندھن بن گیا۔ کفار کی دنیا وآخرت کی تباہی کو قرآن کریم ان الفاظ

میں بیان کرتا ہے:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ (آل عمران:۵۶)

(سو وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار)

کافروں کا انجام

کفار و مشرکین آخرت میں کس عذاب میں گرفتار ہوں گے، حق کی مخالفت کرنے اور کفر و شرک سے باز نہ آنے کی وجہ سے وہاں ان کو کیسی کیسی سزائیں ملیں گی۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں مختلف سزاؤں کا ذکر ہے، مجموعی طور پر جو ان کو دی جائیں گی۔ ان آیتوں میں سے ایک یہ آیت ملاحظہ ہو:

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ؕ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾ کُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۲۲﴾ (الحج:۱۹ تا ۲۲)

(یہ (جن کا اوپر آیت میں ذکر ہوا) وہ فریق ہیں جنہوں نے در بارے اپنے رب کے (دین کے باہم) اختلاف کیا، سو جو لوگ کافر تھے ان کے (پہننے کے) لیے (قیامت میں) آگ کے کپڑے قطع کیے جاوینگے (اور) ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جاوے گا۔ (اور) اس سے ان کے پیٹ کی چیزیں (یعنی انتڑیاں اور ان کی کھالیں) سب گل جاویں گی۔ اور ان کے (مارنے کے لیے) لوہے کے گرز ہوں گے۔ وہ لوگ جب (دوزخ میں) گھٹے گھٹے (گھبرا جائیں گے اور) اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو اس میں پھر دھکیل دیے جائیں گے اور (ان کو) کہا جاوے گا کہ جلنے کا عذاب (ہمیشہ کے لیے) چکھتے رہو۔)

یعنی صاحب ایمان اور غیر ایمان والا ہونے کے اعتبار سے انسانوں کی دو قسمیں

ہیں۔ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے خدا کو پہچانا، اس کی ربوبیت کا اقرار کیا اور اس کے احکامات پر عمل کیا، یہ گروہ جنت میں جائے گا، جہاں اسے طرح طرح کی نعمتیں ملیں گی۔

اس کے برخلاف کفار ومشرکین کا گروہ ہے، جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکاتے، اس آیت میں ان کی سزا یہ بیان کی جارہی ہے کہ جب یہ جہنم میں داخل کردئے جائیں گے، تو جہنم کی آگ اس طرح ان کو ڈھانپ لے گی، جس طرح لباس آدمی کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے۔ یا کسی ایسی چیز کے کپڑے پہنائے جائیں گے جو آگ کی گرمی سے بہت سخت اور بہت جلد تپنے والے ہوں ۔دوزخیوں کے سر ہتھوڑے سے کچل کر کھولتا ہوا پانی اوپر سے ڈالا جائے گا، جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے گا، جس سے سب انتڑی اوجھڑی کٹ کٹ کر نکل پڑے گی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی مس کرے گا تو بدن کا چمڑا اگل کر گر پڑے گا۔ پھر اصلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بار بار یہی عمل ہوتا رہے گا۔ دوزخ میں گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ کہیں کو نکل بھاگیں، آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے پھر فرشتے آہنی گرز مار کر نیچے دھکیل دیں گے اور کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ اللّٰھم اعذنا من غضبک وعذابک.

❖ ❖ ❖

چند کلمات کفریہ

اس موقعہ پر چند ایسے کلمات وافعال ذکر کئے جارہے ہیں جن سے ایمان جاتا رہتا ہے، اس لیے ہر مسلمان کو ایسے کلمات وافعال سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ اور اگر کبھی ایسی غلطی ہوجائے تو توبہ واستغفار اور تجدید نکاح کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے جسم یا اعضاء مثلاً ہاتھ، پیر وغیرہ کا ثابت کرنا کفر ہے۔ اگر کسی نے بت کو سجدہ کیا، اس کی تعظیم کی، یا کسی بااقتدار وطاقتور کو سجدۂ معبودی کیا تو کافر ہوجائے گا۔ اگر کوئی بتوں کے نام پر جانور ذبح کرے تو بھی کافر ہوجائے گا۔

جو ملعون سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے، گالی دے یا توہین کرے، یا آپ کے دینی امور میں سے کسی امر میں یا آپ کی صورت مبارکہ میں یا آپ کی صفات شریفہ میں سے کسی وصف میں عیب لگائے، یا آپ کو آخری نبی نہ مانے، کافر ہوجائے گا۔

اس بات پر بھی اجماع ہے کہ کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی، بے ادبی، اور تحقیر کفر ہے خواہ یہ گستاخی حلال سمجھ کر کرے یا حرام سمجھتے ہوئے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کے خوف سے بعض احکام الٰہی کی تبلیغ نہیں فرمائی، کافر ہوجائے گا۔ حضرات شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کو گالیاں دینے سے کافر ہوجائے گا۔

جو آدمی عالم کے حادث (پہلے نہیں تھا بعد میں ہوا) ہونے، یا قیامت کے بعد مردوں کے اپنے جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہوکر میدان حشر میں جمع ہونے یا حق تعالیٰ

شانہٗ کے تمام جزئیات کا علم رکھنے، یا اس جیسی وہ تمام باتیں جو ضروریات دین میں سے ہیں، ایسی کسی بات کا انکار کرے، بالاتفاق کافر ہوجائے گا۔

اللہ پاک کے کسی حکم صریح کا انکار کفر ہے، کیوں کہ یہ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں ڈھٹائی ہے جو حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات با کمال کے یقین سے عاری ہونے کی علامت ہے۔شریعت اسلام اللہ کا فرمان ہے اور جو کچھ اللہ پاک کی جانب سے آئے اس کو تسلیم کرنا ایمان میں داخل ہے۔لہٰذا پوری شریعت، یا اس کے کسی حکم صریح یا ایسی چیز جس کا دین ہونا واضح ہے جیسے کعبہ شریف، قرآن پاک، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، حلال، حرام وغیرہ ان کا انکار کرنا، ان کو کمتر سمجھنا، ان کی توہین کرنا، کفر ہوگا۔ایسے ہی سود، شراب، جھوٹ وغیرہ کو حلال سمجھنا بھی کفر ہے۔علمائے دین نے کسی بھی شعائر اسلام اور لوازم دین کے انکار، استہزاء وتحقیر پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

اگر حرام قطعی کو حلال سمجھے یا حلال قطعی کو حرام کہے یا فرض کو فرض نہ سمجھے، کافر ہوجائے گا۔اگر قرآن پاک کو ٹھوکر مارے، اس کی توہین کرے، اس کو گندی جگہ میں ڈال دے، اس کی کسی آیت کا منکر ہوجائے، یا اس کے کسی حکم کو نہ مانے کافر ہوجائے گا۔

❖ ❖ ❖

فصل دوم

شرک واقسام شرک

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے دامن پر سب سے بدنما داغ ہے، لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کی عبادات اور اس کی حدود عظمت میں کسی کو شریک بنا، لینا نہ صرف اعتقادی حیثیت سے ایمان واسلام سے صریح بیزاری کا اظہار ہے، بلکہ فطرت پر ایک بہت بڑا ظلم اور عقل ودانش سے سب سے بڑی بغاوت بھی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کر کے اس کی فطرت کو کفر وشرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور صاف رکھا ہے، اب اگر انسان اپنی فطرت کو شرک کی نجاست سے ملوث کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی فطرت اور اپنے ضمیر کی صداقت آمیز آواز کا گلا گھونٹ کر مذہب وانسانیت دونوں حیثیت سے تباہی اور بربادی کے غار میں گرتا ہے۔

اس لئے پروردگار عالم کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی ولغزش قابل معافی ہوسکتی ہے۔ مگر شرک کا جرم ہرگز معاف نہیں ہوگا جس کی سخت سزا مشرک کو بھگتنی ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی پاک جنت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ (النساء:۱۱۶)

(بے شک اللہ تعالیٰ (اس بات کو) نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دینگے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دُور کی گمراہی میں جا پڑا۔)

واضح رہے کہ عدم مغفرت کا تعلق اس شخص سے ہے، جو بغیر توبہ کئے شرک وکفر کی حالت ہی میں مرجائے۔ ہاں اگر کسی مشرک وکافر نے زندگی میں کفر وشرک سے توبہ کر کے توحید اختیار کرلیا اور اپنے ایمان کو درست کرلیا تو وہ مومن اور مسلمان ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا مغفرت کا وعدہ ہے۔

شرک کی تعریف

شرک کے لغوی معنی ہیں شریک ٹہرانا اور اصطلاح شریعت میں شرک کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک وساجھے دار سمجھنا۔ شرح عقائد میں ہے کہ اصطلاح شریعت میں شرک، اسے کہتے ہیں کہ خدائی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک ٹھرائے، جیسا کہ مجوسی اہرمن ویزداں کو مانتے ہیں یا اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی پرستش وعبادت کے لائق جانے، جیسا کہ بت پرست عقیدہ رکھتے ہیں۔ نیز چوں کہ شرک کفر کی ایک قسم ہے، اس لئے شریعت میں شرک کفر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ: ۱/ ۱۱۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کے شریعت کی اصطلاح میں ''شرک'' اسے کہتے ہیں کہ جو صفات خاص باری تعالیٰ عز اسمہ کے ساتھ مختص ہیں، ان کو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے میں بھی ثابت کرے۔ جیسے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی عالم الغیب جانے، یا جس طرح دنیا کی ہر چیز پر اللہ کو قادر مانتا ہے کسی دوسرے کو بھی قادر جانے، یا جیسے اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادہ کے ساتھ دنیا کی تمام چیزوں پر متصرف جانتا ہے، ایسے ہی کسی دوسرے کو بھی متصرف جانے۔ مثلاً کسی کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھے کہ فلاں نے نظر کرم کے ساتھ مجھ سے برتاؤ کیا اس لئے مجھ کو مال وزر کی وسعت اور خوشی حاصل ہوگئی یا فلاں نے مجھ کو پھٹکار دیا تھا تو اس کے سبب میں بیمار ہوگیا یا میرا مقدر پھوٹ گیا، وغیرہ وغیرہ۔ (ایضاً)

بعض کبیرہ گناہوں کو بھی شرک کہا گیا ہے، جیسے حدیث میں وارد ہے کہ جس آدمی نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھائی، اس نے یقیناً شرک کیا، یا کہا جاتا ہے کہ بدشگونی لینا شرک ہے یا منقول ہے کہ ریا کاری شرک ہے، یا اسی طرح منقول ہے کہ جو عورت اپنے خاوند کی محبت کے لئے ٹوٹکہ کرے شرک ہے۔ گویا یہ گناہ اپنے مہلک

اثرات کی بنا پر شرک کی طرح ہیں، اس لئے ان سے اجتناب بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا شرک سے۔ اسی طرح وہ افعال جو اگر چہ شرک حقیقی یعنی کفر کے دائرے میں تو نہ آتے ہوں، لیکن مشرکین اور بت پرستوں کے افعال واعمال کے مشابہ اوران کے ہم مثل سمجھے جاتے ہیں، تو ان سے بھی شرک ہی کی طرح پرہیز ضروری ہے، جیسے علماء اور بادشاہ کے آگے جبین سائی کرنا یا ان کے سامنے آکر زمین کو چومنا یا ان کو سجدہ تعظیم کرنا۔ چونکہ یہ افعال حرام اور گناہ کبیرہ ہیں اس لئے ان کا ارتکاب کرنے والا بھی گناہ گار اور مستوجب عذاب ہوگا اور جو لوگ اس طرح کے افعال سے خوش ہوں گے اور قدرت کے باوجود ان افعال کے ارتکاب کو روکنے کی کوشش نہیں کریں گے وہ بھی گناہ گار ہوں گے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر علماء یا بادشاہ یا پیروں کے آگے جبین سائی کرنا اور زمین کو بوسہ دینا عبادت وتعظیم کی نیت سے ہوگا تو اس کو صریحاً کفر کہا جائے گا، اگر عبادت وتعظیم کی نیت سے نہیں بلکہ محض اظہار ادب کے لئے ہوگا تو اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا لیکن گناہ کبیرہ ضرور کہلائے گا۔ (ایضاً)

مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر شرک کی دو صورتیں بنتی ہیں:

شرکِ جلی یا شرک اکبر

وہ امور جن کا شرک ہونا واضح ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک سمجھنا۔ یہ بدترین شرک اور کفر کی ایک صورت ہے۔ اس کا مرتکب اگر اسی حال میں بغیر توبہ یا تجدید ایمان مر گیا تو اس کی مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہے، جیسا کہ ماقبل میں بیان ہو چکا ہے۔ واضح رہے کہ جب مطلق شرک بولا جاتا ہے تو عموماً شرک کی یہی صورت مراد ہوتی ہے۔ میری گفتگو بھی اصلاً اسی سے متعلق ہے۔

شرکِ خفی یا شرک اصغر

وہ امور جن کا شرک ہونا واضح نہ ہو، یا شناعت وقباحت کے اعتبار سے انہیں شرک کہا گیا ہو، فی نفسہ وہ شرک بمعنی کفر نہ ہو، بلکہ بمعنی گناہ کبیرہ ہو۔ جیسے ریا اسے حدیث شریف میں شرک خفی کہا گیا ہے۔ یا جیسے حدیث میں وارد ہے کہ جس آدمی نے اللہ کے

علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا، یا کہا جاتا ہے کہ بدشگونی لینا شرک ہے۔ گویا یہ گناہ اپنے مہلک اثرات کی بنا پر شرک کی طرح ہیں یا موہم شرک ہیں، اس لئے ان سے اجتناب بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا شرک سے۔

شرک کی یہ قسم صورتاً شرک کہلاتی ہے۔ حقیقی شرک نہیں ہے، گناہ کبیرہ ہے۔ توبہ لازم ہے۔ اگر بغیر توبہ مر گیا تو بھی اللہ کی ذات سے معافی کی امید ہے۔ (ملاحظہ ہو: درسِ مشکوۃ: ۸۰)

حقیقت شرک

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان: ۱۳)

(بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانا بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔)

اس آیت کریمہ میں شرک کو ''ظلم'' کہا گیا ہے۔ ''ظلم'' کہتے ہیں ''**وضع الشئ فی غیر محله**'' کو (شئ کو اس کے غیر محل میں رکھنا)۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں: شئ کو اس کے مرتبہ سے گھٹا دینا بھی ''**وضع الشئ فی غیر محلہ**'' ہے، اور بڑھا دینا بھی ''**وضع الشئ فی غیر محله**'' ہے۔

اللہ رب العزت کے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے اس ظلم یعنی شرک کی دو صورتیں ہیں: اللہ رب العزت جل جلالہ کو اس کے مقام رفعت سے گرا کر مخلوقات میں سے کسی کے مشابہ قرار دینا، یہ بھی ظلم اور شرک ہے۔ دوسری صورت مخلوقات میں سے کسی کا درجہ بڑھا کر اسے اللہ رب العزت کے مشابہ قرار دینا، بھی ظلم اور شرک ہے۔

یعنی اللہ تعالی کی خاص صفات کو مخلوقات میں سے کسی کے لئے ثابت کرنا یا مخلوقات میں سے کسی مخلوق کو اللہ تعالی کی ذات یا صفات میں برابر سمجھنا۔ مثلاً اللہ تعالی کی خاص صفات میں سے نفع، نقصان، عطا اور منع کا مالک ہونا ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ دعا، خوف، رجاء اور توکل اللہ تعالی ہی پر کرنا چاہئے۔ چنانچہ ان میں سے کسی ایک صفت کو بھی اگر کسی مخلوق سے متعلق سمجھا یا یہ سمجھا کہ ان صفات میں سے کسی صفت میں کوئی مخلوق بھی اللہ تعالی کے برابر اختیار رکھتی ہے تو اس نے شرک کیا۔

اقسام شرک

شرک فی الربوبیت

اللہ تعالی کے رب، خالق و مالک، مدبر و منتظم ہونے پر؛ یقین کے ساتھ کوئی شخص کسی شخص کو یا کسی بھی چیز کو؛ اللہ تعالی کے ساتھ شریک مانتا ہے اور اس کو اللہ تعالی کی طرح خالق، مالک، رازق، موت وحیات کا مالک، کائنات کا رب، مدبر و منتظم مانتا ہے، تو یہ اللہ تعالی کی ربوبیت میں شرک اور کفر کی ایک صورت ہے، اور یہ شرک کی وہی قسم ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے توبہ کئے بغیر مر گیا تو وہ مغفرت نہیں کرے گا، بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ایسے شخص کو جہنم کی آگ میں جھونک دے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالی زمین وآسمان، انسان وجنات، چرند و پرند، شجر وحجر غرضے کہ پوری کائنات اور کائنات کے ذرے ذرے کا بلاشرکت غیرے خالق، روزی رساں، زندگی عطا کرنے والا اور موت دینے والا ہے۔ اور ان کو باقی رکھنے والا، حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے۔ نیز وہی تمام انسانوں اور حیوانوں کو روزی بھی دینے والا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ اس کی خدائی یا اس کے کاموں میں کوئی اس کا شریک و مددگار رہے۔ اس کا ارشاد ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهٖ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ (الاعراف: ۵۴)

(بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمان اور زمین کو چھ روز میں پیدا

کیا پھر عرش پر قائم ہو، اچھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ (شب) اس (دن) کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہی خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کے بھرے ہوئے ہیں۔)

الحاصل کسی دیوی دیوتا کو، کسی نبی ورسول کو، حضرت عیسی وحضرت مریم علیہما السلام کو، کسی بزرگ وولی کو، جناتوں کو، ستاروں کو، سورج چاند کو، کسی مادے کو، یا کسی موسم کو یا اللہ تعالی کے علاوہ کسی بھی چیز کو؛ اللہ تعالی کی طرح کسی چیز کا خالق سمجھنا، روزی رساں سمجھنا، موت وحیات کا مالک جاننا، نفع ونقصان کا مالک سمجھنا، کائنات کا رب، مدبر ومنتظم ماننا، یا ان امور میں کسی مخلوق کو اللہ تعالی کا شریک سمجھنا، سب شرک فی الربوبیت ہے۔

شرک فی الالوہیت یا شرک فی العبادت

الوہیت کے معنی عبادت کے ہیں اور عبادت کہتے ہیں انتہائی درجہ کے خضوع اور تذلل کو، جیسا کہ صاحب تفسیر بیضاوی لکھتے ہیں:

''العبادة اقصى غاية الخضوع والتذلل''. (تفسیر البیضاوی تحت قولہ تعالی: ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'')

یعنی لغت میں عبادت کے معنی ہیں: انتہائی درجہ کا خشوع، خضوع اور انتہائی ذلت کو ظاہر کرنا۔ چونکہ اس کے معنی غایت درجہ کے تواضع وتذلل کے ہیں، اس لئے اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا جاسکتا، اس کا مستحق صرف اور صرف اللہ تعالی ہے۔ اس کے سوا کسی کے لئے کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

عبادت خواہ قولی ہو، یا بدنی اور مالی ہو، صرف اور صرف اس ذات باری جل جلالہ کا حق ہے جس نے کائنات بنائی، ہمیں وجود بخشا اور ہماری روزی کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا، کسی کو عبادت کا حق دار سمجھنا، اللہ تعالی کی عبادت میں کسی اور کو شریک کرنا یا شریک سمجھنا سب شرک اور ظلم عظیم ہے۔

پس شرک فی الالوہیت یا شرک فی العبادت کا مطلب ہوا: اللہ سبحانہ وتعالی کے

علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا، اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کو عبادت کا حق دار سمجھنا، اس کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کرنا یا شریک سمجھنا۔

معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالی کے قرب کے حصول کے لئے بطور عبادت کیا جاتا ہے، جیسے نماز، بیت اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کا طواف، دعا، نذر، ذبح وغیرہ، اگر ان کاموں میں سے کوئی کام کسی اور کے قرب کے حصول کے لئے کیا جائے، یا کسی اور کو ان کا حق دار عقیدے کے طور پر سمجھا جائے، تو یہ شرک فی الالوہیت ہے اور سراسر گمراہی وضلالت ہے۔

عبادت صرف اللہ تعالی ہی کا حق ہے، یہ ایک بدیہی امر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی ہی کی وہ ذات واحد ہے، جس نے انسان کو وجود بخشا، کائنات کو اور کائنات کی چیزوں کو انسان کے لئے پیدا کر کے اسے ان پر فوقیت دی، اس کی روزی کا سامان مہیا کیا اور بے شمار نعمتیں دیں، اور یہ بات بھی مسلمہ اصول میں سے ہے کہ جو ذات خالق ہوتی ہے، مستحق عبادت بھی وہی ہوتی ہے۔ پس جب انسان کا اور پوری کائنات کا خالق اللہ تعالی ہی ہے، تو پھر کسی اور کی عبادت کیوں کر جائز ہو سکتی ہے۔

عبادت خالق کا حق ہے، اور عبدیت بندے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خالق اور رب کے سامنے جبین ناز کو رکھ دے، اور اپنی ہر ضرورت کو اسی سے مانگے، اس کے لئے قطعاً یہ جائز نہیں ہے کہ پیدا تو اسے اللہ تعالی نے کیا، روزی کا سامان اس نے فراہم کیا، لیکن عبادت وہ کسی اور کی کرے یا کسی اور کو اللہ تعالی کے ساتھ خالقیت و ربوبیت میں یا عبادت میں شریک کرے۔

اکثر امتیں اور جماعتیں توحید ربوبیت کی قائل رہی ہیں، عمومی گمراہی توحید الوہیت ہی کے تعلق سے پیدا ہوئی کہ عبادتوں میں غیروں کو شریک کیا جانے لگا، کسی نے بتوں اور پتھروں کو معبود بنالیا، کسی نے حضرت عیسی اور ان کی والدہ کی عبادت شروع کر دی، کسی نے اولیاء اللہ یا ان کی قبروں کو معبود سمجھ لیا، بعض بے جان پتھروں اور بے حس وحرکت کھڑے درختوں کی پوجا کرنے لگے تو کچھ نے چاند سورج اور ستاروں کو معبود کا

درجہ دیدیا، اور ہلاکت کے راستے پر چل پڑے۔اس لئے انبیاءعلیہم السلام کی دعوت کا مرکز یہی توحید رہی ہے، اور زیادہ زوراسی بدعقیدگی اور گمراہی کوختم کرنے پر رہا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:۳۶)

اورہم ہرامت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں کہ تم (خاص) اللہ کی عبادت کرواورشیطان کے رستے سے بچتے رہو)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ (الانبیاء:۲۵)

(اورہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں پس میری (ہی) عبادت کیا کرو۔)

یعنی تمام انبیاء ومرسلین کا اجماع، عقیدۂ توحید پر رہا ہے، کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ ہمیشہ یہ ہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا:

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ (الزمر:۱۱)

(آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو (منجانب اللہ) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کے لیے خاص رکھوں۔)

اوراللہ عزوجل نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا (النساء:۳۶)

(اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو)

الحاصل انسان کی نجات، اور دنیوی واخروی سعادت کا سارا دارومدار اس پر ہے

کہ وہ شرک فی الربوبیت کے ساتھ شرک فی الالوہیت سے بھی بچے۔اس کے بغیر ایک انسان نہ تو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ مذہب اسلام میں داخل ہوسکتا ہے اور نہ اس کا کوئی عمل اللہ رب العزت کے نزدیک مقبول ہوگا، بلکہ اگر پہلے سے اسلام میں داخل تھا اور اب شرک میں مبتلا ہوگیا، یا کوئی ایسا عمل کیا جو شرک فی الربوبیت یا شرک فی الالوہیت کے دائرے میں آتا ہے مثلاً بتوں کو سجدہ کیا وغیرہ،تو وہ شخص مذہب اسلام سے نکل کر کافر ومشرک ہوجائے گا۔

رہی یہ بات کہ بہت سے مسلمان جو سجدۂ تعظیمی وغیرہ کا ارتکاب کر لیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے۔تو واضح رہے کہ ایک ہے سجدۂ عبادت، اور ایک ہے سجدۂ تعظیمی۔ دونوں کی حقیقت میں فرق ہے، غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کرنا شرک جلی اور کفر ہے۔جب کہ سجدۂ تعظیمی کرنا شرک خفی اور حرام ہے، لیکن کفر نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کرنا پہلے کی بھی کسی شریعت میں جائز نہیں تھا، جب کہ بعض شرائع میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا، اور یہ بات مسلم ہے کہ اصول میں تمام شریعتیں متفق رہی ہیں، اختلاف فروعات میں رہا ہے۔

سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی کے درمیان فرق کو بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

عبادت کے معنی اقصیٰ تذلل یعنی انتہائی عاجزی کے ہیں اور اقصیٰ تذلل دوطرح سے ہوتا ہے، ایک تو صورۃً، مثلاً پیشانی اس کے سامنے زمین پر رکھ دے، جس کو سجدہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ جوارح سے صورۃً اس سے بڑھ کر اظہار تذلل کی کوئی صورت نہیں ہے۔دوسرا نیۃً، اعتقاداً اور قلباً۔یعنی دل میں بھی مسجود کے لئے انتہائی تعظیم کی نیت وارادہ ہو۔جب دونوں حیثیت سے اقصیٰ تذلل جمع ہو، یعنی صورتاً بھی اقصیٰ تذلل ظاہر کرے اور نیت ودلی اعتقاد بھی اقصیٰ تذلل ہی کا ہو، تب انتہائی تذلل متحقق ہوسکتا ہے، اس کا نام ہے عبادت۔اور اگر دونوں چیزیں نہ ہوں تو عبادت متحقق نہ ہوگی، کیوں کہ پورے طور پر اقصیٰ تذلل نہ ہوا۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ اگر غیر اللہ کی حقیقی عبادت کی جائے کہ صورتاً بھی اقصیٰ تذلل ظاہر کرے، مثلاً سجدہ کرے اور نیت و دلی اعتقاد بھی اقصیٰ تذلل ہی کا ہو، تو یہ شرک جلی ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں ساجد، مسجود کو، اللہ تعالی اور اس کے صفات مختصہ کے اعتبار سے بالکلیہ اس کے برابر اور مشابہ سمجھتا ہے۔ لہذا اس کے سامنے اسی کے مناسب تذلل کا ارادہ و نیت کرے گا۔ اس لئے عبادت جو انتہائی تذلل کا نام ہے وہ اس وقت پورے طور پر متحقق ہوگی۔ اور شریعت میں غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے۔

اور اگر غیر اللہ کو سجدہ اس اعتقاد سے نہ ہو، یعنی دل میں مسجود کے لئے انتہائی تعظیم کی نیت وارادہ نہ ہو، صرف ظاہراً سجدہ کی شکل وصورت بنائی ہو، تو وہ سجدہ عبادت نہیں ہوگا، جس کی وجہ سے اس کو شرک جلی اور بت پرستی شمار کیا جائے، بلکہ شرک خفی کہلائے گا اور شریعت میں یہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ بہیئۃ وبصورتہ عبادت غیر اللہ وشرک جلی کے مشابہ ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ سجدہ تعظیمی وتعبدی کے فرق کا مدار جو نیت پر رکھا گیا ہے، وہ اس وقت معتبر ہے جب کسی ایسی چیز کو سجدہ کرے جس کو سجدہ کرنا شعارِ کفر وشرک نہیں ہے، اور وہ چیز مشرکین کا معبود شمار نہ ہوتی ہو، اور اگر ایسی چیز کے سامنے سجدہ کرے جو مشرکین کا معبود شمار ہوتی ہے اور اس کو سجدہ کرنا شعار کفر وشرک ہے، جیسا کہ سجودِ صنم ونحوہ تو ایسے سجدہ کو مطلقاً شرک جلی وکفر صریح کہا جائے گا، گو وہ زبان سے کہے کہ میں نے بہ نیت تعبد سجدہ نہیں کیا، بہ نیت تعظیم کیا۔ (فضل الباری شرح بخاری: ۱/ ۱۷-۲۱۸)

شرک فی الاسماء

اللہ تعالی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے لئے اسمائے حسنیٰ اور صفات کمالیہ بیان فرمائے ہیں، ان اسماء اور صفات میں بھی اللہ تعالی کو تنہا اور یکتا ماننا ضروری اور توحید کا جز ہے، اور اس کے برعکس کسی مخلوق کو ان اسماء وصفات میں اللہ تعالی کے ساتھ شریک ماننا، یا اللہ تعالی کی صفات کو بندوں کی کسی صفت سے تشبیہ دینا، صریح قسم کا شرک ہے۔

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۸۰)

(اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں، سوان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کیے کی ضرور سزا ملے گی۔)

آیت کریمہ کی تشریح وتفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اچھے نام سے مراد وہ نام ہیں جو صفات کمال کے اعلیٰ درجہ پر دلالت کرنے والے ہیں، اور ظاہر ہے کہ کسی کمال کا اعلیٰ درجہ جس سے اوپر کوئی درجہ نہ ہو سکے وہ صرف خالق کائنات جل وعلیٰ شانہ ہی کو حاصل ہے، اس کے سوا کسی مخلوق کو یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہر کامل سے دوسرا شخص اکمل اور فاضل سے افضل ہوسکتا ہے (آیت) فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ، کا یہی مطلب ہے کہ ہر ذی علم سے بڑھ کر کوئی دوسرا علیم ہوسکتا ہے۔

اسی لئے اس آیت میں ایسی عبارت اختیار کی گئی جس سے معلوم ہو کہ یہ اسماءِ حسنیٰ صرف اللہ ہی کی خصوصیت ہے دوسروں کو حاصل نہیں۔

''فَادْعُوْهُ بِهَا'' یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اسماءِ حسنیٰ ہیں اور وہ اسماء اسی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو اور انہی اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ پکارو۔

پکارنا یا بلانا دعا کا ترجمہ ہے، اور دعا کا لفظ قرآن میں دو معنیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی حمد وثنا، تسبیح وتمجید کے ساتھ، دوسرے حاجات ومشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب وآفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کی درخواست کرنا۔ اس آیت میں ''فَادْعُوْهُ بِهَا'' کا لفظ دونوں معنیٰ کو شامل ہے، تو معنیٰ آیت کے یہ ہوئے کہ حمد وثنا اور تسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات پاک ہے اور مشکلات ومصائب سے نجات اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے قبضہ میں ہے، اس لئے حمد وثنا کرو تو اسی کی کرو اور حاجت روائی، مشکل کشائی کے لئے پکارو تو اسی کو پکارو۔

اور پکارنے کا طریقہ بھی یہ بتلا دیا کہ انہی اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ پکارو جو اللہ تعالیٰ کے

لئے ثابت ہیں۔

اس لئے اس آیت سے دو ہدایتیں امت کو ملیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات حقیقی حمد و ثنا یا مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے پکارنے کے لائق نہیں، دوسرے یہ کہ اس کے پکارنے کے لئے بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو الفاظ چاہے اختیار کرلے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں وہ الفاظ بھی بتلا دیئے جو اس کے شایاں ہیں اور ہمیں پابند کر دیا کہ انہی الفاظ کے ساتھ اس کو پکاریں، اپنی تجویز سے دوسرے الفاظ نہ بدلیں کیونکہ انسان کی قدرت نہیں کہ تمام پہلوؤں کی رعایت کرکے شایانِ شان الفاظ بنا سکے۔ (معارف القرآن)

آگے مزید لکھتے ہیں: وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ یعنی چھوڑ دیے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں الحاد یعنی کجروی کرتے ہیں، ان کو ان کی کجروی کا بدلہ مل جائے گا، الحاد کے معنی لغت میں میلان اور درمیانی راہ سے ہٹ جانے کے آتے ہیں۔ اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ آپ ایسے لوگوں سے تعلق بھی چھوڑ دیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں الحاد یعنی تحریف اور کجروی سے کام لیتے ہیں۔

اسماء الٰہیہ میں کجروی کی ممانعت اور اس کی مختلف صورتیں:

اسماء الٰہیہ میں تحریف یا کجروی کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں وہ سب اس آیت کے مضمون میں داخل ہیں:

اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہ نام استعمال کیا جائے جو قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں، علماء حق کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہے نام رکھ دے یا جس صفت کے ساتھ چاہے اس کی حمد و ثنا کرے، بلکہ صرف وہی الفاظ ہونا ضروری ہیں جو قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لئے بطور نام یا صفت کے ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کو کریم کہہ سکتے ہیں، سخی نہیں کہہ سکتے، نور کہہ سکتے ہیں ابیض نہیں کہہ سکتے، شافی کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ دوسرے الفاظ منقول نہیں، اگرچہ انہی الفاظ کے ہم معنی ہیں۔

دوسری صورت الحاد فی الاسماء کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو نام قرآن وسنت سے ثابت ہیں ان میں سے کسی نام کو نامناسب سمجھ کر چھوڑ دے، اس کا بے ادبی ہونا ظاہر ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں کو کسی دوسرے شخص کے لئے استعمال کرے، مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اسماءِ حسنیٰ میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو خود قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے، اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لئے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لئے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لئے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ، اور اسماء حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، ان کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا الحاد مذکور میں داخل اور ناجائز وحرام ہے۔ مثلاً رحمٰن، سبحان، رزاق، خالق، غفار، قدوس وغیرہ۔

پھر ان مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا اگر کسی غلط عقیدہ کی بناء پر ہے کہ اس کو ہی خالق یا رازق سمجھ کر ان الفاظ سے خطاب کر رہا ہے تب تو ایسا کہنا کفر ہے اور اگر عقیدہ غلط نہیں محض بے فکری یا بے سمجھی سے کسی شخص کو خالق، رازق یا رحمن، سبحان کہہ دیا تو یہ اگرچہ کفر نہیں مگر مشرکانہ الفاظ ہونے کی وجہ سے گناہ شدید ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عام مسلمان اس غلطی میں مبتلا ہیں، کچھ لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اسلامی نام ہی رکھنا چھوڑ دیئے۔ اس سے زیادہ افسوس ناک یہ ہے کہ جن لوگوں کے اسلامی نام ہیں، عبدالرحمن، عبدالخالق، عبدالرزاق، عبدالغفار، عبدالقدوس وغیرہ، ان میں تخفیف کا یہ غلط طریقہ اختیار کر لیا گیا کہ صرف آخری لفظ ان کے نام کی جگہ پکارا جاتا ہے، رحمن، خالق، رزاق، غفار کا خطاب انسانوں کو دیا جا رہا ہے اور اس سے زیادہ غضب کی بات یہ ہے کہ قدرت اللہ کو اللہ صاحب اور قدرت خدا کو خدا صاحب کے نام سے پکارا جاتا ہے یہ سب ناجائز وحرام اور گناہ کبیرہ ہے، جتنی مرتبہ یہ لفظ پکارا جاتا ہے اتنی ہی مرتبہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے اور سننے والا بھی گناہ سے خالی نہیں رہتا۔ (ایضاً)

شرک فی الصفات

شرک فی الصفات کی دوصورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی کواس کی صفات سے معطل اور بیکار سمجھا جائے۔

اس کی تین قسمیں ہیں:

مصنوعات اور کائنات کو اس کے صانع اور خالق سے خالی سمجھا جائے۔

اللہ تعالی کے اسماء وصفات کا انکار کر کے کمال قدرت کا انکار کیا جائے۔

تمام معاملات کی تدبیر میں اللہ تعالی کو یکتا نہ سمجھنا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی کی صفات کا اقرار تو کیا جائے مگر ان صفات میں دوسروں کو بھی شریک سمجھا جائے۔

یہ سب بدترین شرک اور موجب ہلاکت ہے۔ ملا علی قاریؒ نے امام اسحق بن راہویہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: جس نے اللہ کا وصف بیان کیا اور اللہ کی مخلوقات میں سے کسی کی صفات کے اس کو مشابہ قرار دیا تو وہ اللہ تعالی کا انکار کرنے والا ہے۔ (شرح فقہ اکبر:۱۷)

اس لئے کہ اللہ کے مماثل کوئی ہے ہی نہیں کہ کسی کے لئے اس کی صفات کو ثابت کیا جائے، یا مشابہ قرار دیا جائے۔ اس کا صاف اعلان ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾ (الشوریٰ:۱۱)

(کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔)

یعنی نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں، نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے، نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے، نہ اس کا کوئی جوڑا ہے نہ ہمسر نہ ہم جنس۔ بیشک وہ ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے، مگر اس کا دیکھنا بھی مخلوق کی طرح نہیں۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں، پر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے۔ کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس و منزہ ہے۔ پھر اس کی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ میں آئے۔ (فوائد عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی بے حد و بے شمار صفات میں سے چند ایک یہ ہیں:

حیات: اللہ تعالیٰ میں صفت حیات اس درجہ کامل اور اکمل ہے کہ واہمۂ موت اور نیند واونگھ سے بھی پاک ہے۔ تمام عالم کی حیات اسی کا پرتو اور فیض ہے، حیات اس کے لئے ذاتی اور اصلی ہے۔

علم: ذات باری علیم بھی ہے، یعنی اس کو ہر ہر ذرہ کی خبر ہے، عالم میں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یا ہوگا، ازل ہی میں ان سب باتوں کا اس کو بالتفصیل علم تھا۔ کوئی شئ ایسی نہیں کہ جو اس کو معلوم نہ ہو۔

قدرت: ذات باری قدرت بھی رکھتی ہے، اس قدرت کی وجہ سے جس شئ کو چاہے موجود یا معدوم کرسکتی ہے، کسی چیز سے وہ عاجز نہیں۔

سمع وبصر: وہ ذات پاک ہر چیز کو دیکھتی ہے اور ہر آواز کو سنتی ہے، حتی کہ دل میں ہونے والے وسوسے بھی اس سے مخفی نہیں۔

ازلیت وابدیت: ذات باری عزاسمہ قدیم ہے، حادث نہیں ہے، یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کی ذات کو زوال اور فنا نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ابتدا اور انتہا ہے، وہی سب سے اول اور سب سے آخر ہے، نہ کوئی اس سے پہلے ہے اور نہ کوئی اس کے بعد۔

احاطہ: ذات باری سب کو محیط ہے، کوئی شئ اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔

صمدیت: وہ ہر شی سے مستغنی اور بے نیاز ہے، کسی شئ کی اس کو حاجت نہیں۔ ہر شئ اپنے وجود اور بقا میں اس کی محتاج ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفات وافعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ نصوص قرآن وحدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں، ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے، مثلاً خدا کو حی، سمیع، بصیر، متکلم کہا گیا اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کئے گئے، تو ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع وبصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اس میں دو چیزیں ہوئیں: ایک وہ آلہ جسے آنکھ کہتے ہیں اور جو دیکھنے کا مبدا اور ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت

(دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رویت بصری سے حاصل ہوا۔مخلوق کو جب بصیر کہا تو یہ مبدا اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں۔اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کرلیں۔لیکن یہ ہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال کیا گیا تو یقیناوہ مبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں ہوسکتیں جومخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جس سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے۔البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار(دیکھنے) کا مبدا اسکی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہوسکتا ہے، اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔آگے یہ کہ وہ مبدا کیسا ہے اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں، ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿١١﴾ (الشوریٰ:۱۱)

(کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔)

نہ صرف سمع وبصر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبدأ وغایت کے ثابت ہے، مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کی ماوراء عقل حقائق میں خوض کر کے پریشان ہو۔(فوائد عثمانی، سورۂ اعراف:۵۴)

اسماء حسنیٰ اور صفات باری سے متعلق مدلل تفصیلی گفتگو عنوان ''توحید فی الاسماء والصفات'' کے تحت گذر چکی، مزید تفصیل کے لئے اسی عنوان کی طرف مراجعت کی جائے۔

شرک فی العلم

ذات باری علیم ہے، اس کو ہر ہر ذرہ کی خبر ہے، عالم میں جو کچھ ہوا یا ہورہا ہے یا ہوگا خواہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہو یا عالم شہادت سے، خشکی کی چیز ہو یا تری کی، چھوٹی ہو یا بڑی ہو، اللہ تعالی کو ازل ہی میں ذاتی طور پر سب باتوں کا بالتفصیل علم تھا۔مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے لئے صفت علم کو اسی طور پر ثابت کرنا، جس طور پر یہ صفت اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے، یا اس صفت کو مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ اللہ تعالی کے لئے ثابت نہ ماننا، بلکہ اس کے علم کو انسانوں کے علم کے مشابہ قرار دینا شرک جلی ہے، جس سے بچنا لازم ہے۔

کوئی چیز اللہ تعالی کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہے۔ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے، کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس وعقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پاسکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کر لے، کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں کسی کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو۔ تاہم غیب کے اصول وکلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کہنا چاہئے، حق تعالی نے اپنے ہی لئے مخصوص رکھا ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ (الانعام:۵۹)

(اور اللہ ہی کے پاس ہیں کنجیاں (خزانے) تمام مخفی اشیاء کی ان کو کوئی نہیں جانتا ہے بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور دانہ زمین کے تاریک حصّوں میں نہیں (پڑتا) اور نہ کوئی تر اور خشک چیز (گرتی ہے) مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔)

عنوان ''شرک فی العلم کی تردید'' کے تحت، مذکورہ بالا آیت کریمہ ذکر کرنے کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ''تقویۃ الایمان'' میں لکھتے ہیں:

''یعنی جس طرح اللہ پاک نے انسان کو ظاہری چیزیں معلوم کرنے کی کچھ مشینیں دے دی ہیں، مثلاً: دیکھنے کو آنکھ، سننے کو کان، سونگھنے کو ناک، چکھنے کو زبان، ٹٹولنے کو ہاتھ، اور سمجھنے کو عقل بخشی ہے۔ پھر یہ مشینیں انسان کے قبضہ واختیار میں دے دی ہیں کہ اِدھر اس نے ارادہ کیا، اُدھر اس نے کام کر دیا، مثلاً آنکھ سے دیکھنا چاہا کھول دی، نہ چاہا بند کر لی، اسی پر ہر ایک عضو کو قیاس کر لو، گویا انسان کو ظاہری چیزوں کے معلوم کرنے یا نہ کرنے کی کنجیاں دے دی ہیں، جیسے کنجی والے ہی کے اختیار میں تالے کو کھولنا یا نہ کھولنا ہے، اسی طرح ظاہری چیزوں کا معلوم کرنا انسان کے اختیار میں ہے، چاہے معلوم کرے

یا نہ کرے۔ لیکن غیب کا معلوم کرنا انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ اس کی کنجیاں حق تعالی نے اپنے پاس رکھی ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے انسان کو اور مقرب ترین فرشتے کو بھی غیب کے معلوم کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا کہ جب چاہیں اپنی مرضی سے غیب معلوم کر لیں اور جب چاہیں نہ کریں۔ بلکہ اللہ پاک اپنی مرضی سے کبھی کسی کو غیب کی جس قدر بات بتانا چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ یہ غیب کا بتا دینا اللہ تعالی کے ارادے پر موقوف ہے، کسی کی خواہش پر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو بعض بات دریافت کرنے کی خواہش ہوئی، مگر وہ بات آپ کو معلوم نہ ہو سکی۔ پھر جب ارادۂ الٰہی ہوا، فوراً بتا دی گئی۔ عہد رسالت میں منافقوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا، اس سے آپ کو سخت صدمہ ہوا، آپ نے کئی دنوں تک معاملہ کی کرید کی، مگر کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ پھر جب حق تعالی نے چاہا تو وحی بھیج کر بتا دیا کہ منافق کذاب ہیں، صدیقہ پاک دامن ہیں۔

اب ایک مسلمان موحد کا یہ عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ اللہ تعالی نے غیب کے خزانوں کی کنجیاں اپنے ہی پاس رکھی ہیں، ان خزانوں کا کسی کو خزانچی نہیں بنایا، وہ خود قفل کھول کر جس قدر چاہے دیدے، اسے کون روک سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ میں ایسا علم جانتا ہوں جس سے غیب معلوم کر لیتا ہوں اور ماضی و مستقبل کی باتیں بتا سکتا ہوں، وہ جھوٹا ہے اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے، اگر کسی نبی کو، یا ولی کو، یا جن کو، یا فرشتے کو، یا امام کو، یا امام کے بیٹے کو، یا پیر کو، یا شہید کو، یا نجومی کو، رمال کو، جفار کو، یا فال کھولنے والے کو، یا پنڈت کو، یا بھوت پریت کو، یا پریوں کو، ایسا مان لیا جائے تو ماننے والا مشرک ہے اور اس آیت کا انکار کرتا ہے۔ (۲۹،۳۰)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''معبود وہ ہوگا جو قدرت تامہ کے ساتھ علمِ کامل و محیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین و آسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں، اسی رب العزت کے ساتھ مخصوص

ہے۔پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اس کی ذات ہوئی۔(تنبیہ) کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں، نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہوسکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے،جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا، یا غیب کی خبر دے دی۔ لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر علم الغیب، **"فلان یعلم الغیب"** کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔اسی لیے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔گو لغۃً صحیح ہوں، جیسے کسی کا یہ کہنا کہ **"اِنَّ اللهَ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ"** (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہی نہیں،سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا **"انی اکرہُ الحق وَ اُحِبُّ الْفِتْنَۃَ وَ افِرُّ مِنَ الرَّحْمَۃِ"** (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے،حالانکہ باعتبار نیت ومراد کے قبیح نہ تھا۔اسی طرح **"فلان عالم الغیب"** وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون وتخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن ودلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل وقرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔(فوائد عثمانی،سورۂ نمل،آیت:۶۵)

شرک فی التصرف

نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو متصرف سمجھنا،خواہ اس اعتقاد کے ساتھ کہ فلاں کو ذاتی طور پر تصرف کا اختیار ہے، یا یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے تصرف کا اختیار دے رکھا ہے،شرک فی التصرف ہے۔

کائنات میں تصرف کا اختیار رب ذوالجلال کے علاوہ نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی

طور پر کسی نبی و رسول کو ہے، نہ کسی فرشتہ اور ولی و پیر کو، نہ کسی جنات و شیطان کو، نہ کسی جادو ٹونا کرنے والے عامل کو، اور نہ ہی کسی دیوی دیوتا اور بت کو۔ ان میں سے کوئی ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتا خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ نہ کوئی اولاد دے سکتا ہے، نہ مال و دولت میں اضافہ کر سکتا ہے، نہ نظام کائنات میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ ہی گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے دعا مانگنا، اولاد طلب کرنا، شفا طلب کرنا، کائنات کو زیر زبر کر دینے والا کسی کو سمجھنا، نفع و نقصان کا مالک کسی کو سمجھنا، یا موت و حیات پر اختیار رکھنے والا کسی کو ماننا؛ سب شرک اور موجب ہلاکت ہے۔ جس سے بچنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠٦ (یونس:۱۰۶)

(اور (یہ حکم ہوا ہے کہ) خدا (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ (عبادت کرنے کی حالت میں) کوئی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ (ترک عبادت کی حالت میں) کوئی ضرر پہنچا سکے، پھر اگر (بالفرض) ایسا کیا (یعنی غیر خدا کی عبادت کی) تو تم اس حالت میں (اللہ کا) حق ضائع کرنے والے ہو جاؤ گے۔)

یعنی اے نبی آپ واضح طور پر کفار اور مشرکین کو یہ پیغام سنا دیجئے کہ اگر میرا طریقہ اور مسلک دینی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے اس کی نسبت شکوک و شبہات سے پھنسے ہوئے ہو، تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں کی عبادت سے سخت نفور اور بیزار ہوں، جس کے اختیار کرنے کا امکان بھی کبھی میری طرف سے دل میں نہ لانا۔ میری عبادت خالص اس خداوند قدوس کے لئے ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سب کی جانیں ہیں کہ جب تک چاہے انہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے، گویا موت و حیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اسی کی ہو سکتی ہے ۔ نہ صرف یہ کہ جوارح سے اس کی بندگی کی جائے، ضروری ہے کہ دل میں اس کی توحید

وتفرید پر پورا یقین وایمان ہو اور ظاہر و باطن میں اسی دین حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرک جلی وخفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے ۔جس طرح عبادت صرف اسی کی کریں، استعانت کے لئے بھی اسی کو پکاریں، کیونکہ ہر قسم کا نفع نقصان اور بھلائی برائی تنہا اسی کے قبضہ میں ہے۔ ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع نقصان کی مالک نہ ہوں سخت بے موقع بات بلکہ ظلم عظیم یعنی شرک ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ (سبا:۲۲)

(آپ فرمایئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (خیل خدائی) سمجھ رہے ہو ان کو پکارو، وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا (کسی کام میں) مددگار ہے۔)

یعنی اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی کا گمان ہے ذرا کسی آڑے وقت میں ان کو پکاریں تو سہی دیکھیں وہ کیا کام آتے ہیں۔ یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان وزمین میں نہ ایک ذرہ کا اختیار ہے، نہ آسمان وزمین میں ان کی کچھ شرکت، نہ خدا کو کسی کام میں مدد کی ضرورت، جو یہ اس کے معین و مددگار بن کر ہی کچھ حقوق جتلاتے۔ اس کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ بدون اذن ورضا کے کسی کی نسبت ایک حرف سفارش ہی زبان سے نکال سکیں۔ انبیاء واولیاء اور ملائکۃ اللہ کی شفاعت بھی صرف انہی کے حق میں نافع ہوگی جن کے لئے ادھر سے سفارش کا حکم مل جائے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد باری ہے:

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ (المؤمنون:۸۸-۸۹)

(آپ (ان سے) یہ بھی کہیے کہ (اچھا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے۔ (تب بھی جواب میں) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفتیں

بھی اللہ ہی کی ہیں آپ اس وقت کہیے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے۔)

یعنی مشرکین و کفار خود اس بات کے مقر ہیں کہ ہر چیز پر اللہ ہی کا اختیار چلتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ جب تمہیں تسلیم ہے کہ ہر چیز پر اسی کا اختیار چلتا ہے تو پھر کیسے کسی چیز کو اس کی خدائی میں شریک یا متصرف سمجھتے ہو۔ خدا کی خدائی میں کسی کی کوئی شرکت نہیں ہے، نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر کہ کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالی نے انہیں اپنی خدائی میں شریک کر رکھا ہے۔ اسی بات کی تردید کرتے ہوئے قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم کرتا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ مجھے نفع ونقصان کا کوئی اختیار نہیں ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ لَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۰ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ۝۲۱ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝۲۲ (الجن:۲۰۔۲۲)

(آپ یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ کہیئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ (اگر خدانخواستہ میں ایسا کروں تو) مجھ کو خدا (کے غضب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اسکے سوا کوئی پناہ (کی جگہ) پا سکتا ہوں۔)

یعنی میرے اختیار میں نہیں کہ تم کو بھی راہ پر لے آؤں۔ اور نہ آؤ تو کچھ نقصان پہنچا دوں۔ سب بھلائی برائی اور سود و زیاں اسی خدائے واحد کے قبضہ میں ہے۔ تم کو نفع نقصان پہنچانا تو کجا، اپنا نفع و ضرر میرے قبضہ میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں جو مجھ کو اللہ کے ہاتھ سے بچا لے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کر سکوں۔

خدائی اختیارات میں کسی قسم کی شرکت کی نفی کرتے ہوئے، اور اسے خلاف عقل قرار دیتے ہوئے، اللہ ربّ العزت مثالیں دے کر واضح طور پر فرماتا ہے:

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ

بِنِعۡمَتِ اللّٰهِ هُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ ۙ وَ يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ
رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ شَيۡـًٔـا وَّ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ۚ فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ
الۡاَمۡثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۞ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبۡدًا
مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّ مَنۡ رَّزَقۡنٰهُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ
مِنۡهُ سِرًّا وَّ جَهۡرًا ؕ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۞
وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ
عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَ مَنۡ يَّاۡمُرُ
بِالۡعَدۡلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۞ (النحل:۷۲-۷۶)

اور (منجملہ دلائل قدرت وو جوہ نعمت کے ایک بڑی نعمت اور دلیل قدرت اللہ تعالیٰ کی خود تمہارا وجود و بقاء شخصی ونوعی ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے (یعنی تمہاری جنس اور نوع سے) تمہارے لئے بیبیاں بنائیں اور (پھر) ان بیبیوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے (کہ یہ بقاء نوعی ہے) اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے (پینے) کو دیں (کہ یہ بقاء شخصی ہے اور چونکہ بقاء موقوف ہے وجود پر اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہوگیا) کیا (یہ سب دلائل ونعم سنکر) پھر بھی بے بنیاد چیز پر (یعنی بتوں وغیرہ پر جن کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف دلیل ہے) ایمان رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری (بے قدری) کرتے رہیں گے اور (مطلب اس ناشکری کا یہ ہے کہ) اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہیں گے جو ان کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے (یعنی نہ بارش برسانے کا ان کو اختیار ہے نہ زمین سے کچھ پیدا کرنے کا) اور نہ (اختیار حاصل کرنے کی) قدرت رکھتے ہیں (اس کی نفی سے زیادہ مبالغہ ہوگیا کیونکہ بعض دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص بالفعل تو بااختیار نہیں ہے لیکن جدوجہد سے اختیارات حاصل کرلیتا ہے اس لئے اس کی بھی نفی فرمادی) سو (جب شرک کا بطلان ثابت ہوگیا تو) تم اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں مت گھڑو (کہ اللہ تعالیٰ کی مثال بادشاہان دنیا کی سی ہے کہ ہر شخص ان سے عرض حاجت نہیں کرسکتا اس لئے

اس کے نائب ہوتے ہیں کہ عوام ان سے عرض حاجت کرتے ہیں پھر وہ سلاطین سے عرض کرتے ہیں، (کذافی الکبیر ویؤ خدمن قو له: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ ۔هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ) اللہ تعالیٰ (خوب) جانتے ہیں (کہ ایسی مثالیں محض مہمل ہیں) اور تم (بوجہ عدم تدبر کے) نہیں جانتے (اس لئے جو چاہتے ہو بک ڈالتے ہو اور) اللہ تعالیٰ (شرک کے بطلان ظاہر کرنے کے لئے) ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ (فرض کرو) ایک (تو) غلام ہے (کسی کا) مملوک کہ (اموال وتصرفات میں سے) کسی چیز کا (بلا اجازت آقا) اختیار نہیں رکھتا اور (دوسرا) ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی تو اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (جس طرح چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے (اس کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں) کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہوسکتے ہیں (بس جب مالک مجازی ومملوک مجازی برابر نہیں ہوسکتے تو مالک حقیقی ومملوک حقیقی تو کب برابر ہوسکتے ہیں اور استحقاق عبادت موقوف ہے مساوات پر اور وہ ہے نہیں) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں (کیونکہ کامل الذات والصفات وہی ہیں پس معبود بھی وہی ہوسکتا ہے مگر پھر بھی مشرکین غیر اللہ کی عبادت نہیں چھوڑتے) بلکہ ان میں اکثر تو (بوجہ عدم تدبر کے) جانتے ہی نہیں (اور چونکہ عدم علم کا سبب خود ان کا عدم تدبر ہے اس لئے معذور نہ ہوں گے) اور اللہ تعالیٰ (اس کی توضیح کے لئے) ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ (فرض کرو) دو شخص ہیں جن میں ایک تو (علاوہ غلام ہونے کے) گونگا (بہرا بھی) ہے (اور بوجہ بہرے اندھے بے عقل ہونیکے) کوئی کام نہیں کرسکتا اور (اس وجہ سے) وہ اپنے مالک پر وبال جان ہے (کہ وہ مالک ہی اس کے سارے کام کرتا ہے اور) وہ (مالک) اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی کام درست نہیں ہوتا سو) کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہوسکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو (جس سے اس کا ناطق عاقل صاحب قوت علمیہ ہونا معلوم ہوتا ہے) اور خود بھی (ہر امر میں) معتدل طریقہ پر (چلتا) ہو (جس سے قوت عملیہ منتظمہ معلوم ہوتی ہے جب مخلوق مخلوق میں اشتراک ماہیت واشتراک اوصاف کے یہ تفاوت ہے، تو کجا مخلوق وخالق)

آیت کریمہ ''فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ '' میں ایک اہم حقیقت کو واضح فرمایا ہے جس سے غفلت برتنا ہی تمام کافرانہ شکوک وشبہات کو جنم دیتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ حق تعالیٰ کو اپنے بنی نوع انسان پر قیاس کر کے ان میں سے اعلیٰ ترین انسان مثلا بادشاہ وفرمانروا کو اللہ تعالیٰ کی مثال قرار دیتے ہیں اور پھر اس غلط بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کو بھی انسانی بادشاہوں کے نظام پر قیاس کر کے یہ کہنے لگتے ہیں کہ جس طرح کسی سلطنت وحکومت میں اکیلا بادشاہ سارے ملک کا انتظام نہیں کرسکتا بلکہ اپنے ماتحت وزراء اور دوسرے افسروں کو اختیارات سپرد کر کے ان کے ذریعہ نظم مملکت چلایا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ماتحت کچھ اور معبود بھی ہوں جو اللہ کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائیں یہی تمام بت پرست اور مشرکین کا عام نظریہ ہے۔ اس جملے نے ان کے شبہات کی جڑ قطع کردی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق کی مثالیں پیش کرنا خود بے عقلی ہے وہ مثال وتمثیل اور ہمارے وہم وگمان سے بالاتر ہے۔

اس کے بعد کی دو آیتوں میں انسان کی جو دو مثالیں دی گئی ہیں ان میں سے پہلی مثال میں تو آقا اور غلام یعنی مالک اور مملوک کی مثال دے کر بتلایا کہ جب یہ دونوں ایک ہی جنس ایک ہی نوع کے ہوتے ہوئے آپس میں برابر نہیں ہوسکتے تو کسی مخلوق کو خدا تعالیٰ کے ساتھ کیسے برابر ٹھراتے ہو۔ اور دوسری مثال میں ایک طرف ایک انسان ہے جو لوگوں کو عدل وانصاف اور اچھی باتیں سکھاتا ہے جو اس کی قوت علمیہ کا کمال ہے اور خود بھی معتدل اور سیدھے راستے پر چلتا ہے جو اس کی قوت عملیہ کا کمال، اس علمی اور عملی قوت میں مکمل انسان کے بالمقابل وہ انسان ہے جو نہ خود اپنا کام کرسکتا ہے نہ کسی دوسرے کا کوئی کام درست کرسکتا ہے یہ دونوں قسم کے انسان ایک ہی جنس ایک ہی نوع ایک ہی برادری کے ہونے کے باوجود آپس میں برابر نہیں ہوسکتے، تو خالق و مالک کائنات جو حکیم مطلق اور قادر مطلق اور علیم وخبیر ہے اس کے ساتھ کوئی مخلوق کیسے برابر ہوسکتی ہے۔ (معارف)

شرک فی المادہ

شرک کی ایک قسم شرک فی المادہ یا مادہ پرستی ہے۔ اس کا مطلب ہے اسباب اور

مادے کو مؤثر بالذات سمجھنا۔ یعنی یہ یقین رکھنا کہ مادے کی صفات ذاتی ہوتی ہیں اور وہ اپنی ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتیں، جہاں بھی مادہ پایا جائے گا، اس کے اثرات پائے جائیں گے۔ یہی وہ عقیدہ وخیال ہے جس نے مادہ پرستوں اور سائنس دانوں کو گمراہ کررکھا ہے اور بہت سے لوگوں کو الحاد میں مبتلا کررکھا ہے۔ مادے وکائنات کو قدیم ماننا، اسباب ووسائل پر حد سے زیادہ اعتماد کرنا، ستاروں اور نچھتروں کو مؤثر بالذات سمجھنا، اس شرک کے ارتکاب کا سبب بنتا ہے۔

مادہ پرستوں کی نظر بس قریب کے اسباب طبعی ومادی ہی تک محدود رہتی ہے۔ یہ لوگ مادی اسباب ووسائل کو ہی اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔ جو بھروسا اور توکل حقیقی مسبب الاسباب اللہ رب العزت پر کرنا چاہئے، وہ بھروسا اور توکل مادی وسائل اور ذرائع پر کرتے ہیں اور اس طرح ان مادی وسائل کو خالق ومدبر کا درجہ دیتے ہیں اور انہیں چیزوں کو مسبب الاسباب سمجھتے ہیں، جو بلاشبہ شرک ہے۔

قدیم صرف اللہ تعالی کی ذات ہے، اور مادے کے اندر صفات اللہ تعالی کی طرف سے ودیعت کردہ ہیں، جب تک اس کی مشیت رہتی ہے مادے میں وہ صفات رہتی ہیں اور جب اس کی مشیت ہوتی ہے جدا ہوجاتی ہے۔ کوئی مادہ مؤثر بالذات نہیں ہے۔ جیسے آگ کی صفت ہے جلانا، اس کے اندر یہ صفت اللہ تعالی نے رکھی ہے، یہ اس کی ذاتی اور مؤثر بالذات صفت نہیں ہے کہ اس سے جدا نہ ہوسکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو بحکم الٰہی اس کی یہ صفت ختم ہوگئی اور وہ آگ گلزار بن گئی۔

قرآن کریم نے اس مادہ پرستی کے عقیدے ونظریہ کے بطلان کے لئے انتہائی تفصیل سے دو ایسے شخصوں کا واقعہ بیان کیا ہے۔ جن میں سے ایک شخص کو اللہ تعالی نے مال ودولت اور بہت سی دوسری دنیوی نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔ لیکن وہ شخص اپنی خوشحالی میں اس قدر مگن ہوا کہ اس کی نگاہ اللہ سے ہٹ کر مادی وسائل پر ہی جم کررہ گئی اور انہی اسباب ووسائل کو وہ اپنے توکل اور بھروسے کا مرکز بنا بیٹھا، وہ سمجھتا تھا کہ جو کچھ اسے نعمت حاصل ہے وہ اسے اپنی محنت، عمدہ تدبیر اور وسائل کے صحیح استعمال سے ہے۔

اس کے ساتھ جو دوسرا شخص تھا وہ دنیوی لحاظ سے خوشحال تو نہیں تھا، مگر اسے اللہ کی معرفت حاصل تھی۔ اس نے اس دولت مند شخص کو نصیحت کی، کہ جو کچھ تجھے نعمت حاصل ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، اور تمہیں ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے لیکن اس نے ان باتوں پر توجہ نہ دی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی نعمتوں کو چھین لیا اور کف افسوس ملتا رہ گیا۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری:

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّ
حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَ لَمْ
تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ
لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ
هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّ مَاۤ اَظُنُّ
السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾
قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾
وَ لَوْ لَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ
اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ
يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ
مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ
كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ
اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا
كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ
عُقْبًا ﴿۴۴﴾ (الکہف:۳۲۔۴۴)

(اور آپ دو شخصوں کا حال (جن میں باہم دوستی یا قرابت کا تعلق تھا) بیان کیجئے ان دو شخصوں میں سے ایک کو (جو کہ بد دین تھا) ہم نے دو باغ انگور کے دے رکھے

تھے اور دونوں (باغوں) کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا اور ان دونوں (باغوں) کے درمیان میں کھیتی بھی لگا رکھی تھی (اور) دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے، اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی (بخلاف عام باغوں کے کہ کبھی کسی درخت میں اور کسی سال پورے باغ میں پھل کم آتا ہے) اور ان دونوں (باغوں) کے درمیان نہر چلا رکھی تھی اور اس شخص کے پاس اور بھی مال داری کا سامان تھا سو (ایک دن) اپنے اس (دوسرے) ساتھی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع بھی میرا زبردست ہے۔ اور وہ (اپنے اس ساتھی کو ساتھ لے کر) اپنے اوپر جرم (کفر) قائم کرتا ہوا اپنے باغ میں پہونچا، (اور) کہنے لگا کہ میرا تو خیال نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہوگا۔ اور (اسی طرح) میں قیامت کو نہیں خیال کرتا کہ آوے گی اور اگر (بفرض محال قیامت آ بھی گئی اور) میں اپنے رب کے پاس پہونچایا گیا (جیسا تیرا عقیدہ ہے) تو ضرور اس باغ سے بھی بہت زیادہ اچھی جگہ مجھ کو ملے گی (کیونکہ جنت کی جگہوں کا دنیا سے اچھا اور بہتر ہونے کا تو تجھے بھی اقرار ہے، اور یہ بھی تجھے تسلیم ہے کہ جنت اللہ کے مقبول بندوں کو ملے گی، میری مقبولیت کے آثار و علامات تو تو دنیا ہی میں دیکھ رہا ہے اگر میں اللہ کے نزدیک مقبول نہ ہوتا تو باغات کیوں ملتے، اس لئے تمھارے اقرار و تسلیم کے مطابق بھی مجھے وہاں یہاں سے اچھے باغ ملیں گے) اس (کی یہ باتیں سن کر اس) سے اس کے ملاقاتی نے (جو کہ دیندار مگر غریب آدمی تھا) جواب کے طور پر کہا: کیا تو (توحید اور قیامت سے انکار کر کے) اس ذات (پاک) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو (اول) مٹی سے (جو کہ تیرا مادہ بعیدہ ہے بواسطہ آدم (علیہ السلام) کے) پیدا کیا، پھر (تجھ کو) نطفہ سے (جو کہ تیرا مادہ قریبہ ہے رحم مادر میں بنایا) پھر تجھ کو صحیح سالم آدمی بنایا (اس کے باوجود تو توحید اور قیامت سے انکار اور کفر کرتا ہے تو کیا کر) لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ (یعنی) اللہ تعالیٰ میرا رب (حقیقی) ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اور (جب اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت مطلقہ ہر چیز پر ثابت ہے، اور اس کے نتیجہ میں یہ کچھ بعید نہیں کہ باغ کی ترقی اور حفاظت کے تیرے سارے اسباب و سامان کسی وقت بھی بیکار اور معطل ہو جائیں اور باغ برباد ہو جائے، اس لئے تجھے لازم تھا کہ مسبب الاسباب پر نظر کرتا) تو تو جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو تو نے یوں کیوں نہ کہا کہ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی

ہوتا ہے (اور) بدون خدا کی مدد کے (کسی میں) کوئی قوت نہیں (جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا یہ باغ قائم رہے گا اور جب چاہے گا ویران ہو جائے گا) اگر تو مجھ کو مال واولاد میں کمتر دیکھتا ہے (اس سے تجھ کو اپنے مقبول ہونے کا شبہ پڑ گیا ہے) تو مجھ کو وہ وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دیدے (خواہ دنیا ہی میں یا آخرت میں) اور اس (تیرے باغ) پر کوئی تقدیری آفت آسمان سے (یعنی بلا واسطہ اسباب طبعیہ کے) بھیج دے جس سے وہ باغ دفعۃً ایک صاف (چٹیل) میدان ہو کر رہ جائے یا اس سے اس کا پانی (جو نہر میں جاری ہے) بالکل اندر (زمین میں) اتر (کر خشک ہو) جائے پھر تو اس (کے دوبارہ لانے اور نکالنے) کی کوشش بھی نہیں کر سکے (یہاں اس دیندار ساتھی نے اس بے دین کے باغ کا تو جواب دے دیا، مگر اولاد کے متعلق کچھ جواب نہیں دیا، شاید وجہ یہ ہے کہ اولاد کی کثرت جبھی بھلی معلوم ہوتی ہے جب اس کی پرورش کے لئے مال موجود ہو ورنہ وہ الٹا وبال جان بن جاتی ہے، حاصل اس کلام کا یہ ہوا کہ تیرے بدعقیدہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ تجھے دنیا میں اللہ نے دولت دے دی، اس کو تو نے اپنی مقبولیت کی علامت سمجھ لیا، اور میرے پاس دولت نہ ہونے سے مجھ کو غیر مقبول سمجھ لیا، تو دنیا کی دولت وثروت کو مقبولیت عنداللہ کا مدار سمجھ لینا ہی بڑا دھوکا اور غلطی ہے، دنیا کی نعمتیں تو رب العالمین سانپوں، بچھوؤں اور بھیڑوں اور بدکاروں سبھی کو دیتے ہیں، اصل مدار مقبولیت کا آخرت کی نعمتوں پر ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں اور دنیا کی نعمتیں سب زوال پذیر ہیں) اور (اس گفتگو کے بعد واقعہ یہ پیش آیا کہ) اس شخص کے سامان کو تو آفت نے آگھیرا، پس اس نے جو کچھ باغ پر خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا، اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا (اس سے معلوم ہوا کہ باغ پر آفت آنے سے وہ یہ سمجھ گیا کہ یہ وبال کفر شرک کے سبب سے آیا ہے، اگر کفر نہ کرتا تو اول تو یہ آفت ہی شاید نہ آتی، اور آ بھی جاتی تو اس کا بدلہ آخرت میں ملتا، اب دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہی خسارہ ہے، مگر صرف اتنی حسرت وافسوس سے اس کا ایمان ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ حسرت، ندامت تو دنیا کے نقصان کے وجہ سے ہوئی، آگے اللہ کی توحید اور قیامت کا اقرار جب تک ثابت نہ ہو اس کو مومن نہیں کہہ سکتے) اور اس کے پاس ایسا کوئی مجمع نہ ہوا جو خدا کے سوا اس کی مدد کرتا) اس کو اپنے مجمع اور اولاد پر ناز تھا وہ

بھی ختم ہوا) اور نہ وہ خود (ہم سے) بدلہ لے سکا، ایسے موقع پر مدد کرنا تو اللہ برحق ہی کا کام ہے (اور آخرت میں بھی) اسی کا ثواب سب سے اچھا ہے اور (دنیا میں بھی) اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے (یعنی مقبولین کا کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو دونوں جہاں میں اس کا ثمرہ نیک ملتا ہے بخلاف کافر کے کہ بالکل خسارہ میں رہ گیا۔) (معارف، ملخصاً)

یہاں اس دولت مند شخص کا وہ فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے جو اپنی بربادی کے بعد پچھتاتے ہوئے اس کی زبان سے نکلا تھا کہ ''کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ شرک نہ کیا ہوتا!'' دیکھا جائے تو اس سارے واقعے میں کسی ظاہری شرک کا ارتکاب نظر نہیں آتا۔ کسی دیوی یا دیوتا کی پوجا پاٹ کا بھی کوئی حوالہ یہاں نہیں آیا، اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کا بھی ذکر نہیں ہوا، تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا اقدام تھا جس پر وہ شخص پچھتایا کہ کاش میں نے اپنے رب سے شرک نہ کیا ہوتا! اس پہلو سے اگر اس سارے واقعے کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں جس شرک کا ذکر ہوا ہے وہ ''مادہ پرستی'' کا شرک ہے۔ اس شخص نے اپنے مادی اسباب و وسائل کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ جو بھروسا اور توکل اسے حقیقی مسبب الاسباب پر کرنا چاہیے تھا وہ بھروسا اور توکل اس نے اپنے مادی وسائل پر کر لیا تھا اور اس طرح ان مادی وسائل کو معبود کا درجہ دے دیا تھا۔ یہی رویہ اور یہی سوچ مادہ پرستی ہے اور یہی موجودہ دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔

''موجودہ دور ستارہ پرستی اور بت پرستی کا دور نہیں۔ آج کا انسان ستاروں کی اصل حقیقت جان لینے اور چاند پر قدم رکھ لینے کے بعد ان کی پوجا کیونکر کرے گا؟ چنانچہ آج کے دور میں اللہ کو چھوڑ کر انسان نے جو معبود بنائے ہیں ان میں مادہ پرستی اور وطن پرستی سب سے اہم ہیں۔ آج دولت کو معبود کا درجہ دے دیا گیا ہے اور مادی وسائل اور ذرائع کو مسبب الاسباب سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ موجودہ دور کا بہت خطرناک شرک ہے اور اس سے محفوظ رہنے کے لیے اسے بہت باریک بینی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یقیناً ان باغوں کی منصوبہ بندی کرنے، پودے لگانے اور ان کی نشو و نما کرنے میں اس نے زر کثیر خرچ کیا تھا، مسلسل محنت کی تھی اور اپنا قیمتی وقت اس میں کھپایا تھا۔ اس کا یہ تمام سرمایہ آن کی آن

میں نیست ونابود ہوگیا اور وہ اس کی بربادی پر کف افسوس ملنے کے علاوہ کچھ نہ کرسکا۔ اس مال دار شخص کے مکالمے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار کو بھلا کر ظاہری اسباب اور مادی وسائل پر توکل کرلیا تھا اور یہی وہ شرک تھا جس کا خود اس نے یہاں اعتراف کیا ہے۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا مکمل نقشہ اس رکوع میں پیش کردیا گیا ہے۔ یہ شرک کی جدید قسم ہے جس کو پہچاننے اور جس سے محتاط رہنے کی آج ہمیں اشد ضرورت ہے۔ (بیان القرآن، از ڈاکٹر اسرار عالم)

''غیر خدا پرست، مادہ پرست کی نظر بس قریب کے اسباب طبعی و مادی ہی تک محدود رہتی ہے۔ بقاءنشو ونما، ترقی کے انہیں مادی وقریبی اسباب پر نظر کرکے بولا کہ اس جائداد کے اجڑنے اور ویران ہونے کے تو قطعاً کوئی آثار نہیں۔ یہ قول ایک فاضل محقق کے ''اس شخص نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا کہ تو جو صانع عالم کا اور اس کی قدرت وغیرہ کا قائل ہے سو میں تو نہیں سمجھتا کہ اسباب طبعیہ کو کوئی معطل کرسکے اور اس باغ وغیـــرہ کا کارخانہ جس کی آبادی کے سارے اسباب جمع ہیں کہ نہر بھی ہے، کارکن بھی ہیں، خرچ کرنے کو مال بھی، اس مال کی حفاظت کا سامان بھی ہے، کس طرح محتمل ویرانی کا ہو۔'' (تفسیر ماجدی)

اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ اسباب ووسائل کو استعمال نہ کیا جائے۔ بلاشبہ اس کا استعمال جائز اور درست ہے، بلکہ سنت رسول اللہ بھی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ''وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ'' (الانفال: ٦٠) (اور تیار کرو انکی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کرسکو قوت سے) یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعہ کو ترک کردیا جائے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اسباب اور وسائل کو وسیلہ اور ذریعہ ہی سمجھا جائے، انہیں قادر مطلق، مدبر اور مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے۔

❖ ❖ ❖

مذمت شرک

شرک انتہائی بدترین جرم اور احسان فراموشی ہے۔ایک معمولی درجے کا انسان اپنی ملکیت میں اپنے غلام کو برابر کا حق دار اور شریک کرنے کے لئے تیار نہیں، افسوس کہ عقل سے کورے یہ مشرک خدا کی مخلوق کو اس کی خدائی میں شریک کرنے کے لئے بیتاب ہیں۔ان کی اس حماقت پر بے شمار آیات قرآنیہ دلالت کرتی ہیں، شرک کی قباحت کو بیان کرتے ہوئے اس کی مذمت کرتی ہیں اور شرک کرنے والے کو آخرت میں کیسی کیسی سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا اسے بیان کرتی ہیں۔ایسی ہی چند آیات ملاحظہ ہوں:

شرک کی کوئی اصلیت نہیں

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ (الرعد:۳۳۔۳۵)

(پھر (بھی) کیا جو (خدا) ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو اور ان لوگوں کے شرکاء برابر ہو سکتے ہیں اور ان لوگوں نے خدا کے لیے شرکاء تجویز کیے ہیں آپ کہیئے کہ (ذرا)

ان (شرکاء) کا نام تو لو کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو کہ دنیا (بھر) میں (اس کے وجود) کی خبر اللہ کو نہ ہو یا محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے ان کو شریک کہتے ہو بلکہ کافروں کو اپنے مغالطے کی باتیں مرغوب معلوم ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے یہ لوگ راہ حق سے محروم رہ گئے ہیں اور جس کو خدا تعالیٰ گمراہی میں رکھے اس کا کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔اس کے لیے دنیوی زندگانی میں (بھی) عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بدرجہا زیادہ سخت ہے اور اللہ کے عذاب سے ان کا کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ (اور) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اسکے (عمارات واشجار) کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔)

یعنی جو خدا ہر شخص کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں، کیا اس کی مثل پتھر کی وہ مورتیاں ہوسکتی ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں نہ اپنے یا دوسرے کے نفع وضرر کا کچھ اختیار رکھتی ہیں۔تعجب ہے کہ ایسے خدا کی موجودگی میں انسان ایسی عاجز وحقیر مخلوق کے آگے سر جھکائے اور اس کو خدائی کے اختیارات تفویض کردے۔اس ظلم کی بھی کوئی انتہا ہے کہ علیم الکل اور بہمہ صفت موصوف خدا کے شریک وہ ہوں جنہیں خود اپنے وجود کی خبر نہیں۔اور اگر تم انہیں واقعی شریک سمجھتے ہو تو ذرا آگے بڑھ کر ان شرکاء کے نام تو لو اور پتے تو بتاؤ۔میں بھی سنو کون ہیں اور کیسے ہیں۔اگر حقیقتاً تم ان کو شریک سمجھ کر دعویٰ کرتے ہو تو تم پر یہ لازم آتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو کہ دنیا بھر میں اس کے وجود کی خبر اللہ تعالیٰ کو نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی کو موجود جانتے ہیں جو واقع میں موجود ہو اور معدوم کو موجود نہیں جانتے، کیونکہ اس سے علم کا غلط ہونا لازم آتا ہے گو انکشاف میں دونوں یکساں ہیں۔غرض ان کو حقیقی شریک کہنے سے یہ محال لازم آتا ہے پس ان کا شریک ہونا محال ہے۔دنیا کی قید اس لئے لگائی کہ بت پرستوں کے نزدیک شرکاء یعنی اصنام کی قیام گاہ یہ ہی دنیا تھی۔جس چیز کا واقعہ میں ثبوت ہی نہیں اس کا نام کیا لیا جاسکتا ہے۔بات یہ ہے کہ کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا خالی الفاظ اور صورت محض ہے، جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔مجرد ظن وتخمین اور باطل اوہام سے

چند بے معنی الفاظ بامعنی نہیں بن جاتے۔

جولوگ مشرکانہ باتیں کررہے ہیں اگر کورانہ تقلید وتعصب سے خالی ہوکر اپنے ضمیر کی طرف رجوع کریں تو خود ان کا ضمیر بھی ان لغویات سے انکار کرے گا۔اس لئے کہنا چاہئے کہ یہ سب اوپر اوپر کی باتیں ہیں۔جن کو انسانی ضمیر اور انسانی فطرت دونوں مردود ٹھہرا چکے ہیں۔شرک کی حماقت میں ان کی یہ مستعدی اور توحید کے مقابلہ میں اس قدر جدوجہد خالی نفس کا دھوکہ اور شیطان کا فریب ہے۔اسی نے ان کو راہ حق سے روک دیا ہے۔

شرک اندھی تقلید کا نتیجہ ہے

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤـؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ (ھود:۱۰۹)

(سو(اے مخاطب) جس چیز کی پرستش یہ کرتے ہیں اس کے بارے میں ذرا شبہ نہ کرنا یہ لوگ بھی اسی طرح (بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل) عبادت (غیر اللہ کی) کررہے ہیں جس طرح ان کے قبل ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم یقینا (قیامت کو) ان کا حصہ (عذاب کا) ان کو پورا پورا بے کم وکاست پہنچا دیں گے۔)

یعنی اتنی مخلوق کا شرک وبت پرستی کے راستہ پر پڑ لینا اور اب تک سزایاب نہ ہونا، کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دھوکہ کھا کر آدمی شبہ میں پڑ جائے۔یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی کورانہ تقلید کررہے ہیں۔وہ جھوٹے معبود ان کے کیا کام آئے، جو ان کے کام آئیں گے؟ یقیناً ان سب کو آخرت میں عذاب کا پورا حصہ ملے گا۔جس میں کوئی کمی نہ ہوگی یا کبھی کم نہ کیا جائے گا۔

شرک کی بنیاد محض وہم وگمان پر ہے

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ وَ مَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ (یونس:۶۶)

(یادرکھو جتنے کچھ آسمانوں میں ہے اور جتنے زمین میں ہیں (یعنی جن وانس اور

فرشتے) یہ سب اللہ کی مملوک ہیں اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کر رہے ہیں (خدا جانے) کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں اور محض قیاسی باتیں کر رہے ہیں۔)

یعنی کل زمین وآسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے، سب جن وانس اور فرشتے اسی کے مملوک ومخلوق ہیں۔ مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنا اور انہیں خدائی کا حصہ دار بنانا محض اٹکل کے تیر اور واہی تباہی خیالات ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ حجت وبرہان، خالی اوہام وظنون کی اندھیریوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

شرک کے لئے کوئی دلیل نہیں

وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ (المؤمنون: ۱۱۷)

(اور جو شخص (اس امر پر دلیل قائم ہونے کے بعد) اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس (کے معبود ہونے) پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں سو اس کا حساب اسی کے رب کے یہاں ہوگا (جس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ) یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی (بلکہ ابدآلاباد معذب رہیں گے۔)

یعنی جو شخص اللہ کو بھی معبود مانتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ کسی اور کو بھی پکارتا ہے اور خدا کی ذات یا صفات میں اسے شریک سمجھتا ہے، حالاں کے شریک ہونے پر اس کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ عقلی۔ یاد رکھے کے اسے آخرت میں اس کا جواب دینا پڑے گا اور اس جرم عظیم کی سزا بھگتنی ہوگی۔

شرک افتراء اور بہتان ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ (النساء: ۴۸)

(بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوائے اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جُرم کا مرتکب ہوا۔)

یعنی اللہ تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے۔اس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرنا بہت بڑا جھوٹ، افتراء اور بہتان ہے اور عظیم ترین گناہ ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ اس بات کو سزا دے کر بھی نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے۔ہاں اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کھلا لائسنس دے دیا گیا ہے کہ آدمی بس شرک نہ کرے باقی دوسرے گناہ دل کھول کر کرتا رہے سب گناہ معاف ہو ہی جائیں گے۔بلکہ دراصل اس سے یہ بات ذہن نشیں کرانی مقصود ہے کہ شرک، جس کو مشرکوں نے بہت معمولی چیز سمجھ رکھا تھا، تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے حتیٰ کہ اور گناہوں کی معافی تو ممکن ہے مگر یہ ایسا گناہ ہے کہ معاف نہیں کیا جاسکتا۔مشرک کی سزا دائمی ہے البتہ شرک سے نیچے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب قابل مغفرت ہیں۔اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت چاہے اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے کچھ عذاب دیکر یا بلا عذاب دیئے۔ہاں اگر وہ مشرک مسلمان ہوجائے یا جس قسم کے شرک میں مبتلا ہے اس سے توبہ کرلے تو پھر مشرک ہی نہ رہا، اب اس کے لئے سزا دائمی بھی نہ رہے گی۔

شرک سب سے بڑا ظلم ہے

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان:۱۳)

(اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانا بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔)

لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ ''ظلم'' کا مفہوم ناانصافی اور حق تلفی ہے۔''ظلم'' کی تعریف یوں کی جاتی ہے: ''وَضعُ الشَّیئِ فِی غَیرِ مَحَلِّهٖ'' یعنی کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ پر رکھ دینا۔ظلم کی اس تعریف پر غور کریں تو یہ نکتہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہاں شرک کو ''ظلم عظیم'' کیوں کہا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔وہ اپنی صفات میں یکتا اور تنہا

ہے۔اب اگر کوئی انسان ان صفات کے اعتبار سے مخلوق میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے برابر کردے یا اللہ تعالیٰ کو کسی اعتبار سے گرا کر مخلوق کی صف میں لا کھڑا کرے تو اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا؟ کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دے دیا اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر کیا ہوگا کہ اشرف المخلوقات ہوکر خسیس ترین اشیاء کے آگے سر عبودیت خم کردیا۔ **لاحول ولاقوۃ الاباللہ**

شرک محسن کی ناشکری ہے

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝ (الزمر:۸)

(اور (مشرک آدمی) کو جو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو اسکی طرف رجوع کہہ کر پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے نعمت (امن وآسائش کی) عطا فرمادیتا ہے تو جس کے لیے پہلے سے (خدا کو) پکار رہا تھا اس کو بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے (دوسروں کو) گمراہ کرتا ہے آپ (ایسے شخص سے) کہہ دیجیے اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں اور لوٹ لے (پھر آخرکار) تو دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے۔)

یعنی انسان کی حالت عجیب ہے۔مصیبت پڑنے پر تو ہمیں یاد کرتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے ذرا آرام واطمینان نصیب ہوا معاً وہ پہلی حالت بھول جاتا ہے جس کے لئے ابھی ابھی ہم کو پکار رہا تھا۔عیش وتنعم کے نشہ میں ایسا مست وغافل ہوجاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

یادرکھو! کافر ومشرک بن کر اس کے انعامات وحقوق کا انکار کروگے تو تمہارا ہی

نقصان ہے، اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفر سے راضی نہیں۔ اگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تو ٹھیک ہے کافر و مشرک رہ کہ چند روز یہاں اور عیش اڑا لے اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے نفع اٹھا تا رہ، اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔

شرک نادانی ہے

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ (الاعراف:۱۳۸)

(اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اُتار دیا، پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰؑ ہمارے لیے بھی ایک (مجسم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔)

یعنی توحید جیسی بے نظیر نعمت سے مشرف ہو کر بت پرستی جیسی لعنت پر گرتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت و شان اور تنزیہ و تقدیس سے بالکل جاہل ہو، تبھی تو جہالت کی باتیں کر رہے ہو۔ غالبا وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ معبود سازی اپنے اختیار و انتخاب کی چیز ہے اور قومی سردار و رہبر کے بس میں ہے کہ وہ جب اور جیسے چاہیے اپنی قوم کے لیے معبود قرار دیدے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب ''انکم قوم تجھلون'' میں اسی جانب اشارہ ہے کہ تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی سی بات ہی نہیں آتی! کیا معبود ٹھہرا دینا میرے یا کسی کے اختیار کی بات ہے؟ تم لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہو ان کے یہ معبود باطل ہیں ان کا شغل تباہ ہونے والا ہے اور جو عمل کر رہے ہیں وہ باطل ہیں کیونکہ یہ شرک ہے شرک کو تو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا۔ مشرکوں کی کیوں ریس کرتے ہو۔

بت پرستی گندگی ہے

ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ

لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ (الحج:۳۰)

(یہ بات تو ہو چکی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ (وقعت کرنا) اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے اور ان مخصوص چوپاؤں کو باستثناء (بعض بعض) کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیے گئے ہیں تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔)

یعنی جانور اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں، اس کی اجازت سے اسی کے نام پر ذبح کئے جا سکتے ہیں اور اسی کے کعبہ کی نیاز ہو سکتے ہیں، جو جانور کسی بت یا دیوی دیوتا کے استھان پر ذبح کیا گیا وہ مردار ہوا۔ ایسی شرکیات اور گندے کاموں سے بچنا ضروری ہے۔ اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو، خصوصاً شرک جیسے کذب اعظم سے۔ جھوٹی بات کے تحت میں ہر جھوٹ آ جاتا ہے۔ لیکن دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ کلمہ توحید کے برخلاف کلمہ شرک کا اقرار ہے۔

''رِجس'' کے معنے ناپاکی اور گندگی کے ہیں اور اوثان وثن کی جمع ہے بت کے معنے میں۔ بتوں کو نجاست اس لئے قرار دیا کہ وہ انسان کے باطن کو شرک کی نجاست سے بھر دیتے ہیں۔

شرک ایک بدترین ذلت ہے

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ (الحج:۳۱)

(اس طور سے کہ اللہ کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا۔)

یعنی ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے ہو کر رہو۔ تمہارے تمام افعال و نیّات

بالکلیہ بلاشرکت غیرے خالص خدا کے لئے ہونے چاہئیں۔ توحید نہایت اعلی اور بلند مقام ہے۔ اس کو چھوڑ کر جب آدمی کسی مخلوق کے سامنے سر جھکاتا ہے تو خود اپنے کو ذلیل کرتا اور آسمان توحید کی بلندی سے پستی کی طرف گرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر اونچے سے گر کر زندہ بچ نہیں سکتا۔ اب یا تو ہواء وافکار ردیہ کے مردار خوار جانور چاروں طرف سے اس کی بوٹیاں نوچ کر کھائیں گے یا شیطان لعین ایک تیز ہوا کے جھکڑ کی طرح اس کو اڑا لے جائے گا اور ایسے گہرے کھڈ میں پھینکے گا جہاں کوئی ہڈی پسلی نظر نہ آئے۔ یا یوں کہو کہ مثال میں دو قسم کے مشرکوں کا الگ الگ حال بیان ہوا ہے۔ جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا نہیں مذبذب ہے کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے کبھی دوسری طرف، وہ ’’ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ ‘‘ کا، اور جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا اٹل ہو، وہ ’’تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ‘‘ کا مصداق ہے یا ’’ تَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ ‘‘ سے مراد لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور ’’ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ ‘‘ سے طبعی موت مرنا مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شرک تو والدین کے بھی کہنے سے نہیں کیا جائے گا

وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَـيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَ صَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ۖ وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ (لقمان:۱۵)

(اور اگر تجھ پر دونوں (یعنی ماں باپ) اس بات کا زور ڈالیں تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھیرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔)

یہاں والدین کے اپنی اولاد کو شرک پر مجبور کرنے کے حوالے سے ’’جہاد‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کا ترجمہ ’’ زور ڈالیں‘‘ کیا گیا ہے۔ اس لفظ میں والدین کی طرف سے اپنا موقف منوانے کے لیے لڑنے جھگڑنے اور ہر طرح سے دباؤ ڈالنے کا مفہوم

موجود ہے۔اس آیت میں بہت واضح انداز میں بتادیا گیا ہے کہ والدین کے تمام تر تقدس اوراحترام کے باوجودانہیں اپنی حدود سے تجاوز کرنے اوراللہ کے حق پرڈاکہ ڈالنے کی اجازت کسی صورت میں نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ اگروالدین اپنی اولادکواللہ کے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کرنے لگیں تواولادان کے اس حکم کی تعمیل کسی قیمت پر نہیں کرے گی۔اس حوالے سے یہ اہم نکتہ بھی ذہن نشین کرلیجیے کہ یہ حکم صرف بت پرستی کی ممانعت تک محدود نہیں، بلکہ ''لَا تُشْرِکْ باللّٰہِ'' کے الفاظ میں ہر قسم کے شرک کی مطلق ممانعت ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اگروالدین اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کوتوڑنے کا کہہ رہے ہوں توان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

رہی بات والدین کہ حقوق کی،توایسا نہیں ہے کہ اگروالدین کافریا مشرک ہیں تو ان کے تمام حقوق ہی ساقط ہوجائیں، بلکہ ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کیاجائے گا۔یعنی اگروالدین مشرک ہیں تو بھی ان کی خدمت کرو،ان کی ضروریات کا خیال رکھواوران کے مؤدّب بن کررہو۔البتہ اگروہ شرک پرمجبورکریں یااللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کاحکم دیں توان کا یہ مطالبہ نہ ماناجائے اوراس حوالے سے بھی انکارکرتے ہوئے ان کے ساتھ بدتمیزی نہ کی جائے۔

اطاعت توصرف اسی شخص کی جائز ہے جو ہرطرف سے منہ موڑکرکلّی طورپراللہ کی اطاعت میں آچکاہو۔جب تک نبوت کاتسلسل قائم تھاتو یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام پرصادق آتی تھی۔اب ختم نبوت کے بعدامت میں سے جوشخص بھی اللہ کی اطاعت اور حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے لوگوں کودین کی طرف بلائے اس آیت کی روسے اس کااتباع کرنااوراس کاساتھ دیناضروری ہے۔

شرک سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ

السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (الزمر:۶۵۔۶۷)

(اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی طرف بھی یہ (بات) وحی میں بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام (سب) غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑا رہے گا (تو اے مخاطب کبھی شرک مت کرنا)۔ بلکہ (ہمیشہ) اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ کا) شکر گزار رہنا۔ اور (افسوس کہ) ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسا کہ عظمت کرنا چاہیے تھی حالانکہ (اسکی شان ہے کہ) ساری زمین اسکی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے۔)

یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا باقی رکھنا اور ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اس کے کوئی نہیں ہو سکتا اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور ادیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ (آخرت میں) مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان وخسران کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اس کا شکر گزار و وفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت وجلال کو سمجھے۔ عاجز وحقیر مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔ اس کو اسی طرح بزرگ وبرتر مانے، جیسا کہ وہ واقع میں ہے۔ مشرکین نے اس کے عظمت وجلال اور بزرگی وبرتری کو وہاں تک نہ سمجھا اور ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے تھا۔ اس کی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا، کیا عاجز ومحتاج مخلوق حتیٰ کہ پتھر کی بے جان مورتیوں کو اس کا شریک تجویز کر سکتا ہے۔ اس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے، اس کی عبادت میں بے جان یا عاجز ومحتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا۔ وہ شرکاء تو خود اس کی مٹھی میں پڑے ہیں۔ جس طرح چاہے ان پر تصرف کرے۔ ذرا کان یا زبان نہیں ہلا سکتے۔ (تفسیر عثمانی ملخصاً)

اللہ کے سوا دوسروں کو پکارنا شرک ہے

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المومن: ۶۵۔۶۶)

(وہی (ازلی ابدی) زندہ (رہنے والا) ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو تم (سب) خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارو، تمام خوبیاں اسی اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا۔ آپ (ان مشرکوں کو سنانے کے لیے) کہہ دیجیے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ میں ان (شرکاء) کی عبادت کروں جن کو خدا کے علاوہ تم پکارتے ہو، جب کہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آ چکیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں (صرف) رب العالمین کے سامنے گردن جھکا لوں۔)

اوّلاً دلائلِ توحید کو بیان کیا گیا، اس کے بعد شرک کی برائی کو مؤکد کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کامل یقین ہے اور شرک کی قباحت منکشف ہے۔ مجھے ان معبودوں کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کیونکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بینات یعنی دلائلِ یقینیہ آ چکے ہیں اور مجھ کو صرف رب العالمین کے آگے سر جھکانے کا حکم ہوا ہے۔ آیت کریمہ سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا، کسی سے دعا مانگنا، کسی کو حاجت روا ومشکل کشا سمجھنا سب شرک اور گمراہی ہے۔

انبیاء، اولیاء اور صلحاء کو مدد کے لئے پکارنا شرک ہے

وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (النحل: ۲۰۔۲۱)

(اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے

اور وہ خود ہی مخلوق ہیں۔ وہ (معبودین) مردے (بے جان) ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ وہ مردے کب اٹھائے جائیں گے۔)

مشرکین کی بے وقوفی اور حماقتوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ انہوں نے عالم الکل اور خالق الکل خدا کا شریک ان چیزوں کو ٹھہرا دیا جو ایک گھاس کا تنکا پیدا نہیں کرسکتیں، بلکہ خود ان کا وجود بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ لوگ جن چیزوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ دواماً مثلاً بت، یا فی الحال مثلاً جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے یا انجام و مال کے اعتبار سے مردہ ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکۃ اللہ، جس کی بعض فرقے پرستش کرتے تھے بلکہ جن و شیطان بھی جن کو بعض ممسوخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے۔ پس جس چیز کا وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو اور وہ جب چاہے چھین لے، اسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟ ایسی بے جان اور بے خبر ہستیوں کو خدا بتلانا انتہا درجہ کی حماقت اور جہل ہے۔ (ملخص از تفسیر عثمانی)

جھوٹے معبودوں کی بیچارگی

يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ (الحج:۷۳)

(اے لوگو ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ ہے کہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک (ادنیٰ) مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی کیوں (نہ) جمع ہو جائیں اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے عاجز ہیں کہ) اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو (تو) اس سے چھڑا (ہی) نہیں سکتے ایسا عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر۔)

یہاں شرک و بت پرستی کی حماقت کو ایک واضح مثال سے اللہ تعالیٰ بیان کر رہا ہے کہ یہ بت جن کو تم لوگ اپنا کارساز سمجھتے ہو یہ تو ایسے بیکس بے بس ہیں کہ سب ملا کر ایک مکھی جیسی حقیر چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور پیدا کرنا تو بڑا کام ہے تم روز ان کے سامنے

مٹھائی اور پھل وغیرہ کھانے کی چیزیں رکھتے ہو اور مکھیاں اس کو کھا جاتی ہیں، ان سے اتنا تو ہوتا نہیں کہ مکھیوں سے اپنی چیز ہی کو بچالیں یہ تمہیں کسی آفت سے کیا بچائیں۔ مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے۔ جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کردیں، یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کوئی چیز لے جائے تو اس سے واپس لے سکیں ان کو خالق السموات والارضین کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی، حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور، مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے، جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود و حاجت روا بنالیا۔ یہ توحید کے مقابلہ میں شرک کی شناعت و قبح ظاہر کرنے کے لیے مثال بیان فرمائی جسے کان لگا کر سننا اور غور و فکر سے سمجھنا چاہیے تاکہ ایسی رکیک و ذلیل حرکت سے باز رہو۔

غیر اللہ کے پجاریوں کی حالت

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ (العنکبوت:۴۱)

(جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان لوگوں کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے اگر وہ (حقیقت حال کو) جانتے تو ایسا نہ کرتے۔)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی مثلاً بتوں وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی بے چارگی، حماقت، اور یہ کہ وہ عبادت آخرت میں ان کے کسی کام نہ آئے گی، مکڑی کے جالے سے اس کو تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ: اس سے بڑھ کر اپنی جان پر اور کیا ظلم ہوگا کہ، خدا نے تو ان کو بزرگی دی، علم و ہنر ہوش و ادراک عطا کیا، لیکن انہوں نے اس عزت خداداد کو کیسا غارت کیا کہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں کو سجدہ کرنے لگے جو نہایت مبتذل چیز ہے جس کو نہ حس و حرکت نہ عقل و شعور، ان کا یہ کام تو مکڑی کے جالے

کی طرح بے بنیاد ہے، سب چیزوں کے گھروں کو دیکھئے، ان سب میں بے بنیاد مکڑی کا گھر ہے جس سے نہ دھوپ کا آرام نہ بارش سے امن، ہاں وہ مکڑی اس میں مکھی مچھر کا شکار کرلیتی ہے، اسی طرح جوان بت پرستوں کو کوئی دُنیاوی فائدہ پہنچ جاوے تو وہ بھی ایسا ہی بے بنیاد ہے، اس طرح ان کو اس مذہب سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ کاش اس حقیقت کو یہ سمجھتے۔

مشرک ناپاک ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ (التوبۃ:۲۸)

(اے ایمان والو! مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ کے) نرے ناپاک ہیں سو (اس ناپاکی پر جو احکام متفرع ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ) یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام (یعنی حرم) کے پاس (بھی) نہ آنے پائیں (یعنی حرم کے اندر داخل نہ ہوں) اور اگر تم کو (اس حکم کے جاری کرنے سے بدیں وجہ) مفلسی کا اندیشہ ہو (کہ لین دین انہی سے زیادہ متعلق ہے جب یہ نہ رہیں گے تو کام کیسے چلے گا) تو (تم خدا پر توکل رکھو) خدا تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا (ان کا) محتاج نہ رکھے گا، بیشک اللہ تعالیٰ (احکام کی مصلحتوں کو) خوب جاننے والا ہے (اور ان مصلحتوں کی تکمیل کے باب میں) بڑا حکمت والا ہے (اس لئے یہ حکم مقرر کیا اور تمھارے افلاس کے انسداد کا سامان بھی کردے گا)۔

اس آیت میں مشرکوں کے لئے لفظ ''نَجَس'' استعمال فرمایا ہے، جو نجاست کے معنی میں ہے، اور نجاست کہا جاتا ہے ہر گندگی کو جس سے انسان کی طبیعت نفرت کرے، امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ اس میں وہ نجاست بھی داخل ہے جو آنکھ ناک یا ہاتھ وغیرہ سے محسوس ہو، اور وہ بھی جو علم وعقل کے ذریعہ معلوم ہو، اس لئے لفظ نجس اس غلاظت اور گندگی کو بھی شامل ہے جو ظاہری طور پر سب محسوس کرتے ہیں، اور اس معنوی نجاست کو بھی جس کی بنا پر شرعاً وضو یا غسل واجب ہوتا ہے، جیسے جنابت یا حیض ونفاس

کے ختم ہونے کے بعد کی حالت، اور وہ باطنی نجاست بھی جس کا تعلق انسان کے قلب سے ہے جیسے عقائد فاسدہ اور اخلاق رذیلہ۔

آیت مذکورہ میں کلمہ ''اِنَّمَا'' لایا گیا ہے جو حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ'' کے معنی یہ ہو گئے کہ مشرکین نری نجاست ہی ہیں، اور صحیح بات یہ ہے کہ عام طور پر مشرکین میں تینوں قسم کی نجاستیں ہوتی ہیں، کیونکہ بہت سی ظاہری ناپاک چیزوں کو وہ ناپاک نہیں سمجھتے اس لئے ان ظاہری نجاستوں سے بھی نہیں بچتے، جیسے شراب اور اس سے بنی ہوئی چیزیں، اور معنوی نجاست سے غسل جنابت وغیرہ کے تو وہ معتقد ہی نہیں، اسی طرح عقائد فاسدہ اور اخلاق رذیلہ کو بھی وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (معارف)

مشرکوں کی بخشش کی دعا کرنا جائز نہیں

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ (التوبۃ:۱۱۳)

(پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں، اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں (اس وجہ سے کہ کافر ہو کر مرے ہیں)

یعنی مومنین جب جان و مال سے خدا کے ہاتھوں بیع ہو چکے تو ضروری ہے کہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں۔ اعداءُ اللہ سے جن کا دشمن خدا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو۔ محبت و مہربانی کا واسطہ نہ رکھیں۔ خواہ دشمنان خدا ان کے ماں باپ، چچا، تایا اور خاص بھائی بند ہی کیوں نہ ہوں۔ جو خدا کا باغی اور دشمن ہے وہ ان کا دوست کیسے ہوسکتا ہے۔ پس جس شخص کی بابت پتہ چل جائے کہ وہ بالیقین دوزخی ہے۔ خواہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے یا اس طرح کے اعلانیہ کفر و شرک پر اس کو موت آ چکی ہو، اس کے حق میں استغفار کرنا اور بخشش مانگنا ممنوع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شرک کرنے والوں کے عمل برباد ہو جائیں گے

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ (الانعام:۸۸)

(اللہ کی (جانب سے جو) ہدایت (ہوتی ہے) وہ یہی (دین) ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت (یعنی منزل پر پہنچانے کی صورت میں) کرتا ہے (چناں چہ اب جو لوگ موجود ہیں ان کو بھی اسی کی ہدایت اس معنی سے ہوئی کہ ان کو صحیح راستہ دکھا دیا، پھر منزل پر پہنچانا نہ پہنچنا ان کا کام ہے، مگر ان میں سے بعض نے اس کو چھوڑ کر شرک اختیار کر لیا) اور (شرک اس قدر ناپسند چیز ہے کہ غیر انبیاء تو کس شمار میں ہیں) اگر فرضاً یہ حضرات (انبیاء مذکورین) بھی (نعوذ باللہ) شرک کرتے تو جو کچھ یہ (نیک) اعمال کیا کرتے تھے ان میں سب اکارت ہو جاتے۔)

یعنی خالص توحید اور معرفت و اطاعت خداوندی کا راستہ ہی وہ ہے، جس پر حق تعالیٰ اپنے فضل و توفیق سے مقبول بندوں کو چلاتا ہے، پھر اس کے صلہ میں حسب استعداد درجات بلند کرتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شرک جیسی برائی میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ یاد رکھے کہ شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے اگر بفضل محال انبیاء و مقربین سے معاذ اللہ ایسی حرکت سرزد ہو تو ان کا بھی سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔ یہ انداز جس میں بظاہر انبیاء علیہم السلام کو مخاطب کیا گیا ہے ہمیں سمجھانے کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے کہ شرک کتنی بری شے ہے۔ ورنہ اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ ایسے اعلیٰ مراتب پر فائز اللہ کے عظیم الشان انبیاء و رسل شرک میں مبتلا ہوتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک نا قابل معافی جرم ہے۔

کافروں کے اعمال ان کے لئے باعث حسرت

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ (البقرۃ:۱۶۶۔۱۶۷)

(جب (ان مشرکین میں سے) وہ (ذی اثر) لوگ جن کے کہنے پر دوسرے (عوام) چلتے تھے ان (عام) لوگوں سے صاف الگ ہو جاویں گے جو ان کے کہنے پر

چلے تھے اور سب (خواص وعوام) عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے (کہ ایک تابع تھا دوسرا متبوع تھا وغیرہ وغیرہ) اس وقت سب قطع ہوجاویں گے (جیسے دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جرم میں سب شریک ومتفق ہوتے ہیں اور تنقیح مقدمہ کے وقت سب الگ الگ بچنا چاہتے ہیں حتی کہ باہمد گر شناخت تک کے منکر ہوجاتے ہیں) اور (جب) یہ تابع لوگ (متبوعین کی یہ طوطا چشمی دیکھیں گے تو بڑے جھنجلاویں گے اور تو کچھ نہ ہوسکے گا مگر جھلا کر) یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو (دنیا میں) بس ذرا ایک دفعہ جانا مل جاوے تو ہم بھی ان سے (اتنا بدلہ تو لے لیں کہ اگر یہ پھر ہم کو اپنے تابع ہونے کی ترغیب دیں تو ہم بھی ان سے) صاف (ٹکا سا جواب دے کر) الگ ہوجاویں جیسا یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے (اور کہہ دیں کہ جناب آپ وہی ہیں کہ عین موقع پر بے رخی کی تھی اب ہم سے کیا غرض، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تجویزوں اور سوچ بچاروں سے کیا ہاتھ آوے گا فقط) اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان (کے پیرائے میں) کرکے ان کو دکھلا دیں گے اوران (تابعین ومتبوعین سب) کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا (کیونکہ شرک کی سزا خلود فی النار ہے)

یعنی جیسے مشرکین کو عذاب الٰہی اور اپنے معبودوں کی بیزاری دیکھ کر سخت حسرت ہوگی اسی طرح پر ان کے جملہ اعمال کو حق تعالیٰ ان کے لئے موجب حسرت بنادے گا ۔کیونکہ حج وعمرہ اور صدقات وخیرات جو اچھی باتیں کی ہونگی وہ سب تو بسبب شرک مردود ہوجائیں گی اور شرک وگناہ جس قدر کئے ہونگے ان کے بدلہ عذاب ملے گا تو اب ان کے بھلے اور برے اعمال سب کے سب موجب حسرت ہونگے کسی عمل سے کچھ نفع نہ ہوگا اور ہمیشہ دوزخ میں رہینگے بخلاف موحدین اور اہل ایمان کے کہ اگر بسبب معاصی دوزخ میں جائیں گے تو انجام کار نجات پائیں گے۔مشرکین اس وقت کہیں گے کہ اگر کسی طرح ہم کو پھر دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے اپنا انتقام لیں اور جیسا یہ آج ہم سے جُدا ہوگئے ہم بھی ان کو جواب دے کر جُدا ہوجائیں لیکن اس آرزو محال سے بجز افسوس کچھ نفع نہ ہوگا۔(تفسیر عثمانی ملخصاً)

اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۴۸﴾ (النساء:۴۸)

(بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوائے اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جُرم کا مرتکب ہوا۔)

یعنی اللہ تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے۔ اس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرنا بہت بڑا جھوٹ، افتراء اور بہتان ہے اور عظیم ترین گناہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس بات کو سزا دے کر بھی نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے۔ ہاں اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کھلا لائسنس دے دیا گیا ہے کہ آدمی بس شرک نہ کرے باقی دوسرے گناہ دل کھول کر کرتا رہے سب گناہ معاف ہو ہی جائیں گے۔ بلکہ دراصل اس سے یہ بات ذہن نشیں کرانی مقصود ہے کہ شرک، جس کو مشرکوں نے بہت معمولی چیز سمجھ رکھا تھا، تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے حتیٰ کہ اور گناہوں کی معافی تو ممکن ہے مگر یہ ایسا گناہ ہے کہ معاف نہیں کیا جا سکتا۔ مشرک کی سزا دائمی ہے البتہ شرک سے نیچے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب قابل مغفرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت چاہے اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے کچھ عذاب دیکر یا بلا عذاب دیئے۔ ہاں اگر وہ مشرک مسلمان ہو جائے یا جس قسم کے شرک میں مبتلا ہے اس سے توبہ کر لے تو پھر مشرک ہی نہ رہا، اب اس کے لئے سزا دائمی بھی نہ رہے گی۔

مشرک کا ٹھکانہ جہنم ہے

اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَ مَاۡوٰىہُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۷۲﴾ (المائدۃ:۷۲)

(بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو

حرام کردے گا، اوراس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔)

یعنی جولوگ دنیا میں رہ کر کفر وشرک جیسی گندگی میں مبتلا رہیں گے اور رب ذوالجلال والاکرام کے ساتھ غیروں کو اس کا شریک قرار دیں گے، یا اس کے علاوہ کسی اور کو خدا مانیں گے۔ اللہ تعالی ہرگز ان کو معاف نہیں کرے گا، اور ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم کی آگ میں ان کو جھونک دے گا۔

❖ ❖ ❖

چند امورِ شرک

خلاصہ کہ طور پر بحث کے آخر میں چند ایسے امور کو ذکر کیا جا رہا ہے جو شرک ہیں، خواہ ان کا تعلق شرک جلی سے ہو یا شرک خفی سے۔

فرشتوں کو اللہ کی اولاد سمجھنا شرک ہے

بعض مشرکین ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیٹی نہیں ہیں، بلکہ بندے ہیں، مقبول اور عزت والے ہیں، لیکن یہ قدرت نہیں کہ بڑھ کر بول سکیں یا بغیر حکم کچھ کریں۔ خدا کی شان رفیع کے لائق نہیں کہ بیٹے بیٹیاں بنائے۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۟ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۟ (انبیاء:۲۶-۲۷)

(اور مشرک لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے، اللہ تعالیٰ (اس سے) پاک ہے، بلکہ (وہ فرشتے اس کے) بندے ہیں (ہاں) معزز۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اس کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔)

یعنی جن برگزیدہ ہستیوں کو تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں۔ نہ خدا کی شان رفیع کے لائق ہے کہ بیٹے بیٹیاں بنائے۔ ہاں یہ اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز و مقرب ہونے کے ان کے ادب و اطاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور اجازت نہ پائیں اس کے سامنے خود آگے بڑھ کر لب نہیں ہلا سکتے اور نہ کوئی کام اس کے حکم کے بدون کر سکتے ہیں۔

اللہ کے علاوہ کسی سے دعا مانگنا شرک ہے

ارشاد باری ہے:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ (رعد:۱۴)

(سچا پکارنا اسی کے لیے خاص ہے اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو، تاکہ وہ اس کے منہ تک (اڑ) کر آ جاوے اور وہ اس کے منہ تک (از خود) آنے والا نہیں اور کافروں کی درخواست (ان معبودانِ باطل سے) کرنا محض بے اثر ہے۔)

یعنی پکارنا اسی کو چاہیے جو ہر قسم کے نفع وضرر کا مالک ہے عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟ اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ میں اپنا یا دوسروں کا نفع وضرر ہے؟ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لیے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا دریا کے کنارے ہاتھ پھیلا کے پانی کو پکارے کہ اے پانی تو میرے منہ میں آ جا، تو وہ ہرگز نہ آ سکے گا، اسی طرح جو لوگ اللہ کے سوا اور لوگوں کو پکارتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں، وہ مدد نہیں کر سکتے ہیں، یعنی بے اختیاری میں دونوں برابر ہیں، جیسے پانی کو اپنے آپ منہ میں آ جانے کی قدرت نہیں، ویسے ہی اللہ کے سوا مدد کرنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ سبحان اللہ! کیا کیا مثالیں دے کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سمجھاتا ہے، اگر اس پر بھی کوئی نہ سمجھے تو آدمی نہیں جانور ہے۔

اللہ تعالیٰ یعنی اگر پیاسا دریا کے کنارے ہاتھ پھیلا کے پانی کو پکارے کہ اے پانی تو میرے منہ میں آ جا، تو وہ ہرگز نہ آ سکے گا، اسی طرح جو لوگ اللہ کے سوا اور لوگوں کو پکارتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں، وہ مدد نہیں کر سکتے ہیں، یعنی بے اختیاری میں دونوں برابر ہیں، جیسے پانی کو اپنے آپ منہ میں آ جانے کی قدرت نہیں، ویسے ہی اللہ کے سوا مدد کرنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ کتنی عمدہ مثال دے کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو

سمجھا رہا ہے، اگر اس پر بھی کوئی نہ سمجھے تو آدمی نہیں جانور ہے۔

اللہ کے علاوہ کسی کو نفع ونقصان والا سمجھنا شرک ہے

ارشاد باری ہے:

وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾ (انعام:۱۸۔۱۷)

(اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچاویں تو اس کا دور کرنے والا سوا اس (اللہ تعالیٰ) کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچاویں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ اور وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں۔)

یعنی دنیا یا آخرت میں جو تکلیف یا راحت خدا کسی کو پہنچانا چاہے نہ کوئی مقابلہ کر کے روک سکتا ہے اور نہ اس کے غلبہ واقتدار کے نیچے سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ وہ پوری طرح خبردار ہے کہ کس بندے کے کیا حالات ہیں اور ان حالات کے مناسب کس قسم کی کارروائی قرین حکمت ہوگی۔

اس آیت میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ میری دی ہوئی تکلیف کو کوئی دور نہیں کرسکتا، لیکن افسوس اس زمانے کے نادان لوگ مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں، بزرگوں اور دیگر بندوں سے مدد مانگتے ہیں۔ کوئی حاضری حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مانتا ہے، کوئی توشہ شاہ عبدالحق رحمہ اللہ کا کرتا ہے، کوئی مالیدہ شاہ مدار کا چڑھاتا ہے، اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اللہ کے بندے ہیں، ان کو کیا قدرت کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکلیف کو ختم کردیں۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ ہم انبیاء واولیاء سے جو مدد چاہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بھلا سیڑھی کے بغیر کوٹھے پر کوئی چڑھ سکتا ہے؟ یا امیر اور وزیر کے وسیلہ کے بغیر بادشاہ تک کوئی پہنچ سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی سیڑھی کے بغیر کوٹھے پر چڑھنا ممکن نہیں، اسی طرح

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی اطاعت کے بغیر اللہ کا ملنا بھی ممکن نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا حکم یہی ہے کہ اللہ تعالی کے سوا نہ تو کسی سے مدد چاہو اور نہ مرادیں مانگو۔ اب سوچو تو ذرا کہ اصل سیڑھی کو تم نے چھوڑ دیا ہے یا نہیں؟ ۔

نیز اللہ تعالی کو ایک بادشاہ کی طرح سمجھنا بالکل غلط ہے، اس لیے کہ بادشاہ بیک وقت ہر جگہ پورے ملک میں نہیں پہنچ سکتا ہے، ہر کسی کی بات نہیں سن سکتا، پورے ملک کے تمام امورا کیلے انجام نہیں دے سکتا، اس وجہ سے وہ دوسرے لوگوں کے سپرد کام کرتا ہے اور اللہ تعالی ان باتوں سے پاک ہے، وہ کسی کے مشورے کا محتاج نہیں، ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، ہر ایک کی بات سنتا ہے، دلوں کے بھید تک جانتا ہے، اس کو کیا محتاجی کہ اپنا کام کسی کے سپرد کرے، یا کسی سے صلاح ومشورہ کرے اور کسی فرشتے یا پیغمبر کو مجال نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر کچھ بول سکیں، وہ مالک اکیلا، زبردست، بڑی شان والا ہے، نہ کوئی اس کا وزیر ہے اور نہ کوئی اس کا نائب ہے۔ آپ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس لیے اس کے سوائے کسی اور کو پکارنا جائز نہیں، خواہ وہ نبی یا رسول ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی رسول کو پکارے تو وہ بھی ظالم کہلائے گا۔

جیسا ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ (یونس:۱۰۶)

(اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا، پھر اگر تو ایسا کرے تو تو بھی اس وقت ہو ظالموں میں)

یعنی اے نبی آپ ان مشرکین ومنکرین سے فرما دیجئے، جو آپ کے لائے ہوئے دین کو قبول نہیں کر رہے ہیں کہ اگر میرا طریقہ اور مسلک دینی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لیے اس کی نسبت شکوک وشبہات میں پھنسے ہوئے ہو، تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں کی عبادت سے سخت نفور اور بیزار ہوں جس کے اختیار کرنے کا امکان بھی کبھی

میری طرف سے دل میں نہ لانا۔ میری عبادت خالص اس خداوند قدوس کے لیے ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سب کی جانیں ہیں کہ جب تک چاہے انہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے، گویا موت وحیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اسی کی ہوسکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ جوارح سے اس کی بندگی کی جائے، ضروری ہے کہ دل میں اس کی توحید وتفرید پر پورا یقین وایمان ہو اور ظاہر و باطن میں اسی دین حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرک جلی وخفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔ جس طرح عبادت صرف اسی کی کریں، استعانت کے لیے بھی اسی کو پکاریں، کیونکہ ہر قسم کا نفع نقصان اور بھلائی برائی تنہا اسی کے قبضہ میں ہے۔ مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لیے پکارنا جو کسی نفع نقصان کی مالک نہ ہوں سخت بے موقع بات بلکہ ظلم عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو ان کی عظیم الشان شخصیت کو لحاظ کرتے ہوئے ظلم اعظم ہوگا۔

پس جب حکم الٰہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو، تو معلوم ہوا کہ لوگوں کی جو عادت ہوگئی ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، قدم پھسلتے ''یارسول اللہؐ، یا علیؓ، یا عبدالقادر جیلانیؒ، یا مخدومؒ'' کہتے ہیں اور ان کو پکارتے ہیں، درست اور جائز نہیں ہے۔ ایسے مواقع پر ''یا اللہ'' کہنا چاہئے اور مدد کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہیے۔

چنانچہ ایک دوسری آیت میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ (ال عمران:۱۹۱)

(یعنی مسلمان لوگ وہ ہیں جو اللہ کو پکارتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے)

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ کہیں نہیں فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہیں کہ جو اٹھتے بیٹھتے ''یا محمد، یا علی'' کہتے ہیں۔ پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ ورسول کا جو حکم ہو اسی پر چلیں اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہ پیدا کریں۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ربانی ہے:

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (جن:۱۸)

(اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔)

معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو بیماریوں اور سخت مصیبتوں میں کہنے لگتے ہیں ''یا اللہ، یا حسین'' خبر لیجئے، درست نہیں ہے، یہ وقت اللہ تعالی سے مدد مانگنے کا ہے، صرف اللہ تعالی ہی سے دعا کرنا چاہئے۔ اے غافل انسان ذرا سوچ! کیا اللہ تعالی تیری مدد کے لیے کافی نہیں، جو تو دوسروں سے مدد چاہتا ہے۔ کیا بُری عادت ہوگئی ہے کہ اللہ کے ساتھ بندوں کو بھی ملا دیتے ہو، چنانچہ کوئی کہتا ہے ''اللہ و رسول تمہارا بھلا کریں'' کوئی کہتا ہے ''اللہ و شاہ مدار تیری مدد پر رہیں'' یہ سب شرک ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

اللہ رب العزت کا صاف اعلان ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۟ؒ (الغافر:۶۰)

(اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔)

یعنی مجھ کو مثل بادشاہوں یا حاکموں کے نہ سمجھنا کہ جو سلطنت اور سرداری کے غرور سے کسی غریب کی بات نہیں سنتے ہیں، باوجودے کہ میں سارے جہان کا مالک ہوں، لیکن میری صفت کریم اور رحیم ہے، میں ہر ایک اعلی اور ادنی کی بات سنتا ہوں، تم کو جو حاجت ہوا کرے مجھ سے کہا کرو، میں اپنے کرم سے تمھاری دعا قبول کروں گا، تمہارا مانگنا خالی نہ جائے گا۔ بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا۔ نہ مانگنا غرور ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے۔ یہ بات تو بیشک برحق ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بندے کی ہر دعا قبول کیا کرے۔ یعنی جو مانگے وہ ہی چیز دے دے۔ نہیں اس کی اجابت کے بہت سے رنگ ہیں جو احادیث میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ کوئی چیز دینا اس کی مشیت پر موقوف اور حکمت کے تابع ہے۔ بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اذا سئلک فسئل اللہ واذااستعنت فستعن باللہ"

(ترمذی)

(جب تو کچھ مانگنے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد چاہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں اللہ تعالی کا بڑا مقبول بندہ ہوں اور تمہارا نبی ہوں، مجھ سے بھی مدد مانگا کرو۔

بعض جاہل یہ شبہ پیدا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالی کے سوا کسی سے مدد مانگنا درست نہیں، تو چاہئے کہ حاکم سے فریاد کرنا، حکیم سے علاج کروانا، نوکر یا غلام سے پانی مانگنا، ہاتھ میں لاٹھی رکھنا، بھی درست نہ ہو، اس لیے کہ ان کاموں سے بھی سوائے خدا کے اور چیزوں سے مدد چاہنا لازم آتا ہے۔؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حق تعالی نے ان چیزوں کو ان ہی کاموں کے واسطے سبب مقرر کیا ہے، پانی پینے کے لیے پیدا کیا ہے، اور دوائیاں بیماری سے شفایابی کے لیے، مگر مدار سالار کو اس واسطے نہیں پیدا کیا کہ لوگوں کو رزق اور بیٹے دیا کریں۔ نیز انبیائے کرام اور اولیائے عظام ان کاموں کو کرتے تھے، یعنی لاٹھی بھی ہاتھ میں رکھتے تھے، دوا بھی استعمال کرتے تھے اور اللہ تعالی نے ہم کو بھی ان کاموں سے منع نہیں فرمایا۔ الغرض اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور سے ایسے طور پر استعانت اور مدد مانگنا منع ہے کہ جس سے شرک لازم آئے اور نوبت نذر و نیاز کرنے اور منت ماننے تک پہنچے۔

ارشاد باری ہے:

وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (نحل:۵۶)

(اور یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان (معبودوں) کا وہ حصہ لگاتے ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں قسم ہے خدا کی تم سے تمہاری ان افتراپردازیوں کی ضرور بازپرس ہوگی۔)

یہاں خطاب عرب کے ان مشرکین سے ہے جو اپنے کھیت میں، مویشی میں،

تجارت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں ۔جنہیں یہ مشرکین جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع وضرر سمجھتے تھے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا سند ان کے پاس نہ تھی، پھر شرکاء بھی تجویز کیے گئے پتھر کے بت جو ہر قسم کے علم وشعور سے کورے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت میں ان افتراء پردازیوں کی تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔خدا کے دیے ہوئے مال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک وسہیم بناؤ۔(باقی کسی کو ثواب پہنچانے کا مسئلہ جداگانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں)

افسوس کہ اب بھی بہت سے نام نہاد مسلمان اس مشرکانہ عمل کا ارتکاب کرتے ہیں اور جانوروں میں سید احمد کبیر کی گائے، شیخ سدو کا بکرا، شاہ مدار کی مرغی اور کھیت و سوداگری میں سے بھی چٹکی حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی اور شاہ مدار کی نکالتے ہیں اور پیسہ امام ضامن کا بازو پر باندھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب اللہ کا مال ہے، اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں، اس کے حکم کے بغیر کسی کا حصہ اپنی طرف سے نہ مقرر کرو، ہاں البتہ یہ درست ہے کہ اس کو اللہ کی نذر کرو اور اس کا ثواب جو تم کو ملتا اسے ان کی روح کو بخش دو، لیکن نام ٹھہرا دینا کہ یہ چیز فلانے بزرگ کی ہے جائز نہیں ہے۔

غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے

امور شرک ہی میں سے اللہ کے علاوہ کسی بھی چیز کو سجدہ کرنا ہے، خواہ وہ زندہ ہو جیسے پیر وغیرہ کو سجدہ کرنا یا مردہ اور غیر ذی روح ہو جیسے کسی نبی اور ولی کی قبر کو یا کسی درخت اور بت کو سجدہ کرنا، سب شرک اور موجب ہلاکت و بربادی ہے۔اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ میرے علاوہ کسی کو سجدہ نہ کرو:

وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ (فصلت:۳۷)

(اور منجملہ اس قدرت وتوحید کی) نشانیوں کی رات اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے (پس) تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور (صرف) اس خدا کو سجدہ کرو

جس نے ان (سب) نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔)

یعنی سجدہ کرنے کے لائق وہی ہے جس کو پیدا کرنے کی قدرت ہو اور جو خود اپنے پیدا ہونے میں دوسرے کا محتاج ہے، اسے سجدہ کرنا کیوں کر جائز ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اولیاء کی قبروں کو، اور تعزیوں کو سجدہ کرنا حرام ہے۔

بعضے ناواقف جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اور حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو، پس اسی طرح ہم بھی بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی پہلی امتوں میں درست تھا، لیکن ہمارے پیغمبر کے دین میں ممنوع ہو گیا ہے، جیسے حضرت آدم کے وقت میں سگی بہن سے نکاح کرنا درست تھا، بعد میں حرام ہو گیا۔

غیر اللہ کے نام کا روزہ رکھنا شرک ہے

اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی اور کے نام پر روزہ رکھنا بھی حرام ہے۔ بہت سے جاہل بعض اولیاء کے نام کا روزہ رکھتے ہیں، پھر بعض پورے دن کا رکھتے ہیں اور بعض ہندوؤں کی طرح صرف سوا پہر کا۔ حالاں کہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں ہے، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اس پر کلام ہو چکا ہے۔

غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا شرک ہے

جانور کا ذبح کرنا یہ بھی اللہ کے نام کے ساتھ خاص ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”لعن الله من ذبح لغيرالله“ (مشکوٰۃ، کتاب الصید الذبائح: ۳۵۷)

(لعنت کرے اللہ اس پر جو ذبح کرتا ہے جانور اللہ کے سوا کسی اور کے واسطے۔)

معلوم ہوا کہ کسی گائے کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ سید احمد کبیر کی گائے ہے، یا کسی بکرے کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ سید عبد القادر جیلانیؒ کا بکرا ہے اور پھر انہی حضرات کے نام پر ان کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ جس جانور کو پیروں اور بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اس کا گوشت

کھانا بموجب اس آیت کریمہ کے جائز نہیں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (مائدۃ:۳)

(تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو)

اس آیت سے جن چیزوں کا کھانا حرام ہوا ان میں اول میتہ (مردار جانور) ہے جو واجب الذبح جانور ذبح کئے بدون خود اپنی موت سے مر جائے اس کا خون اور حرارت غلیظ یہ گوشت ہی میں محتقن اور جذب ہو کر رہ جاتی ہے جس کی سمیت اور گندگی سے کئی قسم کے بدنی اور دینی مضار لاحق ہوتے ہیں (ابن کثیر) شاید اسی تعلیل پر متنبہ فرمانے کے لئے میتہ (مردہ جانور) کے بعد دم (خون) کی حرمت مذکور ہوئی اس کے بعد حیوانات کی ایک خاص نوع (خنزیر) کی تحریم کا ذکر کیا۔ جس کی بے انتہا نجاست خوری اور بے حیائی مشہور عام ہے، شاید اسی لئے شریعت حقہ نے دم (خون) کی طرح اس کو نجس العین قرار دیا ان تین چیزوں کے ذکر کے بعد جن کی ذوات میں مادی گندگی اور خباثت پائی جاتی تھی، محرمات کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا یعنی وہ جانور جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال و طیب ہے، مگر مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی نیاز کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہو، اس کا کھانا بھی نیت کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی بنا پر حرام ہے۔ کسی جاندار کی جان صرف اسی مالک و خالق کے حکم اور نام پر لی جا سکتی ہے جس کے حکم اور ارادہ سے اس پر موت و حیات طاری ہوتی ہے۔

غیر اللہ کے نام زد کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ ذبح کرنے سے پہلے ہی کسی جانور کا کسی بزرگ کے نام پر نام رکھ دیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ بکرا سید عبد القادر جیلانی کا، یا شیخ سدو کا ہے یا بھوانی کا بھوگ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے، عبد القادر جیلانی یا کسی اور بزرگ کا نام لیا جائے۔ اس زمانے میں اکثر لوگ عادت کی وجہ سے ذبح کے وقت تو ''اللہ اکبر'' ہی کہہ کر

ذبح کرتے ہیں، یعنی ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیتے ہیں۔ لیکن ذبح سے پہلے کسی اور کے نام کا مشہور کئے رہتے ہیں اور جب پہلے سے نیت بگڑی ہے تو اب ''اللہ اکبر'' کہنے سے کیا ہوتا ہے۔

غیر اللہ کی نذر ماننا شرک ہے

نذر و نیاز کا ماننا یہ بھی اللہ کے واسطے خاص ہے۔ یعنی یوں کہنا: الٰہی اگر اپنے فضل و کرم سے تو فلاں بیمار کو اچھا کر دے تو میں دس فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا، یا دو روزے رکھوں گا، اس کا نام نذر ہے۔ اور جب قرآن سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاجت براری کی قدرت نہیں، تو پیر اور پیغمبر کے نام کی نذر کرنا اور منت ماننا محض بے فائدہ اور گناہ ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب کوئی حاجت پیش ہو، اور نذر ماننا چاہیں، تو اللہ کے نام کی نذر مانیں کسی اور کی نذر جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ نذر ماننا صرف کھانے ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر نیک کام کی نذر مانی جاسکتی ہے، جیسے روزہ رکھنا، نفل نماز پڑھنا، کنواں کھدوانا، مسجد بنوانا وغیرہ ذالک۔

نجومیوں اور کاہنوں سے غیب کی باتیں معلوم کرنا شرک ہے

ہندوستان میں رائج شرکیہ رسمیں دو طرح کی ہیں: کچھ تو وہ ہیں کہ ان کا کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے اور کچھ وہ ہیں کہ ان کی بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز۔

قسم اول: جیسے نجومی اور برہمن سے شادی بیاہ کی تاریخ پوچھنا، یا سفر کے واسطے یا مکان بنانے کے وقت، نیک و بد ساعت کا دریافت کرنا، بالکل جائز نہیں ہے کہ واضح طور پر شرک ہے۔ اس لیے کہ غیب کی بات اللہ تعالیٰ کے علاوہ، پیغمبر خدا کو بھی معلوم نہ تھی دوسرے کی کیا حقیقت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''من اتی کا ہنا فصدقه بما یقول فقد برئ بما انزل علی محمد.''

(جو غیب بتانے والے کے پاس گیا پھر اس کی بات کو سچا جانا سو وہ بے نصیب ہوا

قرآن سے)

اس لیے کہ قرآن میں تو یہ بتلایا گیا ہے کہ غیب کی بات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور جب کسی نے نجومی یا برہمن سے نیک و بد ساعت پوچھی تو گویا وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان کو بھی غیب کا علم ہے، جو بظاہر قرآن کا انکار ہے اور جو قرآن کا انکار کرے اس کا ٹھکانا سوائے دوزخ کے کہاں۔

کاہن اور برہمن دس باتیں اپنی طرف سے بنا کر، پوچھنے والے کو بتا دیتے ہیں، اس میں کبھی کوئی بات موافق بھی پڑ جاتی ہے، پس نادان سمجھتے ہیں کہ یہ سب سچ باتیں ہی بتاتے ہیں، اور یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر یہ لوگ سچے ہوتے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے، انھیں اس کا علم ہے تو اپنی بہتری اور روزی کی پہلے فکر کرتے، دو پیسے کے لئے دنیا بھر کا جھوٹ کیوں بولتے اور اور لوگوں کو الٹی سیدھی باتیں بتا کر ان سے کیوں روپۓ ٹھگتے۔

علاوہ ازیں ایسے منتر پڑھنا بھی حرام ہے کہ جس میں غیر اللہ سے مدد و استعانت طلب کی گئی ہو، مثلاً ہنومان یا لونا چماری کی دہائی ہو، نیز ایسے اشعار پڑھنا بھی حرام ہے جس میں شرک کا مضمون ہو، جیسے یہ شعر ہے:

علی جو چاہیں تو مقصد کو سر براہ کریں
گدا کو چاہیں تو اک پل میں بادشاہ کریں

اسی طرح سر پر شاہ مدارؒ کی چوٹی رکھنا، نیزے کھڑے کرنا، منت مان کر قبروں پر چادریں چڑھانا، چراغوں کا جلانا، پیروں کے واسطے جانور ذبح کرنا، امام ضامن کا پیسہ بازو پر باندھنا، چوراہے میں صدقے کا رکھنا، تین کوڑی کی پیر نصیر الدین کی شیرینی ماننا، چیچک کی بیماری میں مالن کو بلوانا، گوشت کا نہ پکوانا، یہ سب رسمیں شرکیہ ہیں، ان کو کرنا کسی طرح درست نہیں۔

دوسری قسم: جیسے حاضری حضرت عباسؓ کی، صحنک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی، گیارھویں شیخ عبد القادرؒ جیلانی کی، مالیدہ شاہ مدار کا، سویاں شاہ بوعلی قلندر کی، توشہ شاہ عبد الحق کا، ان امور کا اس نیت سے کرنا کہ: ''یا حضرت! آپ ہمارا فلاں کام

کردو"، حرام، نہایت برااور صاف شرک ہے۔اور اگر منت نہیں ہے، بلکہ بغیر تخصیص کچھ قرآن پڑھ کر، یا فقراء کو کھانا کھلا کر، یا کچھ نقدی صدقہ کر کے اس کا ثواب ان حضرات کی روح کو یا اپنے باپ دادا اور دیگر مرحومین کو پہنچانا چاہتا ہے تو درست ہے۔

❖❖❖

دردمندانہ اپیل

مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا عقیدہ اور ایمان، قرآن وحدیث کی تعلیمات کے موافق رکھیں، قصوں، کہانیوں اور سنی سنائی باتوں کو عقیدے کا حصہ نہ بنائیں۔ اور یہ یاد رکھیں کہ زندگی صرف دنیا ہی کی نہیں ہے، بلکہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے، مر کر سب کو آخرت ہی میں جانا ہے اور دنیا میں جو کچھ کیا ہے، جو عقیدہ رکھا ہے، اس کا حساب دینا ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر اعمال میں کچھ کمی رہی تو ذات رحمٰن سے معافی کی امید ہے، لیکن اگر عقیدے میں کوئی فتور رہا اور درست عقیدے پر موت نہ آئی تو پھر معافی کی کوئی صورت نہیں۔

اس لئے ایک مومن کو ہمیشہ اپنی، اپنی اولاد کی، اپنے متعلقین اور دیگر مسلمانوں کے ایمان اور عقیدے کو درست رکھنے کی فکر کرنا چاہئے اور قرآن وحدیث سے غیر ثابت باتوں کو عقیدے کا حصہ نہیں بنانا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی غلط عقیدہ کی وجہ سے آخرت میں سخت باز پرس کا سامنا کرنا پڑے وما توفیقی الا باللہ

و آخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین، و صلی اللہ علی رسولہ الکریم

آج مؤرخہ ۲۰ /جمادی الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۸ /فروری ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ اس کتاب کی تسوید وتبییض سے فراغت حاصل ہوئی۔ اللہ رب العزت دین کی اس معمولی خدمت کو قبول فرمائے، میرے لئے، میرے والدین واساتذہ اور معاونین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾
وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾
يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

احقر الافقر
محمد عرفان ثاقب قاسمی کیرانوی

التوحید

اصحابِ علم وفضل کی نظر میں

تقریظات سے اقتباس:

''اس کتاب میں اسلام کے عقیدۂ توحید کی اچھی طرح وضاحت کرتے ہوئے، آیات انفس وآفاق کے ذریعہ ان کو مدلل کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں قرآن پاک کی آیات کو اصل بنیاد بنایا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں رد کفر وشرک سے متعلق ایک مستقل حصہ ہے۔ مجموعی طور پر کتاب اپنے مشمولات کے اعتبار سے مفید اور معلومات افزا ہے۔''

(حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم، مہتمم دارالعلوم دیوبند)

''مرتب موصوف نے اپنی کتاب ''التوحید'' میں موضوع کے دائرہ میں رہتے ہوئے عقیدۂ توحید پر تحقیقی انداز میں مدلّل کلام کیا ہے، اولاً توحید کی تعریف، پھر توحید اسماء وصفات، نیز صفات باری پر روشنی ڈالی ہے، ساتھ ساتھ توحید کو دس دلائل سے مبرہن کیا ہے، نیز وجود باری اور اس کی وحدانیت کے دلائل قرآن واحادیث سے مزیّن کر کے پیش کئے ہیں اور کفر وشرک کی تردید کرتے ہوئے کفار ومشرکین کو للکارا اور دعوت دی ہے کہ یہ لوگ خدا کی نشانیوں میں غور فکر کریں اور عقل ودانش سے کام لیں کہ تخلیق وتدبیر میں اسکا کوئی ساجھی نہیں ہے، لہٰذا عقلاً یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ ربّ کریم کے سوا کسی دوسرے کو پوجا جائے یا عبادت میں اللہ کے سوا کسی کو شریک کیا جائے؟ بہر حال یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع اور وقیع ہے۔''

(حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی زید مجدہٗ، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)



جامعۃ السعادۃ کیرانہ



جامعہ اسعاد البنات کیرانہ

TEHQIQAT-E-SHARIYA ACADEMY

Mohalla Ibrahim Pura (Aal Kalan) Shamli Road

Kairana, Distt. Shamli (U.P.) INDIA, Pin. 247774

Mob. 9319530768, 9359602830